

توحید علی

اخلاص فی العبادت اور اقامت دین

کی اہمیت و فضیلت

سورۃ زمر تا سورۃ شوریٰ کی روشنی میں



ڈاکٹر اسرار احمد — امیر تنظیم اسلامی
کا خطاب اور درس قرآن حکیم



ترتیب و تسوید

جمیل الرحمن

مکتبہ تنظیم اسلامی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين
والصلاة والسلام على خير خلقه محمد بن الامين
وعلى آله وصحبه اجمعين -

مترجم ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی، ۶۸۳ سے ۱۹ دسمبر ۶۸۳ تک خطابات، درس قرآن حکیم اور تنظیم اسلامی کے ایک تربیتی پروگرام کے ضمن میں کراچی میں مقیم رہے۔ اس دوران شریف آباد فیڈرل بی ایریا عقوبت الاعظم اسکوائر میں امیر موصوف نے ۱۳ تا ۱۵ دسمبر ۶۸۳ کو بعد نماز عشاء علاقہ کی وسیع و عریض مسجد جامع مسجد الصفا میں پہلے دن ایک عمومی خطاب فرمایا اور بقیہ دو دن سورہ شوریٰ کے بعض مقامات کا درس دیا اور اس امر کو واضح فرمایا کہ فرضیہ اقامت دین، توحید فی العلم اور توحید فی العمل کا ذرہ سنام (چوٹی) ہے۔ اس خطاب میں یہ مضمون سورہ زمر سورہ مؤمن سورہ حکم السجدہ سے سورہ شوریٰ کی طرف بتدریج آگے بڑھتا ہے۔ فرضیہ اقامت دین کے موضوع پر امیر محترم کے متعدد خطابات اور دروس ہو چکے ہیں۔ لیکن اس عاجز کے خیال میں اس موضوع پر موصوف کا یہ خطاب اور درس چوٹی کا درجہ رکھتا ہے۔ اور بالکل نئے اسلوب سے دیا گیا ہے، طرز استدلال بھی نیا ہے۔

لہذا اس عاجز نے کیسٹ سے منتقل کر کے اس خطاب اور پہلے درس کو مجموعی حکم و اضافہ اور ذیلی و ضمنی سرخیوں کے ساتھ ماہنامہ "میشاق" میں سات اقساط میں شائع کیا اور اب اللہ تعالیٰ کی توفیق، نصرت اور تائید کے ذریعے خطاب اور دونوں دروس کو

کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ط

اس خطاب اور درس میں جہاں اقامتِ دین کی فرضیت واضح اور مبہن ہو کر سامنے آتی ہے وہاں اس عظیم ترین فرض کی ادائیگی کے لئے جو تنظیم قائم ہو اس کے رفقاء میں جو اوصاف اور خصائص مطلوب ہیں وہ بھی بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں جن کو اپنے اپنے اندر پیدا کرنے کی شعوری کوشش کرنا ہر اس رفیق پر لازم و لا بد منہ ہے جو تنظیم سے وابستہ ہے۔

اس خطاب اور ان درس پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد دام اقبالہ حسب دستور نظر ثانی نہ فرما سکے۔ البتہ اس مرتبہ موصوف کے فرزند ارجمند عزیزیم ڈاکٹر عارف رشید سلمہ فیو قرآن اکیڈمی نے نظر ثانی بھی کی ہے اور بڑی عرق ریزی کے ساتھ کتابت کی تصحیح بھی کی ہے۔ جزاء اللہ خیرا و احسن الجزاء۔

جیسا کہ متعدد بار عرض کیا جا چکا ہے کہ خطاب اور درس کو تحریری شکل دینا کافی مشکل کام ہے۔ انتہائی احتیاط کے باوصف ڈاکٹر صاحب کے مدعا کو تحریری صورت دینے میں زبان و انشاء کی تقصیر ہ جاتی ہے۔ لہذا دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔ ان شاء اللہ وہ وقت آئے گا جب امیر محترم کے جملہ خطابات و درس ان کی نظر ثانی کے بعد شائع ہو سکیں گے۔ اس طرح ان کی افادیت میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا۔

امیر محترم نے اسی موضوع پر ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو عالی مسجد نواں کوٹ ملتان روڈ، لاہور میں تنظیم اہل سنت و الجماعت کے چالیسویں سالانہ اجلاس میں بھی خطاب فرمایا تھا۔ اس اجلاس میں تنظیم کے امیر محترم حضرت مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری دامت برکاتہم بھی بنفس نفیس شریک تھے۔ شاہ صاحب دامت برکاتہم دعوت توحید اور مشرکانہ و مبتدعانہ اوہام، عقائد اور افعال کی تردید و ابطال کے ضمن میں پاکستان گیر شہرت رکھتے ہیں۔ امیر محترم کے خطاب کے بعد شاہ صاحب قبلہ نے جن خیالات کا اظہار فرمایا تھا ان کو مجسمہ اور لفظ بلفظ کیسٹ سے منتقل کر کے صفحات آئندہ میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اللهم ثبت اقدامنا على دينك، اللهم ثبت

اقدامنا على طاعتك اللهم ارزقنا شهادة في

سبيلك آمين يا رب العالمين احقر: جميل الرحمن

۲۷ فروری ۱۹۸۵ء

ارشادات

حضرت مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری مدظلہ العالی

امیر جمعیت اشاعت التوحید والنہ

حضرت شاہ صاحب مدظلہ نے خطبہ مسنونہ کے بعد سورہ رعد کی حسب ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ
لَهُمْ بَشَىٰ إِلَّا كِبَاسٌ مِّمَّا يَكْفِيهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْدَغَ فَأَهُ وَ مَا هُوَ
بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكٰفِرِیْنَ إِلَّا فِي ضَلٰلٍ ۝

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب قبلہ نے اپنے موضوع "توحید فی الحقیقت کیا ہے؟"

پر گفتگو سے قبل بطور تمہید فرمایا:-

”بزرگو! بھائیو! عزیزو! ہمارے محترم و مکرم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
نے ماشاء اللہ دلائل و لا توۃ الالباء اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جس خوبی
اخلاص، اور سوز اور دردِ دل سے توحید فی العمل _____ یا توحید فی الطلب
کو مفصل اور پورے اجزاء کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور پھر الحمد للہ کتاب و
سنت کے پورے حوالے سے اور صحیح تشریح سے آپ حضرات تک
فصل الخطاب کے ساتھ پیغامِ حق پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسے
قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میرا یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے جناب
محترم کی تقریر سنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے۔ اللہ تعالیٰ
دینِ حق پر، دینِ تیم پر، دینِ خالص پر جناب مکرم کو استقامت اور اخلاص
کی نعمت نصیب فرمائے، اور جس ولولے، جس جذبے، جس محنت کے
ساتھ یہ فرمائے الہی کو مقصود بنائے ہوئے دعوتِ حق کا کام کر رہے ہیں

تبلغ کا حق ادا کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے اپنوں کی بھی باتیں سن رہے ہیں۔
غیروں کے لعن و تشنیع بھی برداشت کر رہے ہیں۔ اس کام میں وقتاً فوقتاً
جو تکالیف اٹھاتے اور جھیلتے ہیں وہ ان کے لئے تو شہد آخرت بنائے
اور اللہ تعالیٰ اس دعوت کو کامیاب فرمائے اور ہم سب مسلمانوں کو توفیق
دے اور اپنے فضل و رحمت سے ہماری قسمت میں یہ سعادت عطا فرمادے
کہ اللہ اللہ جس طرح ڈاکٹر صاحب دل و جان سے کوشش کر رہے ہیں کہ
دین توحید اجتماعی رنگ میں غالب اور نافذ ہو جائے۔ دین پورا کا پورا قائم ہو۔
اسی طرح ہم بھی اس کام میں لگ جائیں۔ ان کی تو کوشش ہے، محنت ہے۔ ان
کے ساتھیوں کی محنت ہے اور کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب فرمائے
یہ اس کے ساتھ میں ہے البتہ ہمیں وہ سب کچھ کرنا چاہیے جو ہم سے بن
سکے۔ اس کے مصداق تو ہم نہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور اس کی
قدرتِ کاملہ سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کامیابی عطا فرمادے۔ اس کے ہاتھ
میں ہے کہ: كَمْ مِّنْ نِّعَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ نِعْمَةً كَثِيرَةً يَا ذَا اللّٰهِ
وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ہ صبر و استقامت اسی طرح جاری رہا تو اللہ تعالیٰ
کی رحمت سے کوئی بعید نہیں کہ وہ کامیابی عطا فرمادے۔ ورنہ ایک مسلمان
کہلانے والے کا جو فریضہ ہے اس کے لئے تو ماشاء اللہ ڈاکٹر صاحب
تے تنہا کی بازی لگائی ہوئی ہے۔ یہ محض رسمی الفاظ نہیں بلکہ میرا حقیقی
تاثر ہے کہ مجھے ان کی تقریر سن کر الحمد للہ ثم الحمد للہ سب سے بڑی خوشی،
سب سے بڑی راحت اور سب سے بڑا اطمینان دل کو ہوا کہ یا اللہ اس
دور میں تو نے اپنے فضل و کرم سے کسی کو تو یہ توفیق بخش دی ہے کہ وہ
تیرے دینِ خالص کے لئے، دینِ حق کے لئے اجتماعی طور پر اسے کامیاب
بنانے کے لئے کوشش کر رہا ہے۔ اے اللہ! تو اس کو بار آور فرما۔
ایسی حالت تو ہوں گے۔ لیکن: وَ مِّنْ يَّقْنُظُ مِنْ رَّحْمَةٍ

رَبِّهِ إِلَّا الصَّالِحُونَ ۝ اللہ کی رحمت سے مایوسی گمراہی اور کفر ہے۔
وَلَا تَأْتِسُوا مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْتِسُ مِنْ رُوحِ اللَّهِ
إِلَّا الْقَوْمَ الْكَافِرُونَ ۝ اللہ کی رحمت سے صرف کافر لوگ ہی
مایوس ہوتے ہیں۔ باقی کچھ لوگ بعض اوقات کہہ دیتے ہیں کہ موجودہ
معاشرے میں اس کام کی کامیابی مشکوک ہے۔ یہ خیال ہی سر سے
غلط ہے۔

دنیا میں کامیابی ہو یا نہ ہو لیکن اللہ کے نزدیک کرنے کا کام یہی ہے
میں کون اور ڈاکٹر صاحب کون! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت
کے دن انبیاء میں سے بعض نبی جن کی صداقت پر، جن کی دیانت پر، جن کی
امانت پر، جن کی محنت پر، جن کی دعوت پر، جن کے اخلاص پر، جن کی استقامت
پر، جن کی قربانیوں اور ایثار پر کسی کو اعتراض کا موقع نہیں مل سکا تو اللہ تعالیٰ
اور اس کے نبی پاک نے فرمایا کہ ان میں سے کسی کے ساتھ دو اور کسی کے
ساتھ ایک اتنی ہوگا جنہوں نے دعوت کو پوری طرح قبول کیا ہوگا اور کسی کے
ساتھ ایک بھی نہیں! یہ تو حدیث ہے اور صحیح ہے۔ اللہ اللہ قرآن مجید میں
اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کا شکوہ نقل فرمایا ہے: رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي
لِيَلَاذَنَّهُمْ أَهْلًا لِي مِثْلَ مَا لَكَ لَئِيْلًا ذَنُوبًا أَهْلًا لِي مِثْلَ مَا لَكَ لَئِيْلًا ذَنُوبًا
توحيد اور صرف تیری عبادت کی دعوت دی اور اس کام کے لئے میں نے نہ
رات چھوڑی نہ دن چھوڑا لیکن نتیجہ! فَكَوَيْدُهُمْ دُعَاؤِي إِلَّا فَرَارًا
یہ میری دعوت سن کر راتوں کو بھی بھاگ کھڑے ہوتے اور دن کو بھی آگے آیا کہ
ثُمَّ إِنِّي أَعْلَمْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝ میں نے مجلسوں
میں اعلانیہ بھی دعوت دی۔ جیسے ڈاکٹر صاحب نے آپ حضرات کے سامنے
دعوت پیش کی۔ اور میں نے پوشیدہ ایک ایک کے پاس جا کر بھی دعوت
دی تاکہ مجلس میں بات سمجھ میں نہ آئی ہو تو اس طرح آجائے۔ الغرض دعوت

پہنچانے میں میں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ نہ رات چھوڑی نہ دن چھوڑا۔ نہ
اعلان چھوڑا نہ اسرار چھوڑا۔ اپنا تمام آرام تھج دیا۔ ڈاکٹر صاحب محترم کا نام بھی
آگیا۔ لیکن ان کی ساڑھے نو سو سال کی دعوت پر کتنے لوگ ایمان لائے! کتنے
لوگوں نے اسے قبول کیا! اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے کہ نوح علیہ السلام کے
اخلاص میں ان کی استقامت میں، ان کے ایشار، ان کی صداقت میں، ان کی
شجاعت میں نہ کمی تھی نہ کسی کو شک تھا۔ لیکن اللہ کی شہادت سن لو کہ اس
سب کا نتیجہ کیا نکلا! دَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ ”بہت ہی تھوڑے
آدمی ان پر ایمان لائے“ انہوں نے اللہ کے حکم سے جو کشتی بنائی وہ کتنی
بڑی ہوگی! آپ خود تصور کر لیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ کل انہی افراد
تھے۔ ذرا سوچو کہ ساڑھے نو سو برس کی دعوت کا نتیجہ یہ تھا۔ اگر نی برس ایک
آدمی بھی دعوت قبول کرتا تو ساڑھے نو سو تو آتے۔ چلو دس دس برس میں ایک آدمی آتا
تو بھی سچا نوے تو ہوتے لیکن بعض روایات میں انہی سے بھی کم تعداد آئی ہے۔ کلہم
چالیس افراد۔ ایک اور روایت بھی ہے جس میں نو افراد کی تعداد بیان ہوئی ہے۔ اللہ
اللہ کام کرنے والا یہ نہ سوچے کہ میرے ساتھ لوگ آتے ہیں یا نہیں آتے۔ دیکھنے
دلے بھی یہ نہ سوچیں کہ اس کے ساتھ فلاں بزرگ ملے یا نہیں ملے یہ دیکھو کہ کام
صحیح ہے۔ کتاب و سنت کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرآن کے مطابق ہے نبی
اکرم علیہ السلام کے ارشادات گرامی کے مطابق ہے تو چشم ما و ادل ناروشن پھر قبول کرنا
چاہیے۔ زیادہ لوگ ہوں یا نہ ہوں۔ اس میں اعلیٰ قسم کے لوگ ہوں یا نہ ہوں۔ وہ معاملہ
نہ ہو جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آنجناب کیساتھ کیا تھا۔ وَمَا نُرَاكَ إِلَّا الْيَتِيمَ
هُمُ ارَادُوا لَنَا بِاَدْوَى الرَّأْيِ ۝ اے نوح ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے مردار لوگ، بڑے بڑے ذہین
لوگ، بڑے بڑے باوجاہت لوگ وہ تو تیرے ساتھ آئے نہیں ہماری قوم کے کچھ ادنیٰ لوگ کم عقل
اور بے وقوف لوگ ہیں جو تیرے پیچھے لگ گئے ہیں۔ اللہ واللہ میں آپ لوگوں کو مخلصانہ
مشورہ دوں گا کہ ڈاکٹر صاحب کی دعوت کا ساتھ دیں۔ اس میں ہماری دنیا اور عاقبت کی بھلائی
ہے“

تحمده ونصلى على رسوله الكريم - اما بعد :

بسم الله الرحمن الرحيم

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَ
لَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الشُّرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي
إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ﴿١٣﴾

رصدق الله العظيم

اللهم ربنا الهمنا رشدنا واعزنا من شرور انفسنا - اللهم

ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه -

اللهم وفقنا لما تحب وترضى - اما بعد : رب اشرح لي

صدرى ويسر لي امرى واحل عقدة من لساني يفقهوا قولى

آمين يارب العلمين

حضرات و خواتین! آپ کو اعلانات سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارا پروگرام یہ ہے کہ آج کل اور

پرسوں تین دنوں میں سورہ شوری کے بعض منتخب مقامات کا مطالعہ کریں گے۔ سورہ شوری کے متعلق

اعلانات سے یہ بات بھی آپ کے سامنے آچکی ہے کہ میرے حقیر مطالعہ کی رود سے یہ سورہ مبارکہ اقامت دین

کے خاص موضوع پر ایک چوٹی کا درجہ رکھتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض سورتوں کیلئے ذرۃ سنام

کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی مختلف سورتیں مختلف موضوعات پر چوٹی کے مقام کی حامل

ہیں۔ انگریزی میں اسے اس موضوع کے (CLIMAX) یعنی نقطہ عروج سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ میرے نزدیک اقامت دین کی خاص موضوع پر اس سورہ مبارکہ کو ذرۃ

سنام کا مقام حاصل ہے۔

مصحف کی ترتیب | آج میں چاہتا ہوں کہ سورہ شوریٰ کے پیش نظر بعض مقامات کے دریں سے قبل اس سورت کے بارے میں اور قرآن کی موجودہ ترتیب کے متعلق

بعض اہم اور بنیادی باتیں آپ کے گوش گزار کر دوں جو ان شاء اللہ العزیز قرآن حکیم کے مطالعہ اور اس میں غور و فکر اور تدبیر کے لئے قرآن مجید کے ہر طالب علم اور قاری کے لئے مفید ثابت ہونگی۔

مکیات و مدنیات | یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ سورہ شوریٰ مکی سورت ہے۔ آپ اس بات سے بھی واقف ہوں گے کہ قرآن مجید کا تقریباً دو تہائی حصہ

مکی سورتوں پر اور بقیہ تقریباً ایک تہائی حصہ مدنی سورتوں پر مشتمل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ قرآن مجید میں پہلے مکی اور بعد میں مدنی سورتیں یکجا جمع کر دی گئی ہوں۔ پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ مکیات اور مدنیات میں جو نزولی ترتیب ہے اس کے اعتبار سے قرآن حکیم کو مرتب کیا گیا ہو۔ یہ بات قرآن مجید کے ہر طالب علم کو معلوم ہے کہ نزولی ترتیب اور ہمدرد مصحف کی ترتیب اور ہے۔

ازلی و ابدی ترتیب | البتہ یہ بات جان لیجئے کہ اصل میں قرآن حکیم کی ازلی و ابدی ترتیب یہی ہے جو مصحف کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ یہی

ترتیب توفیقی ہے اور قرآن مجید کی یہی ترتیب لوح محفوظ کے مطابق ہے۔ البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کا نزول ہوا ہے وہ ایک دوسری ترتیب سے ہوا ہے۔ ان خاص حالات کے مطابق ہوا ہے جو ان حضوروں کی دعوت اور آپ کی جدوجہد کے دوران آپ کو مختلف مواقع پر مختلف مراحل میں پیش آئے۔ لہذا ترتیب نزولی کا تعلق خاص حالات سے اور خاص زطنے سے ہے۔ گویا خاص زمان و مکان اس نزول کے پس منظر میں ہیں لیکن جس ترتیب سے قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کو عطا فرما کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں وہ لوح محفوظ کی ترتیب کے عین مطابق ہے اور یہ ہے ازلی و ابدی ترتیب۔ اسی کے مطابق آنحضرت کی وفات سے قبل کے رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل نے آپ کو دوبارہ قرآن مجید کا دور کرایا تھا۔

قرآن مجید کا نظم | قرآن فہمی اور خاص طور پر اس میں تدبیر کے لئے مصحف کی موجودہ ترتیب اس کے نظم اور سورتوں کے باہمی ربط و تعلق کو سمجھنا بہت اہم ہے۔ چنانچہ

اس پر ہر دور میں کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید اور اس کی سورتوں کا جو اندرونی نظام اور ان کا جو باہمی ربط و تعلق ہے اس پر بے خبر بند و پاک کی ماضی قریب کی ایک متقی و متدین شخصیت نے نہایت عمیق تدبیر و تفکر کیا ہے اور اس نظام اور باہمی ربط و تعلق

گو یا یہ سورہ خود اپنی جگہ ایک مکمل قرآن ہے۔ اسے اُمّ القرآن بھی کہا گیا اور اس میں القرآن بھی۔ اس کو شافیہ اور کافیہ کے ناموں سے بھی موسوم کیا گیا۔ اس سورہ کے مختلف نام اس کی جامعیت و عظمت کے اظہار کے لئے رکھے گئے ہیں۔ حالانکہ حجم کے اعتبار سے وہ بہت چھوٹی سورت ہے جبکہ اس پہلے گروپ میں چار نہایت طویل مدنیات شامل ہیں یعنی سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نسا اور سورہ مائدہ گو یا قرآن مجید کے تقریباً چھ پارے۔ ان چار سورتوں پر مشتمل ہیں۔ دوسرے گروپ میں دو بڑی مکی سورتیں انعام اور اعراف اور اس طرح دو بڑی مدنی سورتیں انفال اور توبہ شامل ہیں۔ تیسرے گروپ میں پہلی چودہ سورتیں سورہ یونس سے سورہ مومنون تک مکی ہیں اور آخر میں صرف ایک مدنی سورت، سورہ نور، شامل ہے۔ یہ بھی چھ پاروں کے لگ بھگ گروپ بنتا ہے۔ چوتھا گروپ سورہ فرقان سے سورہ احزاب پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں بھی ابتدا میں آٹھ مکی سورتیں ہیں اور آخر میں صرف ایک مدنی سورت، سورہ احزاب، ہے۔ پانچواں گروپ سورہ سبا سے شروع ہو کر سورہ حجرات پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں ابتدا میں تیرہ مکی سورتیں اور اختتام پر تین مدنی سورتیں شامل ہیں۔ پھر چھٹا گروپ سورہ ق سے شروع ہو کر سورہ تحریم پر ختم ہوتا ہے اس میں پہلی سات سورتیں مکی اور اس کے بعد سورہ حدید سے لے کر سورہ تحریم تک دس سورتیں مدنی ہیں۔ یہ وہ واحد گروپ ہے جس میں مدنیات کی تعداد مکیات سے زیادہ ہے۔ آگے چلے پھر سورہ الملک سے سورہ الناس تک ساتواں گروپ ہے۔ اس گروپ میں چند سورتیں مستثنیٰ ہیں جو مدنی ہیں باقی کل مکی سورتیں مکیات پر مشتمل ہیں۔

اب ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ مکیات کے مرکزی مکیات کے مرکزی مضامین و موضوعات

مضامین و موضوعات کیا ہیں۔ اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مکی سورتوں کا اصل موضوع ہے ایمان۔ پہلے اسی کو سنجتہ کیا گیا ہے اس لئے کہ ایمان پر ہی اسلام کا دار و مدار ہے۔ ایمان کی حیثیت جڑ کی ہے اور اسلام کی حیثیت درخت کی ہے۔ اور اعمال صالحہ اسی ایمان اور اسلام کے ثمرات ہیں۔ لہذا بنیادی حیثیت جڑ ہی کو حاصل ہوتی ہے جس پر درخت قائم ہوتا اور برگ و بار لاتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ جیسے ایک عمارت ہے اس کی ایک بنیاد ہے اور اس پر تعمیر ہے۔ نظر تو عمارت آتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس عمارت کے استحکام کا دار و مدار بنیاد پر ہے اور وہ زیر زمین ہے نظر نہیں آتی۔ پس

معلوم ہوا کہ اصل شے ایمان ہے۔ یہ ایمان ہی اہل موضوع ہے۔ تمام مکی سورتوں کا۔
ایمان کے اہم اجزاء | البتہ ایمان کے تین اجزاء ہیں۔ ایمان باللہ یا توحید۔ ایمان بالرسالت اور ایمان بالمعاد یا ایمان بالآخرۃ۔ ان تینوں اجزاء کی مکی سورتوں میں مختلف اسالیب دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تفہیم ہے لہذا مکیات کا سب سے بڑا موضوع تو ہو گیا ایمان۔

بنیادی اخلاقیات | دوسرا بڑا اہم مضمون مکی سورتوں کا بنیادی اخلاقیات سے متعلق ہے۔
 سچائی ، ہمدردی ، بھوکوں کو کھانا کھلانا ، یتیموں سے حسن سلوک ، حاجت مندوں کی دشگیری ، ماپ اور تول میں دیانت ، معاملات میں امانت ،

ایمانت عہد ، صلہ رحمی ، والدین سے حسن سلوک ، زنا سے اجتناب ، عصمت و عفت کی حفاظت ، تبذیر و اسراف سے بچنا ، چغل خوری بہتان تراشی ، شیخی و تکبر اور تفاخر و تکاثر سے پرہیز قتل ناحق بالخصوص نوموہود بچپوں کو موت کے گھاٹ اتارنے پر نکیر ،

غلاموں پر شفقت یا ان کی آزادی کی ترغیب وغیرہ وغیرہ۔ ان اخلاقیات کی تعلیم و تلقین کا بھی کثرت سے مکیات میں مختلف اسالیب سے شد و مد کے ساتھ ذکر ہے۔ مکی سورتوں میں ان چیزوں پر آپ کو زور ملے گا۔ (EMPHASIS)

حرام کیا ہے؟ ان کا ذکر مدنی سورتوں میں آئے گا۔ مکیات میں ایمان کی دعوت کے ساتھ ساتھ بنیادی اخلاقیات کی تعلیم و تلقین بھی ملے گی۔ ان اخلاقیات کی جو مکہ والوں کے نزدیک بھی متفق علیہ تھے اور کوئی انسان بھی دنیا میں ایسا نہیں ہوگا جو یہ تسلیم نہ کرے کہ سچ بولنا اچھا ہے، جھوٹ بولنا بُرا ہے۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہوگا جو یہ نہ کہے کہ وعدہ وفا کرنا اچھا ہے اور وعدہ خلافی بُرائی ہے۔ دوس علیٰ ہذا۔ تو معلوم ہوا کہ دنیا کے متفق علیہ اخلاقی اصول اور اقدار کی تعلیم و تلقین بھی ہے جو آپ کو مکی سورتوں میں ایمان کی دعوت کے ساتھ ملے گی۔

قصص الانبیاء و انباء الرسل | تیسرا بڑا مضمون جو مکی سورتوں میں ہے وہ۔ انبیاء و رسل کے حالات و واقعات ہیں۔ ان میں بھی ایک فرق ہے۔ انبیاء کرام (علیہم السلام)

کے جو واقعات و حالات بیان ہوئے ہیں، وہ بنیادی اخلاقیات کے ذیل میں آئے ہیں۔ رسولوں (علیہم السلام) کے جو واقعات و حالات آئے ہیں، وہ اس کام کے لئے آئے ہیں جن کو امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”التذکیر بآیام اللہ“ کا عنوان دیا ہے یعنی یاد دہانی کرانا اللہ کے دنوں کے حوالے سے۔ گویا جن قوموں کی طرف اللہ کے رسول بعثت ہوئے اور ان قوموں

نے ان رسولوں کی دعوتِ توحید کو قبول نہیں کیا، اسے رد کر دیا تو وہ تو میں ہلاک کر دی گئیں۔
 نیا منیا کر دی گئیں۔ ان کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ جیسے قوم نوح، قوم ثمود، قوم عاد،
 — قوم لوط، قوم شعیب اور آل فرعون وغیرہ۔ ان چھ اقوام کا ذکر بار بار قرآن مجید میں
 آیا ہے۔ جو حضرات آرن حکیم کو پڑھنے والے ہیں ان کو معلوم ہے کہ ان چھ رسولوں کا ذکر تو ان قوموں
 کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے یعنی حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب
 اور حضرت موسیٰ علیہم السلام۔ مختلف اسالیب اور مختلف سیاق و سباق میں اس اعتبار سے
 تکرار و اعادہ کے ساتھ مکی سورتوں میں آتا ہے کہ ان کے حالات تمہارے لئے مثال و نشانِ عبرت
 ہیں ان سے سبق لو کہ ان رسولوں کی قوموں نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا تو وہ ہلاک کر دی گئیں۔
 اگر تم نے بھی ان ہی کا سارو یہ اختیار کیا تو تم اس دنیا میں بھی عذاب الہی سے دوچار ہو گے اور آخرت
 میں بھی عذابِ دائمی تمہارا مقدر ہو گا۔

جن حضرات کو مطالعہ قرآن سے دلچسپی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر ان کے لئے
 دو اصطلاحات کا فرق بھی واضح کر دوں۔ ایک اصطلاح ہے 'قصص النبیین'۔ نبیوں کے
 حالات کو قصص قرار دیا گیا ہے۔ رسولوں کے حالات کے لئے دوسری اصطلاح آتی ہے اور وہ
 ہے 'انباء الرسل'۔ انبا، بڑی اہم خبر کو کہتے ہیں۔ انباء الرسل کے معنی ہوں گے 'رسولوں
 کی بہت اہم خبریں'۔ یعنی پوری پوری قوموں کا ہلاک کر دیا جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا جن کے
 متعلق قرآن مجید کہتا ہے: 'كَانَ لَكُمْ لَعْنُوا فِيهَا' وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں کبھی تھے
 ہی نہیں تھے۔ 'لَا يُرَى إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ' اب ان کے مسکن رہ گئے ہیں، کھنڈرات ہیں ان میں
 بنے والے کہیں نظر نہیں آتے۔ کہیں فرمایا: 'قطع دابر القوم الذين ظلموا'۔ ان ظالم
 قوموں کی جڑ کاٹ دی گئی: یہاں یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ قرآن میں 'ظلم' کا لفظ عموماً شرک کے لئے
 استعمال ہوا ہے۔ جیسے: 'إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ'۔ معلوم ہوا کہ یہ بڑے اہم واقعات
 ہیں تو ان کو قرآن کہتا ہے 'أَنْبَاءُ الرُّسُلِ'۔ اور جن انبیاء کرام کے واقعات و حالات میں ان
 قوموں کی ہلاکت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان نبیوں کے مضبوط کردار ان کی پاکیزہ سیرت، ان کی صداقت
 و دیانت، ان کی امانت، ان کی عصمت، ان کی عفت اور ان کے صبر و ثبات کا ذکر ہے۔ جیسے
 حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعات و حالات سورہ یوسف
 میں بیان ہوئے ہیں تو ان کو قرآن کہتا ہے 'قصص'۔ سورہ یوسف میں الفاظ مبارکہ ہیں:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ — اور سورہ ہود کے آخر میں آتا ہے کہ یہ انباء الرسل ہیں جو ہم اے نبی! آپ کو سنا رہے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے اے نبی! ہم آپ کے دل کو جما دیں اور تسلی دیں اور اے نبی! اس سورت میں آپ کے حق آیا ہے اور اس میں قصص اور یاد دہانی ہے ایمان والوں کیلئے الفاظ مبارکہ میں **وَكَلَّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُنَبِّئُ بِهِ نُوَادِرُكَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرٌ لِلْمُؤْمِنِينَ** یعنی جن حالات سے اے نبی! آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام کو دوچار ہونا پڑا ہے وہی حالات سابقہ رسولوں کو بھی پیش آئے تھے لیکن بالآخر اللہ کی نصرت ان رسولوں کے شامل حال ہوئی، وہ سر بلند ہوئے اور وہ قومیں جنہوں نے ان کی تکذیب کی، ان کا ہتزاز کیا، تمسخر کیا، ان کی دعوتِ ایمان سے اعراض کیا وہ ہلاک و برباد کر دی گئیں۔

میں نے جن تین اہم مضامین کا ذکر کیا ہے اکثر و بیشتر مکی سورتوں میں مشترک ہیں، ان کا اعادہ کر لیجئے یعنی نمبر ایک: دعوتِ ایمان — ایمان میں توحید، رسالت اور آخرت — نمبر دو: بنیادی اخلاقیات کی تعلیم و تلقین — نمبر تین: قصص النبیین، جن کا تعلق بنیادی اخلاقیات سے ہے اور انباء الرسل جن کا تعلق دعوتِ ایمان سے ہے۔ یہ ہیں مکاتیب کے بنیادی مضامین۔

گروپوں میں مضامین کی تقسیم | البتہ ان میں ایک اور تقسیم بھی ہے۔ میں نے مکی سورتوں کے گروپ آپ کو گنوائے تھے ان میں سے پہلے گروپ

میں صرف مکی سورت، سورہ فاتحہ ہے، وہ تو پورے قرآن کیلئے بمنزلہ دیباچہ اور مقدمہ ہے۔ اس کے بعد اس گروپ میں پانچ مدنی سورتیں ہیں۔ باقی رہ گئے چھ گروپ — ان میں آپ دیکھیں گے کہ دوسرے اور تیسرے گروپ کی مکی سورتوں میں زیادہ زور ایمان بالرسالت پر ہے۔ سورہ انعام و سورہ اعراف جو دوسرے گروپ کی مکاتیب ہیں ان میں اور تیسرے گروپ میں سورہ یونس سے لے کر سورہ مومن تک — ویسے جو تین بنیادی مضامین میں نے گنوائے ہیں وہ بھی

ان مکی سورتوں میں ملیں گے لیکن ان گروپوں کی سورتوں میں خاص زور (EMPHASIS)

رسالت پر ملے گا۔ ان کا اصل عمود اور مرکزی مضمون رسالت ہے۔ اس کے بعد چوتھے گروپ میں سورہ فرقان سے لے کر سورہ حٰم السجدہ تک آٹھ سورتیں۔ پھر پانچویں گروپ میں سورہ با سے لے کر سورہ احقاف تک تیرہ سورتیں ہیں۔ ان کیس سورتوں کا مرکزی مضمون یا عمود توحید ہے۔ ان میں بھی پہلے مضامین موجود ہیں لیکن اصل زور توحید پر ہے۔ آخری جو دو گروپ ہیں

ان میں چھٹے گروپ میں مکیات سورہ ق سے لے کر سورہ واقعہ تک اور ساتویں گروپ یعنی سورہ ملک سے جو مکیات کا طویل سلسلہ ہے اس میں چند سورتوں کو چھوڑ کر ان کا مرکزی مضمون یا عمود ہے آخرت کا انذار، آگاہ کرنا، خبر دینا کہ یہ دنیا فانی ہے۔ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ جس میں اس دنیا کی زندگی کے تمام اعمال ہی کا نہیں بلکہ نیتوں اور ارادوں کا بھی حساب لیا ہوگا۔ جواب دہی کرنی ہوگی پھر عدالت الہی سے جزا و سزا کے فیصلے صادر ہوں گے۔ یا جنت ہوگی ہمیشہ کے لئے یا آگ ہوگی دائمی۔ ان ہی گروپوں میں یہ سورتیں ملتی ہیں: إِذَا دَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ لَوْقَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ كَبِئْسَ فَرَايَا: الْحَاقَّةُ ۝ مَا الْحَاقَّةُ ۝ كَبِئْسَ آگَاہ كَمَا كَانَا: الْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ اسی طرح سے: عَقَرَيْتَ سَاءَ لَوْنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيمِ ۝ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ۝ اور هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝ وَجُوهُ تُوعَدُونَ نَارًا وَخَالِدِينَ فِيهَا ۝ نَاصِبَةً ۝ تَصْبَلِي نَارًا حَامِيَةً ۝ تُسْقَى مِنْ عَيْنٍ أَنِيَّةٍ ۝۔ تو آخری دو گروپوں کی مکیات میں زیادہ زور ہے انذارِ آخرت پر۔ درمیانی دو گروپوں کا مرکزی مضمون ہے توحید اور ابتدائی دو گروپوں کی مکیات میں جس پر زیادہ زور ہے، وہ ہے رسالت۔

اب آگے چلئے۔ مجھے اندازہ ہے کہ جن حضرات کو قرآن مجید کی ترتیب سے تعارف نہیں ہے، ان کو یہ باتیں قدر سے بھاری معلوم ہونگی۔ لیکن میں اصل میں یہ تمہید بنا رہا ہوں اور آپ کو رفتہ رفتہ سورہ شوریٰ کی طرف لا رہا ہوں۔ میں نے ابھی درمیانی جو اکیس سورتیں آپ کو گنوائیں۔ سورہ فرقان سے لے کر سورہ حٰجّہ السجدہ تک آٹھ سورتیں ہیں۔ سورہ سبأ سے لے کر سورہ احقاف تک تیرہ سورتیں ہیں۔ ان دونوں گروپوں کی ان اکیس سورتوں کا مرکزی مضمون توحید ہے۔ اب ایک عجیب نکتہ آپ کو بتا رہا ہوں وہ یہ کہ ان اکیس سورتوں میں درمیانی سورت کو کسی ہوگی ظاہر ہے کہ گیارہویں۔ دس ادھر دس ادھر۔ تو گیارہویں سورت سورہ یٰسّٰ ہے جس کو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قلب القرآن قرار دیا۔ سورہ یٰسّٰ قرآن کا دل ہے۔ اس لئے کہ اہل ضلوع تو توحید ہی ہے۔ ہمارا دین، دین توحید ہے۔ رسالت بھی اسی لئے ہے کہ توحید کی طرف دنیا کو دعوت دے۔ آخرت کا انذار بھی اسی لئے ہے کہ لوگ شرک سے باز آجائیں، اس سے کلمتہ جنتنا کریں اور توحید کو اختیار کریں اور صرف اسی کا التزام کریں۔ اور سورہ یٰسّٰ میں یہ تینوں مضامین نہایت جامعیت، بلاغت اور ایجاز و اعجاز کے ساتھ آجاتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ دین کی اصل، اس کی جڑ، اس کی بنیاد ہے ہی توحید۔ اس کی رُو سے

سب سے بڑی گمراہی شرک ہے۔ شرک وہ گناہ ہے جس کے بارے میں سورہ نسا میں دو مرتبہ فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ لَا يُغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ**۔ لہذا یہ اکیس سو رہیں۔ توحید کے موضوع پر نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ ویسے تو آیتہ الکرسی ہے سورہ بقرہ میں جس کو اُن حضور نے قرآن کی تمام آیات کی سر تاج قرار دیا۔ آخری پارے میں سورہ اخلاص ہے جس کو نبی اکرم نے ایک ثلث قرآن کے مساوی قرار دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ توحید کے موضوع پر آیتوں میں سے جامع ترین آیت، آیتہ الکرسی ہے اور سورتوں میں سے جامع ترین سورت سورہ اخلاص ہے۔ لیکن گرد پوں کی حیثیت سے ان اکیس سورتوں کو توحید کے موضوع پر مرکزیت حاصل ہے۔

توحید کے دو حصے | اب میں ایک اہم بات آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ توحید کے دو حصے ہیں۔ یہ بات شاید کچھ حضرات کے لئے اچنبھے والی ہو۔ لیکن جب آپ میری گفتگو سنیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ بات انوکھی معلوم نہیں ہوگی۔ اس بات کی بنیادیں اور اس کے اجزاء آپ حضرات کے ذہنوں میں موجود ہیں۔ میں ان کو ایک ترتیب سے آپ کے تحت اشعور سے شعور کی سطح پر لانے کی کوشش کروں گا۔ یہ بات کہ توحید کے دو حصے ہیں، میں اپنی طرف سے عرض نہیں کر رہا بلکہ یہ بات امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پیش کر رہا ہوں۔ انہوں نے یہ تقسیم کی ہے اور یہ بڑی پیاری تقسیم ہے۔

توحید علمی | امام حرم کے قول کا حاصل یہ ہے کہ ایک توحید ہے علمی توحید، توحید فی المعرفة یا توحید فی العقیدہ۔ اللہ کو ایک جاننا، ایک ماننا، اللہ کی ذات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اللہ کی صفات میں کسی کو ساجھی قرار نہ دینا۔ کسی کو اس تع کا ضد یا نہ، یا ہم پلہ، بسم یا نہ مقابل نہ بنانا۔ پس توحید فی الذات اور توحید فی الصفات ان دونوں کو جمع کریں گے تو یہ ہوگی علمی توحید۔ معرفت الہی کی توحید۔ یہ توحید ہوگی عقیدے کی توحید۔ دوسری توحید ہے توحید علمی۔ اس کو امام ابن تیمیہ نے توحید فی الطلب کا جامع عنوان دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان فی الواقع ایک ہی اللہ کا بندہ بن جائے۔ اس کی بندگی اور پرستش صرف اللہ ہی کے لئے خالص ہو جائے جو الاحد ہے۔ ایک خطبہ نبوی میں الفاظ آتے ہیں: **وَجِدُوا اللَّهَ فَإِنَّ التَّوْحِيدَ رَأْسُ الطَّاعَاتِ**۔ یہاں **وَجِدُوا**، باب تفعیل سے صیغہ امر ہے۔

باب تفعیل کا خاصہ | توحید اسی باب تفعیل سے ہے اور تفعیل کا خاصہ یہ ہے کہ کوئی کام بڑی محنت سے، بڑے اہتمام سے، بڑے استقلال و

استقرار سے کیا جاتا ہے تو اس کے لئے لفظ باب تفعیل سے آتا ہے۔ جیسے اسلام کے معنی ہیں کسی کو کچھ بتا دینا اور تعلیم کے معنی ہیں کسی کو کچھ سکھانا۔ اب بتانے اور سکھانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ ایک دفعہ بتا کر فارغ ہوئے۔ اب کوئی سمجھے یا نہ سمجھے اس کے لئے کچھ پڑے یا نہ پڑے۔ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ابلاغ کے معنی بھی صرف پہنچانے کے ہیں لیکن تبلیغ کے معنی ہوں گے محنت سے، اہتمام سے، دلیل سے، تدریج سے کوئی بات کسی تک پہنچانا۔ اب تعلیم اور تبلیغ میں آپ کو سخت مشقت کرنی پڑتی ہے (HAMMER) کرنا پڑتا ہے ایک بات کو ذہن میں اتارنا مقصود ہے۔ لہذا بات ایک مرتبہ سمجھ میں نہیں آئی تو اسے بار بار سمجھانا پڑے گا۔ اس کی توضیح کرنی ہوگی، تمہیں کرنی پڑے گی۔ بڑی محنت سے کسی کے ذہن میں کوئی بات اتارنی اور بٹھانی ہوگی۔ یہ تعلیم ہے۔ اسی طرح محنت لگن کے ساتھ دعوت پہنچانے سے تبلیغ کا حق ادا ہوگا۔ امید ہے کہ اس وضاحت سے اعلام اور ابلاغ اور تعلیم و تبلیغ میں جو زمین و آسمان کا فرق ہے وہ آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا۔

انزال اور تنزیل کا فرق | اب تفعیل کے خاصے کے متعلق ایک مثال اور پیش کرتا ہوں۔

انزال کے معنی ہیں دفعتاً اتارنا۔ لیکن جب یہ لفظ باب تفعیل میں تنزیل بنے گا تو اس کے معنی ہوں گے تھوڑا تھوڑا کر کے ٹھہر ٹھہر کر تدریج سے اتارنا۔ پورا قرآن مجید رمضان میں لیل القدر میں دفعتاً واحد لوح محفوظ سے اتر کر آسمانے دنیا تک آگیا۔ یہ ہے انزال۔ اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْمُبْرَكَةِ اِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ۝ اب آسمانے دنیا سے آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نازل ہوا تو وہ بیک وقت نازل نہیں ہوا۔ بلکہ تنزیلاً نازل ہوا۔ اَلَمْ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ اور وَانَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ سورہ یس میں فرمایا: تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ سورہ زمر شروع ہوتی ہے اسی تنزیل کے ذکر سے: تَنْزِيلَ الْكِتَابِ مِنْ رَبِّ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ آسمانے دنیا تک قرآن کے نزول کی شان ہے شان انزالی اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نزول قرآن کی شان ہے شان تنزیلی۔ تھوڑا تھوڑا، ضرورت کے مطابق حالات و واقعات کی مناسبت سے قرآن کا نزول بہ تنزیل ہے۔

توحید کیلئے | باب تفعیل کے خاتمے کو پیش نظر رکھ کر اب آپ لفظ توحید پر غور کیجئے۔ جس کا مطلب و مفہوم ہوگا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ذات و صفات کے لحاظ سے احد ماننا اور جاننا۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ توحید اختیار کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ دائمی طور پر اللہ کو ایک جان اور ایک مان کر استقلال و استقرار کے ساتھ اس کی پیہم اطاعت کے لئے محنت کرتے رہنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس موقع پر مجھے یہ شعر یاد آرہا ہے کہ

فرشتے بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

پس توحید کے لئے بڑی محنت و مشقت کی ضرورت ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ایک لکیر پھینچی ہوئی تھی۔ پالا بنا ہوا تھا اور کوئی ادھر سے ادھر آگیا تو اسے توحید کی دولت مل گئی۔ اس طرح اسلام تو مل سکتا ہے یعنی ایک شخص قانونی طور پر مسلمانوں میں شامل ہو جائے گا۔ لیکن یہ کہ وہ موحد بن گیا تو یہ خام خیالی ہے۔ اسی لئے نبی اکرم خطبے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: **وَحَيْدُ وَاللَّهِ**۔ اللہ کی توحید واقعتاً اختیار کر وجیے کہ اس کا حق ہے۔

توحیدِ عملی | زندگی کے عملی میدان میں توحید اختیار کرنا توحیدِ علمی سے بھی زیادہ بڑا مشکل کام ہے۔ اس توحیدِ عملی کو امام ابن تیمیہ توحید فی الطلب کہتے ہیں۔ یہ بڑی کٹھن وادی ہے اسے عبور کرنا بڑے عزم اور حوصلہ کا کام ہے۔ یہ توحیدِ عملی درحقیقت پانچویں گروپ میں سورہ سب سے لے کر سورہ احقاف تک کی تیرہ کئی سورتوں میں سے چار سورتوں کا مرکزی موضوع ہے۔ یہ چار سورتیں ہیں۔ سورہ زمر۔ سورہ مؤمن۔ سورہ حم السجدہ اور سورہ شوریٰ۔ ان چار سورتوں میں تدریجاً توحیدِ عملی کا مضمون سامنے آتا ہے۔ میں بھی اس میں یہ تدریج کھونگا کہ میں پہلے سورہ زمر کی چند آیات آپ کو سناؤں گا۔ پھر سورہ مؤمن کی چند آیات۔ پھر سورہ حم السجدہ کی ایک آیت کی طرف آپ کی توجہ دلاؤں گا۔ پھر ہم مطالعہ کریں گے سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ کا جس کی تلاوت سے آج کی اس گفتگو کا آغاز ہوا ہے۔

توحیدِ عملی کے مدارج
پہلا درجہ: افراد کی توحید

توحیدِ عملی کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان کے انفرادی عمل میں توحید آجائے۔ انفرادی شخصیت فی الواقع توحید کے رنگ میں رنگی جائے۔ واقعتاً انسان اللہ کا بندہ بن جائے جیسا کہ اس کا بندہ بننے کا حق ہے۔ پھر اس کی بندگی میں کسی اور کی بندگی کا شائبہ نہ ہو۔ وہ بندگی خالص بندگی ہو اللہ کی۔ اللہ کے سوا کسی اور کا کہنا مانا

جاء ہو۔ اللہ کے حکم کے خلاف کسی اور کا حکم بجالایا جا رہا ہو تو یہ توحید نہیں ہے۔ بغاوت اور سرکشی ہے۔ ظنیان ہے۔ لیکن اگر اللہ کے حکم کے تابع کسی کا حکم مانا جائے اس سے آزاد ہو کر نہ مانا جائے تو یہ توحید ہے۔ اس طرح اگر انسان اپنی انفرادی زندگی میں حقیقی طور پر اللہ کا بندہ بن جائے تو یہ ہے انفرادی توحید عمل کے اعتبار سے۔ اسی انفرادی عملی توحید کا ایک اہم پہلو ہے 'توحید فی الدعاء'۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الدعاء من العبادۃ۔ "دعا ہی عبادت کا جوہر ہے" ایک موقع پر حضور نے ارشاد فرمایا: الدعاء هو العبادۃ۔ "دعا ہی اصل عبادت ہے" مطلب یہ ہے کہ انسان حاجت روائی، دستگیری اور آغا و امداد کے لئے غیب میں سے جس کو پکارتا ہے، وہ ہی اس کا اصل معبود ہے۔ پس توحید فی العبادۃ اور توحید فی الدعاء یہ انفرادی توحید کا پہلا درجہ ہے۔

دوسرا درجہ: اجتماعی توحید | اب انفرادی سطح اور انفرادی وجود سے جو توحید نکلے گی وہ لازماً متعدی ہوگی جیسا کہ میں نے پہلے بھی کئی مرتبہ مثال دی ہے کہ اگر کسی جگہ آگ ہے اور اس میں حرارت ہے تو یہ حرارت آگ میں محدود نہیں رہتی بلکہ وہ ماحول میں سرایت کرتی ہے۔ یا آپ آگ پر کوئی چیز رکھیں گے یا اس میں ڈالیں گے تو وہ چیز بھی گرم ہو جائے گی۔ اسی طرح برف میں ٹھنڈ ہے تو وہ برف تک محدود نہیں رہے گی وہ بھی ماحول میں سرایت کرے گی۔ آپ برف کو پانی میں ڈالیں گے تو برف پانی کو بھی ٹھنڈا کرے گی، یہ قانون طبعی ہے۔ اسی مثال سے سمجھئے کہ اگر کسی فرد کے اندر توحید فی الواقع جاگزیں قائم ہو جائے اور وہ راسخ ہو، پختہ ہو، مضبوط ہو اور حقیقی ہو، دھوکے اور فریب کی نہ ہو یعنی بظاہر تو بڑے موحد ہونے کے مدعی ہوں اور باطن یعنی دل میں صنم خانے آباد ہوں تو اس حقیقی اور خالص توحید کو لازماً ماحول میں سرایت کرنا چاہیے۔

باطن کے اصرار | بُرانہ ماننے گا۔ میں اب چند تلخ حقائق آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں۔ ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ ہیں جو موحد خالص ہونے کے دعویدار ہیں۔ وہ قبر پرستی اور اس نوع کے مختلف مشرکانہ و بتدعائے افعال کی تو بڑی مذمت کرتے ہیں۔ بات بالکل صحیح ہے۔ ان کی مذمت ہونی چاہیے، یہ کام قطعی غلط نہیں ہے۔ بلکہ مفید ہے لیکن ان میں اکثر حضرات کا خیال اور دھیان اس طرف نہیں جاتا کہ دولت پرستی بھی شرک ہے۔ اگر حصول دولت میں حلال و حرام کی تمیز ختم ہوگئی تو معلوم ہوا کہ دولت معبود ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: تعس عبد الدینار و عبد الدرهم۔ "ہلاک ہو جائے دینار اور درہم کا بندہ"۔ اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو گا کہ "ہلاک ہو گیا دینار و درہم کا بندہ"۔ غور کیجئے دینار و درہم کا بندہ کون ہے۔؟ آں حضورؐ نے لفظ کونسا استعمال فرمایا، عبد۔ اس لیے کہ جس شخص کے دل میں دولت کی محبت اتنی ہے کہ وہ اسی تک دود میں لگا رہتا ہے کہ دولت ہر حال میں اس کے پاس آنی چاہیے۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ حلال سے آئے یا حرام سے آئے۔ جائز سے آئے یا ناجائز سے آئے۔ صحیح سے آئے یا غلط سے آئے۔ دولت کی اس محبت کا مطلب یہ ہے کہ اس کا معبود دولت ہے۔ فرق اتنا ہی ہے کہ ہندوؤں نے دولت کی ایک دیوی تراشی ہوئی ہے جس کا نام انہوں نے لکشمی دیوی رکھ چھوڑا ہے۔ اس کی وہ پوجا کس لئے کرتے ہیں! اس لئے کہ ان کو دولت ملے۔ درحقیقت وہ اس صورتی کے پر دے میں دولت کی پوجا کرتے ہیں۔ ہم نے صرف یہ کیا ہے کہ لکشمی دیوی کی کوئی صورتی ہمارے سامنے نہیں ہے لیکن لکشمی دیوی کی پوجا سے ہندوؤں کا جو مقصود ہے وہی ہمارا بھی ہو جائے گا اگر ہم حرام و حلال اور شرعیّت کی قیود و شرائط سے بے نیاز ہو کر دولت کے حصول میں لگ جائیں تو اس طور پر یہ دولت معبود کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ دولت کے ایسے پجاریوں اور غلاموں کے لئے ہی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تعس عبد الدینار و عبد الدرهم۔

اسی طریقے سے دیکھیے۔ ایک طرف اللہ کا حکم ہوتا ہے اور دوسری طرف نفس کی چاہت بڑی سادہ سی مثال ہے۔ صبح سویرے کا وقت ہے، آنکھ بھی کھل گئی ہے۔ اذان بھی سنی ہے یہ پکار کس کی ہے؟ مؤذن کی زبان سے نرود نکلی ہے لیکن پکار اس کی نہیں ہے۔ پکار تو اللہ کی ہے کہ۔۔۔ حسی علی الصلوٰۃ اور حسی علی الفلواح اور الصلوٰۃ خیر من النوم۔

— علامہ اقبال کا بڑا پیارا شعر ہے جو اس بات کی تفہیم میں مدد ہو سکتا ہے۔

نکلی تو لب اقبال سے ہے کیا جانئے کس کی ہے یہ صدا

پیغام سکوں پہنچا بھی گئی، دل محفل کا ترپا بھی گئی

تو زبان بے شک مؤذن کی ہے۔ لیکن صدا تو اللہ کی ہے۔ ایک طرف اللہ کی پکار

ہے۔ دوسری طرف نفس کہتا ہے، "سوؤ۔ ابھی آرام کرو"۔ یہ ہے وہ کشمکش جس سے ہم

میں سے اکثر لوگوں کا سابقہ پیش آتا ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ ہمیں معلوم نہ ہو۔ ہم میں سے

اکثر کو اس کا تجربہ ہوا ہے۔ اب اگر مستقل یہ کیفیت ہو کہ اس وقت ہم نے اللہ کی پکار پر تو اپنے
 کان بند کئے اور نفس کی خواہش اور مرضی پر لبیک کہا تو ہمارا معبود کون ہوا؟ اللہ یا ہمارا نفس؟
 معلوم ہوا کہ دلوں میں صنم خانہ آباد ہے۔ اسی بات سے متنبہ کیا گیا سورہ فرقان کی ہیت ۳۴
 میں: اَرَعَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ ۗ أَفَأَنْتَ عَلَيْهِ ذَكِيْلًا ۚ اے نبی!
 آپ نے اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے۔
 کیا آپ ایسے شخص کی نگرانی کر سکیں گے؟ غور کیجئے! یہاں لفظ اللہ آیا ہے جو ہمارے کلمہ شہاد
 کے جزو اول میں آتا ہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ "کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے" پس معلوم ہوا
 کہ معبود دولت بھی بنتی ہے۔ معبود نفس بھی بنتا ہے۔ دل کے اس صنم خانے کو ختم کرنا آسان کام نہیں
 ہے۔ پتھر کے تراشیدہ باہر کے بتوں کی نفی اور مذمت آسان ہے۔ قبر پرستی کی نفی اور مذمت بھی آسان
 ہے۔ اور یہ نفی و مذمت بالکل صحیح ہے۔ یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ یہ توحید کا لازمہ ہے۔ اس
 میں غلطی کا رانی برابر بھی کوئی شاٹہ نہیں۔ لیکن دل کے اندر جو صنم خانے ہیں۔ حُب مال ہے حُب
 باہ ہے۔ حُب اقتدار ہے۔ نفس کی مرضیات و خواہشات اور چاہتوں کی بجا آوری ہے۔ یہ
 تمام چیزیں توحید کی ضد ہیں۔ اس مفہوم کی ادائیگی کے لئے بھی علامہ اقبال کا بڑا پیارا شعر ہے
 کہ

برائے ہی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے!
 ہوں چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

۲۷
 اندر کے اس صنم خانے کو بھی دیکھنا ہوگا۔ دل کے سنگھاسن پر براجمان ان بتوں کو بھی توڑنا
 ہوگا جب واقعتاً یہ ہو جائے اور ساتھ ہی باہر کے بت بھی ختم کر دیئے جائیں تو ایسے شخص کو بجا طور
 پر سچا موحد کہلائے جانے کا استحقاق ہوگا۔ حقیقی موحد بننے کے لئے لازم ہوگا کہ اللہ کی محبت بھی تمام
 محبتوں پر غالب آگئی ہو۔ دوسری تمام محبتیں اللہ کی محبت کے تابع ہو گئی ہوں۔ اللہ کی اطاعت
 تمام اطاعتوں سے ور ہو گئی ہو اور دوسری تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تحت آگئی ہوں۔
 اگر اس طور سے کوئی موحد بن گیا ہو تو ہو نہیں سکتا کہ ایسے موحد کے وجود سے توحید دوسروں تک
 نہ پہنچے۔ یہ توحید لازماً متعدی ہوگی۔ فرد سے دوسروں تک توحید پہنچنے کا یہ معاملہ ہے دعوت و
 تبلیغ۔ لوگوں کو بھی توحید کی طرف بلانا اور پکارنا۔ لوگوں تک بھی توحید کی دعوت کو
 پہنچانا۔

اجتماعی توحید | اس طور پر جب انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف قدم بڑھے گا تو اس کا اگلا مرحلہ ہوگا پورے ماحول پر اللہ کی توحید کا سکھ بڑوا کر دینا۔ پورا معاشرہ موحد بن جائے۔ پوری قوم موحد بن جائے۔ پورا ملک موحد بن جائے۔ ملک کا نظام موحد بن جائے۔ ملک کا دستور توحید کا مظہر بن جائے۔ یہ مرحلہ سر کر لیا تو اس کا نام ہے،

اقامتِ دین —

حاصل کلام | میری اس وقت تک کی گفتگو کا حاصل یہ نکلا کہ خالص انفرادی سطح پر توحید فی العبادت اور توحید فی الدعا۔ پھر اجتماعی سطح پر دعوت و تبلیغ۔ پھر ان دونوں سے مراحل سے اگلا قدم اقامتِ دین — یہ ہے توحید کا بل۔ ان اصطلاحات کو آپ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں گے تو اب میری اگلی گفتگو آپ بخوبی سمجھ سکیں گے جس کے تانے بانے اور تمہید کے طور پر میں نے یہ باتیں آپ کے سامنے بیان کی ہیں۔

میں نے آپ کو اکیس سورتیں گنوائی تھیں جن کا مرکزی مضمون و موضوع توحید ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا تھا کہ ان میں چار سورتیں۔ سورۃ زمر، سورۃ مومن، سورۃ حکم، سورۃ شوریٰ ہیں، ان میں اس عملی توحید کا تدریجاً بیان ہے جو بطور تمانا بانا اور تمہید میں آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔ بطور مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ان چار سورتوں کی ایک ڈور ہے۔ جس میں توحید عملی کے موتی تدریجاً پروٹے ہوئے ہیں اور یہ مضمون انفرادی توحید سے عملی توحید کی طرف تدریجاً بڑھتا چلا جاتا ہے۔

انفرادی توحید | سورۃ زمر میں انفرادی توحید کا بیان ہے اور اس قدر شد و مد کے ساتھ اتنی تاکید کے ساتھ اور اتنے اہتمام کے ساتھ ہے کہ میرے حقیر مطالعہ کے بموجب پورے قرآن مجید میں اس اسلوب کے ساتھ یہ بیان اور کہیں نہیں ملے گا۔ البتہ اس موقع پر اس بات کا اعادہ ضروری ہے کہ توحید کے موضوع پر جامع ترین سورت تو سورۃ اخلاص ہی ہے جو بڑی مختصر سورت ہے۔ اس سورت کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ یہ توحید کا عطر ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ کوزے میں دریا بند کر دیا گیا ہے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ مبارکہ کو ثلث قرآن قرار فرمایا ہے یہ اس اعتبار سے کہ تینوں بنیادی ایمانیات یعنی ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت میں سے ایمان باللہ یعنی توحید کا بیان اس سورت میں انتہائی جامعیت کے ساتھ وارد ہوا ہے۔

مزید یہ کہ اُس سورت کا اسلوب خبریہ و بیانیہ ہے جبکہ انشائیہ اندازہ اور شد و مد، انتہائی تاکیدی اور نہایت ہی پر جلال اسلوب سے توحیدِ عملی کا تدریجاً بیان ان چار سورتوں میں ہوا ہے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔

اصولی بات | میں ابتدا میں عرض کر چکا ہوں کہ توحید کے دو درجے ہیں۔ ایک توحیدِ فی العلم یا توحیدِ فی المعرفت یا توحیدِ فی العقیدہ۔ دوسرا توحیدِ فی العمل یا توحیدِ فی الطلب پھر اس توحیدِ عملی کے بھی تین مرحلے ہیں۔ پہلا توحیدِ فی العبادت اور توحیدِ فی الدعاء۔ دوسرا اسی توحید کی بندگانِ خدا کو دعوت، اسی کی تبلیغ اور تیسرا اسی توحید پر مبنی نظامِ حیات کا قیام و قراء یعنی اقامتِ دین۔

توحیدِ فی العبادہ | ان میں سے توحیدِ فی العبادہ کے متعلق جان لیجئے کہ تمام انبیاء و رسل کی دعوت کا یہ نکتہ آغاز رہا ہے۔ اس بات کے لئے قرآن مجید کی بے شمار اور متعدد آیات پیش کی جاسکتی ہیں لیکن محدود وقت کے پیش نظر صرف چند آیات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ سورہ نحل میں فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۗ

”ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا اور اس کے ذریعے سے سب کو خبر دیا کہ وہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (غیر اللہ) کی بندگی سے بچو۔“

سورہ انبیاء میں فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنْهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْ دِينًا

”اے نبی! ہم نے آپ سے پہلے ہر رسول بھیجا ان کی طرف سے بھی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہذا صرف میری ہی بندگی کرو۔“

آخری پارے کی سورہ بقرہ میں واضح کیا گیا:

رَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَّا يَعْْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ

”اور ان کو حکم نہیں ہوا تھا مگر اس بات کا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں اس کے لئے اپنی اقامت کو خالص کرتے ہوئے ایک سو بچو۔“

اس آخری آیت میں رسولوں اور ان کی امتوں کے لئے یہ ضابطہ بیان ہوا کہ سب کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ سب

کے سب اللہ کی عبادت اسی کے لئے اپنی اطاعت خاص کرتے ہوئے بجا لاتے ہیں۔ یہ نہ ہو کہ بظاہر بندگی اللہ کی ہو مگر اطاعت اللہ کے دشمنوں کی ہو رہی ہو۔ سزا باز اللہ کے باغیوں سے ہو رہی ہو۔ ان کے احکام کی تعمیل بھی ہو رہی ہو ان کے سامنے سر بھی جھکانے جا رہے ہوں اور دعویٰ اللہ کی عبادت کا ہو۔ یہ طرز عمل سرگز مطلوب نہیں ہے بلکہ طرز عمل ذر کا ہے مَخْلِصِينَ كَذِبًا وَاللَّيِّنِينَ وَاللَّيِّنِينَ وَاللَّيِّنِينَ۔ پھر آخر میں حَفَنَاءَ کا اضافہ کیا گیا ہے یعنی یک سو ہو کر۔ کئی رنگی طرز عمل مطلوب نہیں ہے۔ اللہ کو تو دو رنگی بھی پسند نہیں ہے۔ کئی رنگی تو بہت دور کی بات ہے۔ یہاں تو ایک رنگ چاہیے۔ صِبْغَةَ اللَّهِ وَ مَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً۔ انسان یک رنگ ہو جائے۔ یک سو ہو جائے وہ اپنے پورے وجود ظاہری و باطنی کے ساتھ لی الواقع اللہ کا بندہ بن جائے۔ اللہ ہی کی بندگی میں ہمہ تن رنگ جائے۔ اب میں چاہوں گا کہ سورہ بقرہ کی اسی آیت کے مضمون کو سورہ نیر میں آپ کو دکھاؤں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہ مضمون وہاں کس شدت و حد اور کس تاکید کے ساتھ مختلف اسلوب بیان ہوا ہے۔ اور چونکہ اس میں انفرادی سطح پر توحیدِ عملی کا بیان ہے۔ لہذا آپ دیکھیں گے کہ وہاں صیغہ واحد کا آئے گا۔ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا لیکن اس اسلوب میں مخاطب امت سے بھی ہے اور ان سے بھی جنہوں نے ابھی دعوت کو قبول نہیں کیا ہے۔ گویا تاقیام قیامت پوری نوع انسانی اس کی مخاطب ہے۔

توحید فی العبادہ — انفرادی عملی توحید

سورہ زمر کا آغاز ہوتا ہے:

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ — بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ "اس کتاب کا نزول ہے اللہ کی طرف سے جو العزیز (بہاوت زبردست) ہے۔ جو الحکیم (بے حد و حساب حکمت والا) ہے۔" اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ بِاللَّيْلِ الْكَلْبِ بِالْحَقِّ — ہم لے نازل کی ہے (سے لیا) آپ کی طرف یہ کتاب یعنی قرآن مجید حق کے ساتھ پیچیدہ کن کتاب ہے (إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ) اب اسی سے اقوام عالم کی قسمتوں کا فیصلہ ہوگا جیسا کہ ایک حدیث میں آئے ہیں جس کے راوی ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ (مسلم) اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے ان قوموں کو عزت و سر بلندی عطا فرمائے گا جو اس کا اعتصام کریں گی اور دوسروں کو جو اس کو پس پشت

ڈال دیں گی ذلت و نکبت سے دوچار فرمائے گا، یعنی قوموں کے عروج و زوال کی بنیاد یہ کتاب بنے گی۔ اب آگے وہ مضمون آرہا ہے جس کے لئے میں نے یہ پوری تمہید باندھی: **فَاغْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝ اِلَّا لِلّٰهِ الدِّينُ ۝ الْخَافِضُ ۝** یہ اسلوب اور مضمون آپ کو قرآن مجید میں کسی اور جگہ نہیں ملے گا۔ ان آیات کی ترجمانی یوں ہوگی کہ ”راے محمد! پس بندگی کرو اللہ کی۔ پوجو اللہ کو۔ پرستش کرو اللہ کی۔ اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اور جان و اللہ کے لئے تو خالص دین اطاعت کٹی ہے“ اللہ کے لئے ملاوٹ والا دین نہیں ہے۔ ملاوٹ والا دین منہ پر دے مارا جائے گا۔ اللہ کے ہاں مقبول ہوگا دین خالص۔ ان آیات میں دو اہم الفاظ عبادت اور دین آگئے۔ اب یہاں توقف کر کے پہلے مجھے عبادت کے مفہوم اور معنی کے متعلق کچھ عرض کرنا ہوگا۔ ’دین‘ کے لفظ کی تشریح و توضیح آگے بیان ہوگی۔

دینی اصطلاح میں عبادت کا مفہوم | میں کئی مرتبہ عبادت کا مفہوم بیان کر چکا ہوں۔

پہلی مرتبہ جب یہاں آنا ہوا تھا تو آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے فرائض دینی کی جو تین سطحیں بیان کی تھیں تو ان میں پہلی سطح چار اصطلاحات کے حوالے سے بیان کی تھیں: اسلام۔ اطاعت۔ تقویٰ اور عبادت۔ میں نے عرض کیا تھا کہ لفظ عبادت کے صحیح مفہوم کو مکمل کرنے کے لئے فارسی کے دو الفاظ جمع کر لیجئے تو بات پوری طرح سمجھ میں آجائے گی۔ وہ دو الفاظ ہیں بندگی اور پرستش۔ محض لفظ بندگی سے قرآن مجید کی اصطلاح عبادت کا مفہوم مکمل نہیں ہوگا اور محض پرستش سے بھی نہیں ہوگا۔ دونوں کو جمع کریں گے تو عبادت کا مفہوم ادا ہو جائے گا۔ بندگی میں اصل زور ہے اطاعت کی طرف۔ غلامی اور محکومی بندگی کہلائے گی۔ غلام اور محکوم تو اپنے آقا اور حاکم کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے۔ اس کے دل کی کیفیت کچھ بھی ہو۔ دل میں وہ چاہے اپنے آقا اور حاکم کو گالیاں دے رہا ہو۔ چاہے وہ دل میں شدید باغیانہ جذبات رکھتا ہو۔ لہذا بندگی میں دل کی کیفیت سے بحث نہیں ہوتی۔ غلام اور محکوم کا کام ہے اپنے آقا اور حاکم کی اطاعت گو یا بندگی یا اطاعت عبادت کا جزوِ اعظم ضرور ہے لیکن عبادت کی روح پرستش ہے۔ لفظ پرستش میں اصل زور محبت پر ہے۔ پرستار کس کو کہتے ہیں۔ ! وطن پرست کون ہے! جس کے دل میں ہر چیز کی محبت سے بالاتر محبت وطن کی ہوگی وہ وطن پرست کہلائے گا۔ زور پرست کون ہے۔؟ جس کے دل میں دولت کی محبت دوسری محبتوں پر غالب ہو جائے وہ ہے زور پرست۔ اسی طرح آپ کہتے ہیں شہوت پرست، شہرت پرست۔ ایسے لوگوں کو اپنی اس پرستش یعنی محبت کی تسکین چاہیے

چاہے وہ صحیح طریق سے ہو چاہے غلط طور پر ہو۔ نفس پرست اسے کہا جاتا ہے جو نفس کا غلام بن جائے اور اس کی خواہش اور تقاضے کو جائز و ناجائز کی تمیز کے بغیر پورا کرنے کے لئے تگ و دو کر رہا ہو۔ پس جو چیز بھی انسان کو انتہائی عزیز ہوگی اس کا وہ پرستار کہلاتے گا۔ لہذا جب بندگی اور پرستش اللہ ہی کے لئے جمع ہو جائیں یعنی ہمہ تن، ہمہ وقت، ہمہ جہت اللہ ہی کی اطاعت اور اللہ ہی کی محبت سے انسان سرشار ہو جائے تو عبادتِ رب کا حق ادا ہوگا۔ بندگی کے متعلق میں نے آپ کو کھپلی

مشرقی شیخ سعدی کا شعر سنا تھا ہے

زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی

رَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ط اس آیت کی بڑی حد تک اس شعر میں ترجمانی کی گئی ہے۔ اسی طریقہ سے قرآن مجید میں سورہ بقرہ کے بیسویں رکوع میں اللہ کی محبت والا مضمون آیا ہے۔ بہت پیارا مضمون ہے۔ اسے لوحِ دل پر کندہ کر لیجئے فرمایا: الَّذِينَ آمَنُوا أَشَدَّ حُبًّا لِلَّهِ ط جو لوگ حقیقی صاحبِ ایمان ہیں ان کی سب سے زیادہ محبت اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ اقدس سے ہوتی ہے؛ اگر یہ نہیں ہے تو حقیقی ایمان سے محرومی ہے۔ پھر تو محض ایک عقیدہ ہے۔ ایک مورثی (DOGMA) یا ایک (NATIONAL CREED) ہے۔ حالانکہ مطلوب یہ ہے کہ محبت اس درجہ کو پہنچ جائے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدَّ حُبًّا لِلَّهِ۔ حقیقی اہل ایمان کے لئے محبوب ترین اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔

توجہ محبت اور اطاعت اللہ کے لئے مل جائیں تو یہ ہوگی اللہ کی کامل بندگی۔ اور یہی درحقیقت عبادت کی وہ تعریف ہے جو امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم نے کی ہے۔ بلکہ حافظ ابن قیم کے الفاظ اپنے استاد سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ: الْعِبَادَةُ تَجْمَعُ أَصْلِيْنَ غَايَةَ الْحُبِّ مَعَ غَايَةِ الذَّلِيلِ وَالْمُخْضُوعِ: عبادت دو بنیادوں کے جمع ہونے سے بنتی ہے۔ پہلی یہ کہ اللہ کے ساتھ انتہائی درجہ کی محبت ہو۔ دوسری یہ کہ انسان انتہائی درجہ میں اس تہ کے سامنے اپنے آپ کو پست کر دے اور بچھا دے ان دونوں کے اجتماع کا نام ہے "عبادت" لے

لے حال ہی میں علامہ شیخ عبدالرحمن بن حسن آل شیخ کی ایک تصنیف راتم کی نظر سے گزری۔ شیخ مرحوم

نے عبادت کی تعریف و توضیح ان الفاظ میں کی ہے: وَالْعِبَادَةُ اسْمٌ يَجْمَعُ كَمَالَ الْحُبِّ لِلَّهِ وَنَهَائِيَّتَهُ فَالْحُبُّ (باقی کے صفحہ پر)

خالص اطاعت مطلوب ہے | فرمایا: فاعْبُدِ اللّٰهَ۔ اب دیکھئے کہ یہ بات اپنی جگہ پر مکمل ہے۔
لیکن انسان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بڑا جھگڑا لوسے۔ کچھ نہ کچھ منطقی فطری

طور پر انسان کو ملی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ سورہ کہف کی آیت نہر ۵ کے آخری حصہ
میں ہے کہ: وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ خِرًا ۝ اور انسان بڑا جھگڑا لوداغ ہو ہے "پس وہ
طرح طرح سے اپنے لئے بہانے بناتا اور حیلے تراشتا ہے تو قرآن حکیم یہاں ہر نوع کے بہانے
اور حیلے کا سدباب فرماتا ہے۔ حضور کو مخاطب کر کے اصل دعوت تو حضور کی امت اجابت و
دعوت کو دینی ہے۔ فاعْبُدِ اللّٰهَ میں بات پوری آگئی تھی لیکن فرمایا: فاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا
لَّهُ الدِّينَ ۝ "پس (اے نبی) عبادت کیجئے اللہ کی اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے
ہوئے۔ میں نے یہاں 'دین' کا ترجمہ اطاعت کیا ہے۔ لفظ دین کی جب شرح بیان کروں گا۔
تو آپ کے سامنے یہ بات آجائے گی کہ اس لفظ میں اطاعت کا مفہوم بھی شامل ہے۔ یہاں یہ جان
لیجئے کہ تقریباً تمام ہی متقدمین و مؤخرین قرآن مجید کے مفسرین نے یہاں دین کا مفہوم اطاعت ہی
بیان کیا ہے۔ یہاں اس بات پر زور دینا مقصود ہے کہ اللہ کے لئے اطاعت خالص ہو۔ یہ
نہ ہو کہ کچھ اطاعت کسی کی اور کچھ اطاعت کسی اور کی کچھ اللہ کی اور کچھ نفس کی۔ کچھ اللہ کی اور کچھ ایسے
حاکموں کی جو اللہ کے احکام سے آزاد ہو کر کوئی حکم دے رہے ہوں۔ تو ایسی اطاعت خلوص و خلائ
کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ ملاٹ والی اطاعت ہے۔ ملاٹ والی کوئی شے ہمارے لئے قابل قبول
نہیں ہوتی تو غور کا مقام ہے کہ ملاٹ والی اطاعت اس اللہ عزوجل کے لئے کیسے قابل قبول ہوگی۔
جو خالق و مالک ارض و سماوات ہے۔ جو المعنی ہے جو الحمید ہے جو الغفور ہے۔ اسی تاکید
کے لئے فاعْبُدِ اللّٰهَ کے فوراً بعد فرمایا: مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝ "پس اللہ کے لئے اپنی
اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کرو"۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں

رَسُلِ الْغُلِيِّ عَنِ ذَلِّ وَالذَّلِّ الْغُلِيُّ عَنِ حَيْتُ لَا يَكُونُ عِبَادَةً وَإِنَّمَا الْعِبَادَةُ مَا يَجْمَعُ كَمَالَ الْأَمْرَيْنِ ۝ عِبَادَتِ
ایسا ہے جس میں کمال محبت اور اس کی انتہا اور اللہ کے سامنے کمال اللہ اور اس کی انتہا پہنچا ہے پس
وہ محبت جس میں اللہ نہ ہو اور وہ ذلت جس میں محبت نہ ہو عبادت کہلانے کی مستحق نہیں بلکہ

عبادت وہ ہے جس میں یہ دونوں چیزیں جمع ہوں۔ یہ بات پیش نظر ہے کہ عربی میں ذلت کے معنی پست
ہو جانے اور بچ جانے کے ہیں۔ (مرتب ہے)

نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں ہمیں ایک فارمولہ عطا فرمادیا ہے کہ ہم اس کو درزمرہ معاملات پر منطبق (APPLY) کر سکتے ہیں۔ آل حضور نے ارشاد فرمایا ہے: لا طاعة لمخلوق في معصية لخالق۔ "مخلوق میں سے کسی کی (ایسے معاملہ میں) اطاعت نہیں ہے جس سے خالق کی نافرمانی ہوتی ہے۔ اللہ کا ایک حکم ہے۔ والدین اس کے خلاف کوئی حکم میں تو اطاعت نہیں ہوگی۔ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی حکم اساتذہ دیں، اطاعت نہیں ہوگی۔ اللہ کے حکم کے خلاف اقتدار وقت حکم دے اطاعت نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ فرمان نبوی علی صاحب الصلوٰۃ والسلام ہے کہ لا طاعة لمخلوق في معصية لخالق۔ ہاں اللہ کے احکام کے دائرے کے اندر اندر والدین کی بھی اطاعت ہوگی اساتذہ کی بھی اور اقتدار وقت کی بھی۔ تمدنی زندگی میں اطاعت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جس میں اولی الامر بھی شامل ہیں، والدین بھی، اساتذہ بھی، مرشدین بھی، بیوی کے لئے اس کا شوہر بھی۔ ان کے علاوہ بہت سے اور بھی۔ ان سب کی اطاعت مباحات میں ہوگی۔ اللہ کے حکم سے آزاد ہو کر اطاعت کی نہیں اور شرک لازم آیا نہیں۔ یہ ہے ان آیات کریمہ و عظیمہ کا اصل درس حقیقی سبق، اصل دعوت اور داعی انبیا۔

فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۗ اِلَّا لِلَّهِ الدِّينُ الْحَقِيْقِيُّ ۗ سُنْتِ هِيَ اِطَاعَةُ سِرِّ سُلْطٰنِ الْاٰمَةِ ۗ

آگاہ ہو جاؤ۔ قرآن مجید میں جہاں بھی 'اِلا' آیا ہے۔ شاہ عبدالقادر دہلوی نے اس کا بڑا پایا ترجمہ کیا ہے۔ یہ آج سے تقریباً دو سو سال پہلے کا انداز ہے۔ وہ ترجمہ کرتے ہیں "سنتا ہے!" مجھے تو یہ انداز بہت اچھا لگتا ہے۔ اِلَّا لِلَّهِ الدِّينُ الْحَقِيْقِيُّ ۗ "سن رکھو، آگاہ ہو جاؤ۔ اللہ ہی کیلئے ہے خالص دین یعنی مخلصانہ اطاعت" اگر کسی اور کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے آزاد ہو کر کی گئی اسی طرح اگر اللہ کی محبت سے آزاد ہو کر کسی اور کی محبت کی آلائش شامل ہو گئی تو معاملہ تلپٹ ہو گیا۔ دگرگوں ہو گیا۔ اس میں ملاوٹ آگئی۔ ہاں اللہ کی محبت کے تابع اولاد سے محبت کرو کوئی ہرج نہیں، وطن سے محبت کرو، کوئی ہرج نہیں۔ اپنے گھر سے محبت کرو، کوئی ہرج نہیں۔ لیکن یہ کہ اللہ کی محبت کے برابر اپنے دل کے سنگھاسن پر کسی کی محبت کو بٹھایا تو یہ شرک ہے۔ اور اگر کسی کی محبت اللہ کی محبت سے بڑھ گئی تو شرک سے بھی اوپر کا کوئی لفظ ایجاد کرنا پڑے گا۔ چونکہ ایسا لفظ ہماری لغت میں ہے نہیں۔۔۔ برابر کا معاملہ ہو گیا تو یہ شرک ہو جائے گا۔

یہاں ایک بات اور جان لیجئے کہ اطاعت کے ساتھ میں نے محبت کا ذکر

کس بنیاد پر کیا ہے۔ اس کی پہلی بنیاد تو لفظ عبادت ہے جس کی میں تشریح کر چکا کہ اس میں تذلل کے ساتھ غایت درجہ کی دل محبت کا مفہوم بھی شامل ہے۔ دوسری بنیاد لفظ اطاعت

ہے جو طوع سے بنتا ہے۔ ہم اردو میں بھی طوعاً و کرہاً بولتے ہیں۔ طوع کے معنی دل کی آمادگی کے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ دل کی آمادگی مستلزم ہے محبت کو۔

توجید فی العبادہ کی اہمیت | میں نے عرض کیا تھا کہ سورہ زمر میں انفرادی توجید کا مضمون بڑی شد و مد اور بڑی شان سے آیا ہے۔ ابتدائی تین آیات

لا میں قدرے شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکا۔ اب چند آیات مزید پیش کرتا ہوں۔ ان کی مختصر تشریح پر اکتفا کروں گا۔ اب میں سورہ زمر کی آیات نمبر گیارہ، بارہ، تیرہ اور چودہ آپ کو سنا تا ہوں۔ اپنی توجہات کو پوری طرح میری گفتگو کی طرف مرکوز کیجئے!

فرمایا: قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝ دیکھئے کسی اہم بات

کو (EMPHASIS) کرنے کے لئے، اس پر زور دینے کے لئے، اس کو خوب اچھی طرح ذہنوں میں اتارنے کے لئے مختلف اسالیب سے اس کی تکرار اور اس کا اعادہ بھی ایک مؤثر ذریعہ

بنتا ہے۔ وہی بات جو سورہ کے آغاز میں آئی تھی، اب دہرا کر رہی ہے۔ وہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے

حکم دیا تھا اور وہاں انشا ئیر انداز تھا کہ: فَأَعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝ یہاں نبی اکرم

سے فرمایا جا رہا ہے کہ قُلْ اے نبی کہہ دیجئے: إِنِّي أُمِرْتُ "مجھے حکم ہوا ہے" أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ

مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝ کہ میں اللہ کی بندگی اور پرستش کروں اطاعت کو اس کے لئے خالص

کرتے ہوئے۔ وہی بات یہاں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوائی جا رہی ہے۔

کہ مجھے حکم ہے کہ میں اسی کی عبادت کروں۔ اپنی اطاعت کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ یہاں

کس حکم کا ذکر ہے۔ اسی کا جو فَأَعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ کی صورت میں ابتدائے

سورت میں آگیا تھا۔

اگلی آیت نمبر ۱۲ میں اسی مضمون کے مفہوم و مقصود کو مزید واضح فرمایا دیا: وَأُمِرْتُ لِأَنْ

أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ۝ اور مجھے تو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے فرماں بردار میں خود

بنوں۔ اللہ کے احکام پر سب سے پہلے عمل پیرا میں خود ہوں۔ اللہ کے نواہی سے رک جانے والا

سب سے پہلے میں خود بنوں۔ اللہ کے اوامر کو دل و جان سے بجالانے والا سب سے پہلے

میں خود بنوں۔

اگے چلئے اور دیکھئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے درنحالیکہ آپ مہموم ہیں کس

طرح خشیت الہی اور اللہ کی نافرمانی پر خوفِ آخرت کا اظہار کرایا جا رہا ہے! فرمایا: قُلْ إِنِّي

اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝" (اے نبی! یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر میں اللہ کے حکم کی نافرمانی کروں تو مجھے یوم عظیم (آخرت) کے عذاب کا خوف اور اندیشہ ہے۔ غور کیجئے کہ کون سے احکام کی نافرمانی سے خوف کا یہاں اظہار ہو رہا ہے۔ یہاں دوسری تو حکم آئے ہیں پہلا یہ کہ فَاَعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّيْنَ۔ دوسرا یہ کہ اِنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ لیکن ان دونوں احکام نے پوری زندگی کے فکر و نظر اور رویہ و عمل کا احاطہ کر لیا ہے۔ اب اگر عملی زندگی میں اس توحیدِ عملی کی ذرا سی بھی خلاف ورزی ہو جائے تو اس پر محبوبِ ربِّ العالَمین صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا جا رہا ہے: اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اس میں دراصل اہل ایمان کے لئے انتہائی مؤثر انتباہ ہے۔

آگے پھر سنئے۔ فرمایا قُلِ اللّٰهُ اَعْبُدْ مُخْلِصًا لَهُ دِيْنِيْ ۝ اے نبی! (پھر) کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی بندگی اور پرستش کرتا ہوں اس کے لئے اپنے دین اور اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے:

اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے اس عزمِ مصمم اور ثبات و استقلال کا اعلان کرادیا گیا کہ میری لائی ہوئی دعوتِ توحید کو کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ میں تو ہر حال میں اللہ ہی کی مخلصانہ بندگی اور پرستش کرتا ہوں اور کروں گا اور میری اطاعت اسی کے لئے مخصوص ہے اور رہے گی۔

تاکیدِ مزید آگے چلئے۔ اسی سورہ مبارکہ کے ساتویں رکوع کی تین آیات نمبر ۶، ۷ اور ۸ سنئے۔ یہاں یہ مضمون پورے نقطہٴ عروج (CLIMAX) کو پہنچ گیا ہے۔ اس سے زیادہ تاکیدِ اسلوب آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ فرمایا: قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَأْمُرُوْنَ بِاَعْبَادِ اَيْهَا الْجَاهِلُوْنَ ۝ اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ اے جاہلوں! اے نادانوں! اے حرص و ہوا کے بندو! کیا تم مجھے یہ حکم اور مشورہ دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں؟ دیکھئے وہاں جو کشمکش چل رہی تھی اور وہ کشمکش توحید اور شرک کے مابین ہی تھی۔ اس کشمکش میں نبی اکرم پر دباؤ پڑ رہا ہے۔ سارے وفود جناب ابوطالب کے پاس کس لئے آتے تھے! ان کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ محمد سے کہہ دو (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ہم انہیں اپنا بادشاہ بنانے کیلئے بھی تیار ہیں۔ اگر انہیں دولت درکار ہے تو اس کے انبار بھی ان کے قدموں میں لگا دیتے ہیں۔ جہاں چاہیں، جس خاندان میں چاہیں بس اشارہ کر دیں ہم آپ کا دلا سے

نکاح کرانے کے لئے بھی آمادہ ہیں۔ لیکن آپ اپنی اس دعوت سے باز آجائیں۔ یہاں قریش کے ان بڑے بڑے سرداروں سے خطاب کیا جا رہا ہے اور خطاب بھی نہایت نکمیا اور تند و تلخ انداز میں۔ ایتھا الجھلون سے الفاظ مبارکہ سے یہ بڑا ثقیل انداز ہے جو قرآن نے براہ راست خطاب میں اختیار کیا ہے۔ عام طور پر خطاب کا یہ انداز نہیں ہے۔ لیکن یہ موقع ہی ایسا ہے کہ اندازہ مخاطب دو ٹوک ہو اور اس میں سختی ہو۔ ویسے لفظ جاہل کے عربی میں وہ معنی نہیں ہیں جو اردو میں ہیں۔ اردو میں جاہل ان پڑھ کو کہتے ہیں۔ عربی میں جذباتی اور خواہشات سے منغلوب کو جاہل کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ کا لفظ ہے حلیم۔ حلیم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بڑھڑھٹے دل و دماغ سے کام لیتا ہے، غور و فکر کرتا ہے، تحمل کرتا ہے، بردباری اختیار کرتا ہے اور عقل کی رہنمائی میں کوئی فیصلہ کرتا ہے۔ اور جاہل وہ ہے جو اپنے جذبات اور خواہشات کے تابع ہو کر اقدام کرتا ہے۔ اسی لئے میں نے ترجمہ کیا ہے 'اے حرص و ہوا کے بندو! یعنی اسے خواہشات کے غلامو!' کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ توقع نہ رکھتے ہو اور ان کو حکم اور مشورہ دینے کی جسارت کرتے ہو کہ آپ اللہ کے سوا کسی اور کو پوجیں یا اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی اور پرستش کریں۔ معاذ اللہ

توحید فی العبادہ کی تاکید کی انتہا

اگے چلے۔ فرمایا: وَ لَقَدْ اَوْحٰی اِلَیْكَ وَ اِلَی السَّادِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَیْسَ اَشْرَکَۃَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ اور اے نبی! یقیناً آپ کی طرف بھی وحی کی جا چکی ہے اور ان کی طرف بھی جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں اگر بالفرض آپ نے بھی شرک کیا تو جان لیجئے کہ لانا آپ کے سارے اعمال ضبط اور اکارت ہو جائیں گے اور آپ بھی لازماً خسارہ اٹھائے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ یہ بڑا چونکا دینے والا انداز ہے۔ اس کا ترجمہ کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی ہے۔ اس میں شرک پر جس غیظ و غضب کا اظہار ہے۔ وہ اس بات سے ظاہر ہے کہ انتہائی تاکید کے دو اسلوب یہاں موجود ہیں یَحْبَطُ اور تَكُوْنَنَّ سے پہلے لام تاکید اور پھر مزید تاکید کے لئے آخر میں نون مشدّد لایا گیا ہے۔ میں نے ترجمہ میں یہ احتیاط کی ہے کہ لفظ 'بالفرض' کا اضافہ کر دیا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کے ظہور کا کسی نوع کا کوئی امکان سرے سے نہیں ہے۔ معاذ اللہ تم معاذ اللہ لیکن بات میں زور پیدا کرنے اور قرآن مجید کی دعوت توحید کے محض طریقہ اول اور تاقیام قیامت آنے والی نوع انسانی کو شرک کی شناعیت سے متنبہ کرنے کے لئے یہ

اسلوب اختیار کیا گیا کہ - اے محمد رستی اللہ علیہ وسلم، اگر آپ بھی شرک کریں، تو آپ کا مقام اور آپ کا مرتبہ، آپ کے محبوب رب الغلیمین ہونے کی حیثیت بھی آپ کو اللہ کی نظر سے نہیں بچ سکے گی اور آپ کے تمام اعمال لازمًا محیط اور آپ بھی لازمًا مزہ خاسرین میں سے ہو جائیں گے۔ یہ ہے توحید فی العمل کا تقاضا اور اس کی اہمیت۔ قرآن مجید کے ایسے مقامات کے مطالعہ ہی سے شاید علامہ اقبال نے یہ شعر کہا تھا ہے

چوں می گویم مسلمانم بلرزم کہ دائم مشکلات لالیہ را!

آگے چلئے۔ فرمایا: بَلِ اللّٰهُ فَاَعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (مائدہ ۱۰) اللہ سے نبی! آپ بس اللہ کی بندگی کیجئے اور اللہ کے شکر گزار بندوں میں سے بن جائیے۔ پھر عبادت کی تاکید، اللہ کی بندگی اور پرستش کا مولد حکم بَلِ اللّٰهُ فَاَعْبُدْ۔ یہ بات اچھی طرح جان لیجئے کہ یہاں عبادت سے مراد محض ارکان اسما یعنی شہادتین، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج نہیں ہیں بلکہ پوری زندگی اللہ کی بندگی میں بسر کرنا مراد ہے۔ اسی روئے کی ایک تعبیر شکر ہے۔

میں نے سورہ زمر کے تین مقامات سے تین، پھر چار اور پھر تین آیات یعنی کل خلاصہ کلام اس آیت کی قدرے تفصیل آپ کے سامنے بیان کی ہے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ انفرادی سطح پر عملی توحید کیا ہے! وہ ہے اللہ کا بندہ بن جانا سمہ تن، ہمہ وقت ہمہ جہت۔ اطاعت اسی کے لئے مخالف ہو۔ دوسروں کی اطاعت کی جائے تو اس کی اطاعت کے تابع ہو کر کی جائے اس سے آزاد ہو کر نہ کی جائے۔ بنیادی اور حقیقی شدید ترین محبت اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہو۔ دوسروں سے محبت اس سے نیچی نیچی اور درے درے اور اس سے نیچی محبت کے تابع ہو۔ گویا سب سے اونچی محبت اللہ ہی کی ہو۔ انفرادی توحید کی یہ شرط لازم ہے کہ عبادت، اطاعت اور محبت اسی کے لئے خالص کر لی جائے۔ اگر اس میں کہیں ملاوٹ، آگسی، تودہ توحید نہیں ہے۔ یہ ملاوٹ اور یہ کھوٹ شرک کے درجے میں آئے گی۔ اور ہمارے گلے پچھلے تمام اعمال کے حبط اور اکارت بننے کا ذریعہ بن جائے گی۔

توحید فی الدعاء

میں نے عرض کیا تھا کہ انفرادی سطح پر توحید فی العبادہ کے ساتھ ہی توحید فی الدعاء کا معاملہ ہے۔ یہ دونوں امور باہم گتھے ہوئے ہیں۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث بھی آپ کو سنائی تھیں کہ:

الدعاء فتح العبادہ اور الدعاء هو العبادہ — توحید فی العبادہ کے ضمن میں سورہ
 زمر کے تین مقامات اور ان کی امکانی حد تک تشریح و توضیح میں آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔ اس
 سے آگے اب اگلی سورت 'سورہ مؤمن' میں توحید فی الدعاء کا بڑے شد و مد کے ساتھ ذکر ہے۔
 — دعاء در حقیقت انفرادی سطح کی عبادت کا ہی ایک باطنی پہلو ہے۔ جو آپ کا معبود ہے جس کے
 بارے میں آپ کا ایمان اور یقین ہے کہ وہی ہے حاجت روا، وہی ہے مشکل کشا۔ جس کے متعلق
 آپ کو یقین ہے کہ وہی علیٰ کُلِّ شَیْءٍ دَیْرٌ ہے، وہی السَّمِیْعُ البَصِیْرُ ہے، وہ ہر آن آپ
 کے ساتھ ہے، 'هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ' — ظاہرات ہے کہ ایسی ہستی کو آپ لپکاریں
 گے۔ اس سے استعانت و استمداد کریں گے۔ — اس سے دعائیں کریں گے۔ اس سے حاجت روائی
 اور مشکل کشائی کے لئے عرض و معروض کریں گے۔ پس دعا عبادت کا ایک باطنی رخ ہے۔ اس
 دعا کی اہمیت کے لئے میں سورہ مؤمن کی تین آیات آپ کو سناتا ہوں۔ میرے حقیر مطالعہ کے مطابق
 قرآن میں چار مقامات ہیں جہاں دعا کے ساتھ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ کے الفاظ آئے
 ہیں۔ ایک سورہ عنکبوت آیت نمبر ۶۵ میں: فَاِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِّ دَعَوْا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ
 لَهُ الدِّیْنَ "جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے اس
 سے دعا مانگتے ہیں"۔ دوسرے سورہ لقمن کی آیت نمبر ۳۲ میں: وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلْمِ
 دَعَوْا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ "اور جب (سمندر میں) ایک موج ان لوگوں پر سائبان
 کی طرح چھا جاتی ہے تو یہ اللہ ہی کو پکارتے ہیں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے"۔
 ان دو آیتوں میں سمندری سفر میں مشرکین کی اللہ سے مخلصانہ دعاء کا تذکرہ ہے۔ اس موقع پر
 نہیں نہ لات یاد آتا ہے نہ منات نہ بیل۔ کسی دیوی اور دیوتا کے بجائے وہ خالص اللہ ہی کو مدد و
 دستگیری کے لئے پکارتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں سورہ مؤمن کی آیت نمبر ۱۱ اور نمبر ۶۵ جس کا بیان
 آگے آئے گا، وہ مقام ہے جہاں انسانی انداز اور امر کے صیغہ میں دعا کے ساتھ مُخْلِصِیْنَ لَهُ

۱۔ اس ضمن میں حضرت حکمران ابن ابوجہل رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے واقعہ کا ذکر مناسب حال ہوگا۔ ان کی
 روایت کا مفہوم یہ ہے کہ "جب مجھے علم ہوا کہ میرا نام ان مجرموں میں شامل ہے جن کے قتل کا نبی اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر حکم جاری فرما چکے تھے تو میں نے قتل کے خوف سے حبشہ منتقل ہونے کیلئے مکہ چھوڑ
 دیا۔ جب ساحل سے حبشہ جانے کے لئے کشتی میں سوار ہوا تو اٹھائے راہ میں زبردست طوفان آگیا۔
 (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

السَّيِّئِينَ کے الفاظ آئے ہیں۔ اللہ کو پکارو لیکن کس طرح۔؟ اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ یہ نہیں کہ کچھ اطاعت اللہ کی بھی ہو رہی ہے اور کچھ دوسروں کی بھی۔ لیکن پکار رہے ہیں اللہ کو۔ ایسی دعا قبول ہونے والی نہیں ہے۔ میں اس کی آگے وضاحت کروں گا۔ پہلے میں وہ آیت آپ کو سنادوں۔ بڑی پیاری آیت ہے۔ فرمایا: فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ السَّيِّئِينَ ذَلِكُمْ بَرَاءٌ مِنَ الْمُكَفِّرِينَ ۝ پس اللہ ہی کو پکارو۔ لیکن کس شان سے! کس کیفیت میں!! "اپنی اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔" ظاہر بات ہے کہ اگر پورا نظام شرک پر قائم ہو اور اس میں آپ توحید کا نظام برپا کرنا چاہیں گے تو کافروں اور مشرکوں کو سخت ناگوار ہوگا وہ سب روڑے اٹکائیں گے۔ اور وہ کسی نہ کسی بہانے آپ سے تصادم مول لینے کی کوشش کریں گے۔ یہاں دعا کے لئے بھی مُخْلِصِينَ لَهُ السَّيِّئِينَ کی شرط عائد کر دی گئی ہے۔ جیسے عبادت میں عائد کی گئی تھی۔ خلوص و اخلاص صرف اللہ ہی کے لئے نہ ہو تو اس سے دعا کرنا اسے پکارنا بے معنی ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث آپ کو سنانا ہوں۔ جس سے دعا کی قبولیت کی شرائط واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ پہلے تو حدیث سن لیجئے جس کے راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور امام مسلم نے اس کو اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ میں پہلے آپ کو حدیث کا وہ حصہ سنانا ہوں جو دعا کی شرائط سے متعلق ہے۔ اس کے بعد ترجمہ اور اس کی توضیح ساتھ ساتھ کروں گا: حدیث کا دعا سے متعلقہ حصہ یہ ہے کہ:

(مسلسل) مسافروں نے پہلے تو اپنے دیوی اور دیوتاؤں کو پکارا لیکن طوفان شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا تو ان کی زبان سے نکلا کہ اب تو صرف اللہ ہی ہمیں بچا سکتا ہے۔ چنانچہ سب ہی نہایت الحاح و زاری کے ساتھ اللہ سے اس مصیبت سے نجات کی دعائیں کرنے لگے۔ دعا قبول ہوئی اور طوفان تھم گیا۔ البتہ طوفان نے کشتی کو جدہ کی بندرگاہ ہی پر واپس دھکیل دیا۔ اس کے بعد حضرت عکرمہ اپنے دل کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ:

"اس موقع پر اچانک میرے دل میں رشنی بھوٹی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت اسی توحید ہی کی تو ہے اور یہ بت انسان کے کام آنے والے نہیں یہ تو ہمارے ہاتھوں کے تراشیدہ بے چارے اور معذرت ہیں۔ آگے وہ کہتے ہیں کہ "میں نے دل میں اسی وقت یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر میں طوفان سے بچ گیا تو ان حضوروں کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لوں گا۔ جب جدہ پر کشتی واپس آئی تو وہاں انہوں نے اپنی اہلیہ کو موجود پایا جو خود بھی مشرف باسلام ہو چکی تھیں اور حضرت عکرمہ کے لئے نبی اکرم کی جانب سے معافی کی نوید لائی تھیں حضرت عکرمہ کو بڑا اطمینان ہوا کہ وہ معافی کی خوشخبری سننے سے قبل ہی اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔"

(مرتب)

ثم ذكر الرجل يطيل السفر اشعث اغبر يمد يديه الى السماء
يا رب يا رب و مطعمه حرام و مشربه حرام و ملبسه حرام و
غذی بالحرام فانی يستجاب لذلك۔

”پھر ایک شخص کا آن حضورؐ نے ذکر فرمایا کہ وہ بہت دور دراز کا سفر کرتا ہے۔ بال اور کپڑے
غبار آلود ہیں۔ بڑی بوسیدگی، بے چارگی اور درماندگی اس پر طاری ہے۔ وہ شخص اپنے دونوں
ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا رہا ہے۔ دیکھئے حالت سفر میں دعا کی مقبولیت کی آن حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرف سے خبر دی گئی ہے۔ چونکہ مسکنت ہوتی ہے۔ انسان بے یار و مددگار ہوتا ہے۔
اجنبیوں میں ہوتا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ سفر کی حالت میں دعا دل سے نکلتی ہے اور جو دعا دل سے
نکلے وہ اثر رکھتی ہے اور قبول ہوتی ہے اور عام طور پر گمان یہی ہے کہ یہاں نبی اکرمؐ ذکر فرما رہے ہیں
کسی شخص کے سفر حج کا۔ حج کے لئے دور دراز سے اور مختلف مقامات سے لوگ آتے ہیں
تھکے ماندے۔ پھر واقعہ یہ ہے کہ مناسب حج بڑے کٹھن اور مشقت طلب ہوتے ہیں۔ منیٰ کا سفر ہے
پھر وقوف عرفہ ہے۔ مزدلفہ میں پڑاؤ ہے پھر منیٰ واپسی ہے۔ رمی جمار ہے، خربہ ہے۔ واقعہ یہ ہے
کہ دسویں تاریخ کا دن بڑا سخت اور مشقت سے بڑھتا ہے ہر شخص تکان سے اس روز چور چور ہوتا
ہے۔ ان دشوار اور دقت طلب مواقع کا تصور کیجئے اور دیکھئے کہ ان حالات میں ایک شخص
يَمْدُ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَاءِ۔ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف دعا کے لئے اٹھاتا ہے اور
کہتا ہے یا رب یا رب۔ جبل رحمت کا مقام سمجھ لیجئے۔ یا وقوف عرفہ کا نقشہ کھینچ لیجئے۔ یا مقام
ابراہیم کو خیال کریجئے۔ یا ملتزم کا منظر تصور کی نگاہوں میں لے آئیے۔ جہاں اس سے چمٹے ہوئے
لوگ گڑ گڑا کر دعائیں کرتے ہیں۔ لیکن فانی يستجاب لذلك۔ ایسے شخص کی دعا قبول ہو
تو کیسے ہو! و مطعمه حرام و ملبسه حوام و غذی بالحرام۔ جبکہ اس کا کھایا ہوا بھی
حرام کا ہے، اس کا پہنا ہوا بھی حرام کا ہے اور جس غذا سے اس کا جسم بنا ہے وہ بھی حرام کی ہے۔
معلوم ہوا کہ مَخْلِصِينَ لَكَ الدِّينَ وَالْمَعَالِمَ تو ہے نہیں۔ کماٹی میں تو اللہ کا حکم
مانتا نہیں۔ معاش میں تو حرام میں منہ مار رہا ہے اور یہاں آ رہا ہے دعائیں کرنے کے لئے۔
کیا منہ ہے اس کا کہ وہ اللہ سے کلام کرے۔!! یہی بات ہے جو سورہ بقرہ میں ارشاد فرمائی گئی
ہے کہ ہم تو تمہاری دعائیں سننے اور قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، لیکن ہمارے بندو! یہ بھی تو دیکھو
کہ تم ہمارے احکام کے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہو۔!! فرمایا: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي

قَرِيبٌ اُجِيبُ دَعْوَةَ السَّادِعِ اِذَا دَعَا فَلَیْسَتْ جِیْبُو اِلٰی وَّلَیْسُوْا مِنْوٰی لَعَلَّہُمْ
 یَرٰ شُدُوْنَ ۱۸۱ (اے نبی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب میرے بندے آپ سے میرے
 بارے میں پوچھیں تو ان کو بتا دیجئے کہ میں قریب ہوں۔ میں تو سر پکارنے والے کی پکار سنتا
 ہوں اور قبول کرتا ہوں، وہ جہاں اور جب مجھے پکارے۔ لیکن فَلَیْسَتْ جِیْبُو اِلٰی وَّلَیْسُوْا مِنْوٰی۔
 انہیں بھی چاہئے کہ میری باتوں کو قبول کریں۔ میرا کہا نہیں۔ میرے احکام پر عمل کریں۔ میری پکار پر لبیک
 کہیں۔ مجھ پر ایمان رکھیں، لَعَلَّہُمْ یَرٰ شُدُوْنَ۔ تاکہ وہ راہِ راست پالیں اور کامیابی سے ہم کنار
 ہو جائیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک طرفہ معاملہ (ONE WAY TRAFFIC) نہیں ہے۔ یہ دو طرفہ معاملہ
 ہے۔ تم اللہ کا کہنا مانو گے، اس کے احکام پر چلو گے، اس کے مطیع بن کر رہو گے، اس پر
 ایمان رکھو گے تو اللہ تمہاری دعائیں قبول کرے گا۔ تم اللہ سے محبت کرو گے اللہ تم سے محبت کرے گا
 یُجِیْبُہُمْ وَ یُجِیْبُوْنَہُ۔ یہ شان ہوگی اہل ایمان کی۔ تم اللہ کو یاد کرو اللہ تمہیں یاد کرے گا۔
 فَاذْكُرُونِيْٓ اَ اذْكُرْكُمْ۔ حدیث میں اس کی وضاحت آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
 کہ میرا بندہ اگر مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر میرا بندہ کسی
 محفل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے کہیں اسی محفل میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ محفل ملائکہ
 مقربین ہی کی ہو سکتی ہے۔ اس محفل میں اللہ تعالیٰ اس بندے کا ذکر فرماتا ہے جو اس دنیا میں کسی
 محفل میں اس کا ذکر کرتا ہے۔ اسی طریقے سے آگے حدیث میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر بندہ
 میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ بندہ اگر باشت بھر میرے قریب ہوتا
 ہے تو میں ہاتھ بھر اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ قرآن کا ایک مقام مجھے اور یاد آیا۔ فرمایا: اِنَّ
 تَنْصُرُوْا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ۔ تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اللہ کی مدد بندے
 کی جانب سے کیا ہے؟ اس کے دین کے غلبہ اور اقامت کے لئے مال اور جان کھپا دینا۔ تُوْمِنُوْنَ
 بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَ تَجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ۔ معلوم ہوا کہ

اللہ کے ساتھ معاملہ یک طرفہ کی بجائے دو طرفہ ہوگا۔

تو یہاں سورہ مؤمن میں فرمایا: فَاذْعُوْا اللّٰهَ مَخْلِصِيْنَ لَهٗ الدِّيْنَ۔

پس پکارو اللہ کو دین یعنی اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے،

اخلاص فی الدعاء

اے اللہ تعالیٰ کی قربت اور معیت کی تفہیم کے لئے سورہ قی کا یہ مقام: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرْدِ

اور سورہ حدید کا یہ مقام: وَهَوَّ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ پیش نظر ہیں۔ (درتب)

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہوئے۔

اسی سورہ مومن میں آیت نمبر ۶۰ بھی اس موضوع پر بہت اہم ہے۔ فرمایا:

ذَقَال رَبُّكُمْ اَدْعُوْنِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْكُرُوْنَ عَنِّ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَنَّتِيْمْ

ذخیرین ۝ دعا کے موضوع پر جیسا کہ میں نے عرض کیا پہلی آیت میں سے ہے۔ ترجمہ ہے:

”اور تمہارے رب نے یہ فرمایا ہے کہ پکارو مجھے۔ میں تمہاری پکار سنوں گا، تمہاری دعائیں قبول کروں گا

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ بر بنائے تکر اور گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے ابا کرتے ہیں، عرض

کرتے ہیں، منہ موڑتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر“ اس آیت سے استدلال

کیا جائے گا کہ عبادت اور دعا ایک ہی ہیں۔ ممکن ہے کہ اسی آیت کی تشریح و تفسیر میں نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ الدعاء هو العبادۃ او الدعاء مع العبادۃ۔ دیکھئے اور خوب

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ کے پہلے حصہ میں دعا کا اور دوسرے حصہ میں عبادت کا ذکر آیا تو آپ خود

بھی کسی تامل کے بغیر اس نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ دعا اور عبادت ایک ہی عمل کے دو رخ ہیں۔ اس

میں کسی اشتباہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

آگے چلئے اس سورہ مبارکہ کی آیت نمبر ۶۵ ہے جس میں یہ بات پھر آئی۔ فرمایا: هُوَ الْحَيُّ

لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۝ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

”وہ اللہ الحی ہے، ہمیشہ ہمیش زندہ رہنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس اسی کو پکارو

وین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ کل شکر و سپاس اور تعریف و ثنا اللہ ہی کے لئے ہے

جو تمام جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے“ دیکھئے یہاں اس آیت میں توحید کے ذکر سے آغاز

ہوا اور توحید کے بیان پر ہی اس آیت کا اختتام ہوا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ شہادتین کا پہلا جزو

لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کلمہ توحید ہے۔ اسی طرح جان لیجئے کہ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ بھی کلمہ

توحید ہی ہے جو نہ صرف سورہ فاتحہ کی (جس کو اُمّ القرآن اور اساس القرآن کے نام بھی دیئے گئے

میں، پہلی آیت ہے بلکہ قرآن مجید کی بھی پہلی آیت ہے۔

آگے بڑھنے سے قبل میں چاہوں گا کہ آپ اسی سورہ مبارکہ کی آیت نمبر ۶۶ اور اس کا ترجمہ

بھی سن لیں۔ اس میں بھی آپ دیکھیں گے کہ عبادت کے بدل کے طور پر دعا ہی کا ذکر آیا ہے۔ فرمایا:

قُلْ اِنِّيْ نُهَيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ سَدَعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَاءَنِي الْبَيِّنَاتُ

مِنْ رَبِّيْ ۝ رَايْتُ اَنْ اَسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ ۶۶ ۝ اے نبی! ان لوگوں سے کہہ دیجئے

کہ مجھے تو ان بستیوں کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ (میں یہ کام کیسے کر سکتا ہوں) جب کہ پیرے پاس میرے رب کی طرف سے بیانات دکھلی کھلی نشانیاں آچکی ہیں۔ مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں رب الغلمین کے آگے سر تسلیم خم کر دوں اور اس کا فرمانبردار و مطیع بند بن کر رہوں۔

آپ نے دیکھا کہ سورہ زمر میں عبادت کا کس قدر تاکید اور شد و مد کے ساتھ بیان ہے۔ اطاعت کو اللہ ہی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ اور اگلی سورت سورہ مؤمن میں دعا کا ذکر آگیا لیکن دعا بھی اللہ ہی کے لئے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ اس طرح انفرادی سطح کے خارجی اور باطنی دونوں پہلوؤں کا احاطہ ہو گیا۔ اگلی بات کی طرف آئیے

دعوتِ الی اللہ: دعوتِ توحید

میں نے عرض کیا تھا کہ یہ انفرادی توحید جب فرد سے آگے بڑھے گی تو یہ کام توحید کی دعوت کی شکل اختیار کرے گا۔ یعنی لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف بلانا اور پکارنا۔ چنانچہ اسی سورہ مؤمن میں اس ضمن میں مؤمن آل فرعون کا ایک قول نقل ہوا ہے۔ ہوا یہ تھا کہ آل فرعون میں سے ایک با اثر بڑی شخصیت

نے محترم ڈاکٹر صاحب کے اس خطاب میں توحید فی اللہ کی اہمیت اور اس کا ہمارے دین میں مقام کے موضوع پر اصولی باتیں آگئی ہیں۔ تاہم اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر راقم دو آیات مزید پیش کرنا چاہتا ہے جن میں نبی کے اسلوب میں اللہ کے سوا یا اللہ کے ساتھ کسی اور سے دعا کی ممانعت کی گئی ہے۔ مخاطب نبی الہم ہیں لیکن آپ کی وساطت سے پوری نوب انسانی بالعموم اور مدعیان ایمان بالخصوص مخاطب ہیں۔ پہلی آیت سورہ یونس کی ہے۔ فرمایا: وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ اور اے نبی! اللہ کو چھوڑ کر کسی بستی کو نہ پکارو (اللہ کے سوا) کوئی چیز نہ آپ کو فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ اگر بالفرض آپ نے ایسا کیا تو آپ بھی ظالموں (یعنی مشرکوں) میں سے ہو جائیں گے۔ دوسری آیت سورہ شعراء کی ہے فرمایا: أَفَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُتَذَبِّينَ ۝ ۱۳ پس (اے نبی) اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔ اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا کیا تو آپ بھی سزا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔" نبی کے اسلوب میں جو تاکید ہوتی ہے اور جو زور ہوتا ہے نیز مِن دُونِ اللَّهِ اور مَعَ اللَّهِ میں جو نیز و امتیاز اور فرق و تفاوت ہے وہ برادری تامل سمجھ میں آسکتا ہے۔ (مترجم)

حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئی تھی۔ جو بڑے پائے کے درباری بھی تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا تھا۔ یٰكُتْمُ اٰیْمَانُہ۔ میں شاید پہلے بھی اس کا تذکرہ کر چکا ہوں کہ مومنین آل فرعون نے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا تا آنکہ جب وہ مرحلہ آیا کہ فرعون نے کہا کہ اب میں موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر کے رہوں گا۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ میرے درباریوں میں بھی حضرت موسیٰ کے کچھ حامی (SUPPORTERS) موجود ہیں۔ اگر اسے یہ اندازہ نہ ہوتا تو اسے دربار میں حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کی بات رکھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ اپنے دربار میں تجویز پیش کرتا ہے کہ: وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِيْٓ اَقْتُلْ مُوسٰیؑ اور فرعون نے (ایک روز اپنے درباریوں سے کہا) مجھے چھوڑ دو۔ اجازت دو، میں موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کئے دیتا ہوں، حالانکہ خدائی کا دعویٰ ہے۔ لیکن میں عرض کیا کرتا ہوں دنیا میں بادشاہوں کا یہ حال ہوتا ہے۔ بادشاہ کیا ہے! دو ہاتھ اور دو پاؤں اس کے بھی ہیں۔ اگر اس کے منصب دار اس کا ساتھ نہ دیں، اس کے پنج ہزاری، بیس ہزاری، تیس ہزاری، اس کی پشت پر نہ ہوں اس کی فوج کے بڑے بڑے جنرل اور سپہ سالار اور دوسرے بااثر لوگ اس کے ساتھ نہ ہوں تو اکیلے بادشاہ سلامت کیا کریں گے! یہی وجہ تھی کہ جب فرعون کو اندازہ ہو گیا کہ حضرت موسیٰ کی دعوت کا اثر میرے چند درباریوں پر بھی ہو چکا ہے تو اس نے قدم اٹھانے سے پہلے ضروری سمجھا کہ اپنے درباریوں سے استصواب کر لے۔ ان کی رائے اور تائید حاصل کرے۔ اسی لئے اس نے دربار میں کہا: ذَرُّوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوسٰیؑ۔ اب مجھے اجازت دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں۔

مومنین آل فرعون کی تقریر | اس موقع پر وہ مومنین آل فرعون کھڑے ہو گئے۔ اس سورت

کا نام ہی "سورۃ المومن" ہے اس لئے کہ ان مومنین آل فرعون کی تقریر اس سورت میں بڑی تفصیل سے آئی ہے۔ یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ پورے قرآن مجید میں کسی نبی یا رسول کی اتنی طویل تقریر نقل نہیں ہوئی ہے جتنی ان مومنین آل فرعون کی۔ اس سورت بالخصوص ان مومنین آل فرعون کی تقریر کا مطالعہ ضرور کیجئے گا۔ وہ مومنین

آل فرعون اس موقع پر کھڑے ہو گئے۔ اس لئے کہ یہ بڑا نازک مرحلہ (CRITICAL

MOMENT)

تھا کہ حضرت موسیٰ کے قتل کا فرعون کی تحریک و تجویز پر فیصلہ ہونے والا تھا۔ اس وقت آل فرعون کے وہ مرد مومنین کھڑے ہوئے اور انہوں نے نہایت مؤثر تقریر کی جو قرآن مجید

لے سورۃ مومن آیت ۳۶ کا ابتدائی حصہ۔

میں نقل ہوئی ہے جس کے نتیجے میں فرعون کو جو خدائی کا دعویٰ سے دار اور مدعی تھا اپنا (RESOLUTION) واپس لینا پڑا۔ ان کی تقریر کا پورے دربار پر اتنا اثر ہوا کہ پھر فرعون کو جرأت نہیں ہوئی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہاتھ اٹھائے۔ اب ایسے مومن آل فرعون کے اس قول کی جانب جس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا

مومن آل فرعون کی دعوت توحید

اس تقریر میں وہ مومن آل فرعون کہتے ہیں:

وَلَيَقُومَنَّ مَّا بِيْ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجْوٰةِ وَ
تَدْعُوْنِنِيْ اِلَى النَّارِ ۗ اے میری قوم کے لوگو! کیا معاملہ ہے غور کرو۔ میں تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں، میں تمہیں اس راستہ کی طرف پکار رہا ہوں جو فوز و فلاح اور رشد و کامرانی کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو۔ تَدْعُوْنِنِيْ اِلَى النَّجْوٰةِ بِاللّٰهِ وَ اَشْرِكْ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۗ تم مجھے دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کے لئے کوئی علم اور کوئی سند یا دلیل میرے پاس نہیں ہے اور میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں، بلا رہا ہوں، پکار رہا ہوں اس سستی کی طرف جو العزیز ہے الغفار ہے۔ ہر نوع اور قسم کے اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں اور وہ بہت اور نہایت معاف فرمانے والا ہے۔

مومن آل فرعون کے ان اقوال میں یہ بات بھی واضح طور پر آگئی کہ دنیا میں دعوتیں دعوتوں کا فرق دونوں بیک وقت موجود رہتی اور چلتی ہیں۔ توحید اور ایمان کی دعوت بھی ہے اور کفر و شرک کی دعوت بھی۔ قیامت تک یہ دعوتیں چلیں گی۔ جیسے علامہ اقبال نے اس شعر میں کہا ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرارِ بونہی !!
واعیانِ حق بھی رہیں گے اور داعیانِ باطل بھی رہیں گے اور ان میں سے بھی رہیں گے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور کہلاتے ہیں۔ کیا جلال الدین اکبر اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتا تھا؟ کیا اس دور میں بھی کچھ ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جو مسلمانوں جیسے نام رکھ کر اور خود کو مسلمان کہلا کر الحاد، زندہ، بے حجابی، بے پردگی، اباحت اور نہ معلوم کس کس ضلالت کی طرف دعوت دینے میں نہایت منظم طریق اور بہترین تکنیک سے مصروف ہیں! ایسے لوگ موجود ہیں اور یقیناً موجود

۱۔ آیت نبرہ ۱۱۱ آیت نمبر ۱۱۱

ہیں۔ ان کی بڑی اکثریت ذرائع ابلاغ — اور بڑے بڑے کلیدی مناصب پر فائز ہے اور وہ ہمارے معاشرے میں اسلامی فکر اور اسلامی اقدار میں سرنگیں لگا رہے ہیں۔ اسلام کی جڑیں کھود رہے ہیں۔ ہمارے اسی معاشرے میں حدیث اللہ کا تمسخر و استہزاء اور اس سے بغاوت کرنے والے موجود ہیں اور اسی کی دعوت دینے اور ترویج میں لگے ہوئے ہیں، اسی کام میں اپنی بہترین صلاحیتیں اور توانائیاں لگا رہے ہیں — لہذا دعوتیں ہمیشہ رہیں — ایک ہے توحید کی دعوت اور ایک ہے کفر کی دعوت۔ ایک دعوت ہے ایمان و اسلام کی، ایک ہے شرک اور الحاد کی — اور ہمارے معاشرے میں بھی بالفعل و بالقوة یہ مختلف دعوتیں موجود ہیں بلکہ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ باطل کی دعوت بہت منظم اور مہم گیر ہے۔ اس کے داعیان بڑے کیاد، عیار اور چالاک ہیں۔ پھر ذرائع ابلاغ پر ان کی گرفت (HOLD) بہت مضبوط ہے جس کے ذریعے وہ معاشرے کو (SLOW POISON)

دے رہے ہیں۔ وہ ہماری ان کمزوریوں سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں جو ایک طرف شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ، الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کے ذیل میں آتی ہیں، دوسری طرف ان کا سبب ڈیڑھ دو صدیوں تک انگریزوں کا سیاسی استیلاء ہے جس کے باعث سیاسی غلبہ ختم ہو جانے کے باوجود بھی ہماری ذہنی مرعوبیت اور غلامی میں کمی ہونے کے بجائے روز بروز انسانہ ہونا چلا جا رہا ہے۔ دراصل ہمارا تھاب اور نظام تعلیم ان ہی فکری اساسات پر مبنی ہے جو ملحدانہ اور مادہ پرستانہ ذہنیت وجود میں لاتی ہیں۔ اس کی نشوونما کرتی ہیں اور مسلمان نامحدود کی معاشرے میں کثرت کا باعث بنتی ہیں۔

ایک موجد کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟

آگے چلے اور اگلی سورت، سورہ حشم السجده کی آیت نمبر ۳۳ سنئے۔ بڑی پیاری اور مہتمم بالشان

آیت ہے فرمایا: وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا قِمْنَ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ؕ اس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہوگی — یوں تو سب کے پاس زبانیں

ہیں اور آج کل قلم ہیں اور چھاپنے کے لئے اخبارات و رسائل ہیں۔ اخبارات اور رسائل اب انڈیا بن چکی ہے۔ صحافت نہیں رہی۔ صحافت کا نام تو خواہ مخواہ بدنام ہو رہا ہے۔ یہ ایک کاروبار ہے۔

جس طرح ایک کاروبار اور انڈیا سٹری کا کام یہ ہے کہ معاشرے میں جس چیز کی طلب ہو اسے ہی

وہ پیدا اور پیدا کریں گے یا پھر کسی ایسی چیز کی معاشرے میں مانگ (DEMAND) پیدا کریں

گے جس میں ان کو غیر معمولی منفعت کا یقین ہو چاہے وہ شے نفسانی خواہشات کو ہمیز کرنے والی

کیوں نہ ہو پھر اس کو پسلائی کرنے کے لئے مسابقت کریں گے۔ جس کے متعلق حال ہی میں صدر مملکت صاحب نے فرمایا ہے کہ اخبارات میں سرخی پاؤڈر کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ صحیح ہے اس لئے کہ مدثرے میں طلب اسی کی ہے۔ انہیں تو اپنا پرچہ بچپنا ہے۔ پیسہ کمانا ہے۔ اس کے سوا ان کے سامنے کوئی اصول نہیں، کوئی اعلیٰ قدر نہیں، کسی ذمہ داری کا احساس نہیں۔ جو کسی نے لکھ کر بھیج دیا شائع کر دیا۔ پرچے کا پیٹ بھرتا ہے۔ قارئین کی تفریح اور دلچسپی کا سامان مہیا کرنا ہے۔ کچھ نہیں سوچنا کہ لکھنے والا کفر لکھ رہا ہے، شرک لکھ رہا ہے، فحش لکھ رہا ہے۔ اللہ کے دین کا مذاق اڑا رہا ہے۔ شعاب دینی کا مسخر اور اقدار دینی کا استہزاء کر رہا ہے۔ قرآنی آیات کے تراجم و مطالب میں تحریف کر رہا ہے اور احادیث کو بازو بچہ اطفال بنا رہا ہے۔ پھر اخبارات و رسائل میں کثرت کے ساتھ لوگوں کی نگاہوں کو دعوتِ زنا دینے والی تصاویر شائع کی جا رہی ہیں انہیں زیادہ سے زیادہ دیدہ زیب اور دلکش بنایا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ دھڑکنے سے ہو رہا ہے، اس ملک میں ہو رہا ہے جس کے قیام کا مقصد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بتایا گیا تھا اور جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ اور جس میں کوئی دن نہیں جاتا کہ یہ نوید نہ سنائی جاتی ہو کہ اس ملک میں جلد ہی اسلامی نظام آرہا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اس دور میں بھی دعوتیں بہت سی ہیں، زبان بھی ہے قلم بھی ہے جو جس کے جی میں آرہا ہے کہہ رہا ہے اور لکھ رہا ہے۔ لیکن فرمایا: مَنْ أَحْسَنَ قَوْلًا وَمَنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہو، اللہ کی طرف پکار رہا ہو، لوگوں کو بلارہا ہو اور اس کے ساتھ اس کا عمل بھی دعوت کی مناسبت سے صالح ترین ہو۔ بالکل درست ہو۔ خلوص و اخلاص پر مبنی ہو۔ خود اس پر کار بند ہو۔ یہ نہ ہو کہ اوروں کو نصیحت اور خود میاں نصیحت والا معاملہ ہو رہا ہو۔ بلکہ نقشہ یہ ہو کہ جو بات وہ کہہ رہا ہو اس پر سرتا سر خود عامل بھی ہو۔ یہ مفہوم و مطلب ہوا ان دو باتوں کا کہ: مَنْ أَحْسَنَ قَوْلًا وَمَنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ اگے تیسری بات یہ فرمائی: وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ اور کہے ہیں بھی مسلمانوں میں سے ہوں۔ کوئی نیا فرقہ نہ بنایا جائے۔ بلکہ کہا جائے کہ میں بھی اللہ کے فرماں برداروں میں سے ایک ہوں۔ میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں اور اللہ کی توحید پر ایمان رکھنے والوں میں سے ایک ہوں۔ میں بھی یوم جزاء سزا کا یقین رکھنے والوں میں سے ایک ہوں۔ ان ہی باتوں کے اقرار کا نام اسلام ہے۔

اپنا علاحدہ ایک تشخص بنانا اور مسلمانوں میں ایک نئے فرقہ کی بنیاد ڈال دینا، اس سے بچنا چاہیے۔ ————— انفرادی توحید سے عملی توحید کی طرف پیش رفت کے ضمن میں دعوت الی اللہ کا مرحلہ سورہ حُجُم السَّجِدہ میں آیا۔ اب آئیے سورہ شوریٰ کی طرف۔!

توحید عملی کی چوٹی: فرضیہ اقامت دین

میں نے آغاز میں سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ کی تلاوت کی تھی۔ اب میں اس کی کچھ تشریح اور توضیح کروں گا۔ اس طرح ان شاء اللہ وہ تمہیدی باتیں اختتام کو پہنچ جائیں گی جو آج کی نشست میں آپ کے سامنے بیان کرنا میرے پیش نظر تھیں۔ کل اور پرسوں ان شاء اللہ ہم باقاعدہ درس کے انداز میں سورہ شوریٰ کے بعض مقامات کا مطالعہ کریں گے۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ اس آیت کریمہ کے مطالب و مفہیم کو پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ سماعت فرمائیں اس لئے کہ یہ آیت کریمہ اس سورہ کی مرکزی آیت اور اس کا نمود ہے۔ تمہید چلی تھی انفرادی توحید سے کہ انسان اللہ کا بندہ بن جائے۔ اس کے لئے اپنی بندگی اور پرستش کو خالص کرتے ہوئے۔ پھر عملی توحید کی طرف پیش رفت کا پہلا مرحلہ ہے دعوت الی اللہ۔ توحید کی طرف لوگوں کو پکارنا اور بلانا اور اس کا منتہا ہے اس امر کی جان و مال سے جد و جہد کہ اجتماعی زندگی اور نظام پر بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی توحید کا سکہ رواں ہو جائے۔ یہ ہے اقامت دین، دین کو بالفعل قائم اور نافذ کرنا۔

آیت مبارکہ پھر سماعت فرمائیے:

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا
إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا
الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ط كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ
إِلَيْهِ ط اللّٰهُ يَجْتَبِيْ إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِيْ إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ط

تشریح و توضیح فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ — "مقرر کیا ہے تمہارے لئے دین" یہاں غور کیجئے کہ خطاب کن سے ہو رہا ہے! کن سے کہا جا رہا ہے کہ تمہارے لئے "الدین" مقرر کیا ہے!! ظاہر بات ہے کہ جو مخاطب ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور قرآن مجید کے۔ وہی مخاطب ہیں اس آیت مبارکہ کے۔ یہاں جمع کے صیغہ میں ضمیر مخاطب "کم" آیا ہے۔ یعنی تم سب کے لئے۔

شاید آپ کے علم میں یہ ضروری بات ہو! **امت کا جامع اور ہمہ گیر مفہوم**

نہ ہو تو نوٹ کر لیجئے۔ وہ یہ کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں تو اس میں ایک جزوی غلطی ہے۔ نبی اکرم کی امت دعوت ہے پوری نوع انسانی۔ آپ تا قیام قیامت ہر مکان و زمان کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں جو آیت قرآنیہ: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا اور وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ لہذا پوری نوع انسانی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت ہے جن لوگوں نے اس حضور کی دعوت کو قبول کر لیا یا اٹندہ کریں وہ امت اجابت میں شامل ہیں یا جو نہیں گئے۔ امت اجابت کے معنی ہونگے تصدیق و تسلیم کرنے والی امت۔ ہمارا حال کچھ بین بین ہے۔ عملاً تو ہم نے قبول کیا ہوا نہیں ہے۔ عملاً تو ہم نام کے اور نسلی مسلمان ہیں۔ اللہ ماشاء اللہ ہماری عظیم اکثریت فرائض دینی کی تارک اور شعائر دینی کی پابندی سے عاری ہے۔ نفس پرستی، زر پرستی، قبر پرستی، تعزیر پرستی اور نہ معلوم کتنی اور پرستیوں میں مبتلا ہے، زمانے کے چلن کی پیش ہے۔ نظریات سطح پر ملحدانہ اور مادہ پرستانہ کئی نظریات ہمارے فہم طبقے کے قلب و ذہن پر مستولی ہیں۔ ان اعتباراً کے پیش نظر ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر فی الواقع اور بالفعل لبیک کہا ہے۔ البتہ ہم دعویٰ اس بات کے ضرور ہیں کہ ہم جیسے کچھ بھی ہیں بہر حال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اور آل حضور کے امتی ہیں۔

پس امت کے لفظ کو آپ سمجھ لیجئے کہ جو بھی رسول اللہ **امت دعوت اور امت اجابت**

صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن حکیم کا مخاطب ہے وہ امت دعوت میں سے ہے اور جو بھی اس دعوت پر لبیک کہہ کر اور اس کو قبول کر کے اس میں شامل ہو گیا وہ امت اجابت میں سے ہے۔ امت اجابت کو قرآن حکیم فرقان حمید یٰٰٓأَيُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا سے خطاب کرتا ہے۔ ان دونوں ہی سے سورہ شوریٰ کی اس آیت میں خطاب ہے۔ اب آئیے اس آیت کی تشریح و توضیح کی طرف:

آیت کی تفہیم و تشریح فرمایا: شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّیْنِ " (لوگو! تمہارے لئے اللہ نے وہی دین مقرر کیا ہے۔" کونسا دین؟

مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا۔ جس کی اس نے وصیت کی تھی نوح کو۔ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا
 إِلَيْكَ "اور جو ہم نے وحی کیا ہے (اے محمد) آپ کی طرف۔ یہاں إِلَيْكَ واحد کا صیغہ
 ہے۔ لہذا مراد ہوں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَ
 عِيسَىٰ۔ اور جس کی وصیت کی تھی ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو (علی نبینا وعلیہم
 الصلوٰۃ والسلام) پہلی بات تو یہ نوٹ کیجئے کہ یہاں پانچ رسولوں کا ذکر آیا ہے۔ نبی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا۔ اور یہی وہ پانچ رسول
 ہیں جن کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ اولو العزم من الرسل ہیں۔ بعض علماء اس فہرست
 میں حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کو بھی شامل کرتے ہیں لیکن علمائے سلف کی اکثریت
 کا رجحان ان ہی پانچ رسولوں کی طرف ہے جن کا ذکر یہاں آیا ہے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر حضور
 سے خطاب کر کے فرمایا گیا ہے۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔
 اے محمد! صبر کر جیسے ہمارے باہمت و صاحب عزیمت رسول صبر کرتے رہے
 ہیں۔ یہاں اولو العزم رسولوں سے یہی رسل مراد ہیں۔ آیت کے اس ٹکڑے میں دوسری اہم
 بات یہ بیان ہوئی کہ ان سب رسولوں کا دین ایک ہی ہے۔ جو دین جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 لے کر آئے، وہی دین لے کر آئے حضرت نوح علیہ السلام۔ وہی دین لے کر آئے حضرت ابراہیم
 علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ پس دین میں کوئی فرق نہیں۔ یہ
 بڑی اہم بات ہے اس کو نوٹ کیجئے۔ حالانکہ ہمیں معلوم ہے کہ رسولوں کی شریعتیں مختلف رہی
 ہیں، اس میں کوئی شک نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ نماز کی جو شکل ہمارے یہاں ہے یہ شکل شریعت
 موسوی میں نہیں تھی۔ روزے کے جو احکام ہمارے یہاں ہیں، وہ بنی اسرائیل کے روزوں کے احکام
 سے مختلف ہیں۔ لہذا شریعتوں میں فرق رہا ہے۔ البتہ دین ایک ہی رہا۔ اس بات کو نہیں
 سمجھیں گے تو اَقِيمُوا الدِّينَ کا حقیقی مفہوم سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اس لئے اس فرق کو اچھی
 طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

جملہ انبیاء و رسل کا دین ایک ہی رہا ہے | تمام انبیاء و رسل کے مشترک دین کو

وہ ہو گا "دین توحید"۔ حضرت نوح کا دور ہو، حضرت ابراہیم کا دور ہو، حضرت موسیٰ اور
 حضرت عیسیٰ کا دور ہو، نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اور نبی خاتم الرسل آخر الزماں جناب محمد صلی اللہ

نماز پڑھی تو حکم خداوندی وہی تھا۔ اس وقت اسی اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسجد حرام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔ تو اس وقت توحید کا تقاضا وہ تھا اس وقت اسی توحید کا تقاضا یہ ہے۔ حکم بدل سکتا ہے اصول نہیں بدلے گا۔ اصول یہ ہے کہ اللہ کے حکم پر چلنا ہے۔ جس وقت جو حکم ہے اسے ماننا ہوگا۔ اسی طریقے سے دوسری مثال سیرت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں دیکھئے۔ مکی دور میں حکم ہے کہ مشرکین اگر تمہیں دیکتے انکاروں پر تیار ہے ہیں تو جھیلو، برداشت کرو۔ ہاتھ مت اٹھاؤ۔ اس وقت اس حکم کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت تھی۔ مدنی دور میں اگر حکم ہوا ہے: **وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ**۔ اور جنگ کرو اللہ کے راستے میں، ان سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ اب اس حکم پر عمل کرنا توحید ہے، اللہ کی اطاعت ہے۔ اللہ کی اطاعت وہاں وہ تھی یہاں یہ ہے۔ اللہ کی اطاعت کا اصول قائم رہے گا اگرچہ حکم بدل گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت کچھ اور تھی جس کا ہمارے پاس کوئی ریکارڈ نہیں۔ ہمارے پاس اگر ریکارڈ ہے تو وہ شریعت موسوی کا ہے اور ان شریعتوں کے فرق کو عام طور پر لوگ جانتے ہیں۔ پس شریعتیں بدلی ہیں، جدا رہی ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ یہ الفاظ بھی آئے ہیں: **لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَاۓ** ہم نے (تم انسانوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور راہ عمل مقرر کی) سابقہ امتیں اگر ان کو دی ہوئی تھیں پھر کار بند رہیں تو انہوں نے توحید کا تقاضا پورا کیا۔ اب شریعت محمدی۔۔۔ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ پھیلی تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔ اب اس پر چلنا توحید اور اطاعت الہی کا تقاضا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ تورات کا ایک نسخہ لے آئے تھے اور اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنا شروع کیا۔ (میرا یہ گمان ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں دلیل کے طور پر تورات کو پڑھ رہے تھے اور حضور کو سنا رہے تھے) وہ تو پڑھنے میں لگے رہے اور ان کو اندازہ نہیں ہوا کہ حضور کے چہرہ مبارک پر افسانگی کے آثار ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب تھے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ٹوکا کہ ”دیکھتے نہیں ہو کہ حضور کے چہرہ مبارک کا کیا حال ہے!“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور ان کو حضور کے چہرہ انور پر خفگی کے آثار نظر آئے تو فوراً انکی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے: **رَضِيْتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا**۔ تین بار انہوں نے ان الفاظ کا اعادہ کیا۔ یہاں تک کہ حضور کا غصہ فرو ہوا اور پھر حضور نے فرمایا ”اے عمر! اگر موسیٰ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو ان کو بھی

میری اطاعت کے بغیر چارہ نہیں تھا " اُوکَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اس لئے کہ تمام سابقہ شریعتیں شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے آنے کے بعد
منسوخ ہو چکی ہیں۔ اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگرچہ انبیاء و رسل کی شریعتیں مختلف رہی
ہیں۔ تاہم دین ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے دین توحید۔

اب میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ کو بھی جدید
دین اور شریعت میں ربط و تعلق

اصطلاحات سے سمجھ لیا جائے کہ دین اور
شریعت میں کیا ربط و تعلق ہے۔! دیکھئے جدید سیاسیات میں دو اصطلاحات رائج ہیں۔
ایک۔ دستور (CONSTITUTION) دوسرے، قانون (LAW)۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ دستور
(CONSTITUTION) وہ دستاویز ہے جو کسی بھی ملک کے نظم کو متعین کرتی ہے۔ اساسی دستور میں طے
ہوتا ہے کہ اس ملک میں حاکمیت کون ہے (SOVEREIGN) کون ہے؟ اور حاکمیت کس طرح
استعمال (CHANNELISE) ہوگی؟ وہ کس طرح (EXERCISE) کس طور پر ہوگی۔ اس دستور کے
تحت قانون سازی کا طریقہ (PROCESS) کیا ہوگا۔؟ اس میں رد و بدل کیسے ہوگا؟ انتظامیہ اور
عدلیہ میں باہمی ربط و تعلق کیا ہوگا۔؟ ایک دوسرے کے محاسبہ اور توازن (CHECKS &
BALANCES) کا نظام کیا ہوگا؟ ان بنیادی مسائل کے لئے رہنمائی دینے والی دستاویز اساسی
دستور کہلائی جاتی ہے۔ ہر ملک کے دستور میں اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ اساسی دفعات بہت پُختہ
اور مضبوط ہوں چونکہ بار بار ترمیم مناسب نہیں ہوتی لہذا تبدیلی کا طریقہ (PROCESS) مشکل ترین رکھا
جاتا ہے۔ اس دستور کے تحت حسب ضرورت اکثریت کی رائے سے قانون سازی ہوتی رہتی ہے اور
قانون نہ بنانہ اور انہی کے فرق سے ہر وقت تبدیل بھی ہو سکتا ہے۔ ایک وقت میں لیجسلیٹو اسمبلی
یا پارلیمنٹ ایک دن منظور کرتی ہے اور دوسرے وقت میں اس کو تبدیل کر دیتی ہے یا اس میں ترمیم
کر دیتی ہے۔ وہ چھپ جاتی ہے اور وکلاء حضرات اس کے قانون کی کتاب
(AMENDMENT) میں چھپیاں لگاتے رہتے ہیں۔ ان دونوں اصطلاحات سے یہ بات سمجھ لیجئے کہ دستور کی حیثیت
ہے دین کی اور قانون کی حیثیت ہے شریعت کی۔

آگے بڑھنے سے قبل میں چاہوں گا کہ اسی موقع پر لفظ دین کے مفہوم کو بھی
لفظ دین کا مفہوم | اچھی طرح سمجھ لیا جائے جس کی تشریح میں نے ابتدائی گفتگو میں مؤخر کی
تھی عربی میں دین کے لغوی معنی ہیں " بدلہ "۔ ظاہر ہے کہ بدلہ اسی کام کے نتیجہ کے طور پر ملتا ہے۔

اچھے کام کا اچھا اور بُرے کام کا بُرا بدلہ۔ لہذا لفظِ دین میں جزا و سزا کا مفہوم پیدا ہوا۔ اس مفہوم سے لفظِ دین میں قانون اور ضابطہ کا تصور شامل ہوا۔ چونکہ جزا اور سزا مستلزم ہے کسی قانون اور ضابطہ کو۔ اس تصور کے مقتضیات و لوازم کے طور پر اسی لفظِ دین میں ایک مقتضی اور مطاع کا مفہوم داخل ہوا۔ اب بدلہ، جزا و سزا، قانون و ضابطہ اور مقتضی و مطاع کے تمام مفہیم کو جمع کیجئے تو حاصل جمع ہوگا اطاعت۔ لہذا ان تمام مطالب و مفہیم اور تصورات کے اجتماع سے قرآن مجید کی اصطلاح "دین" بنی۔

دین کے معنی ہوئے ایک دستور۔ ایک پورا نظامِ حیات۔ ایک مکمل ضابطہ زندگی جس میں ایک ہستی یا ادارے کو مطاع، مقتضی اور حاکم مطلق تسلیم کر کے اس کی جزا کی امید اور سزا کے خوف سے اس کے عطا کردہ یا جاری و نافذ کردہ قانون اور ضابطہ کے مطابق اس ہستی یا ادارے کی کامل اطاعت کرنا۔

ان تمام مفہیم کو قرآن مجید میں ان الفاظ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے: **إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ**۔ بلاشبہ اللہ کا پسند کردہ نظامِ حیات تو اسلام یعنی مکمل تابع واری ہے یہاں دین اور اسلام کے فرق کو بھی سمجھ لیجئے۔ "الدین" کے معنی یہاں ہیں 'نظامِ حیات و اطاعت اور الاسلام کے معنی ہوں گے تابعداری اور فرمانبرداری کرتے ہوئے زندگی بسر کرنا۔ نظامِ حیات اور دستور کے معنی میں یہ لفظِ دین سورہ نصر میں استعمال ہوا۔ **يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا**۔ غیر اللہ کے بنائے ہوئے نظامِ حیات پر بھی اسی 'دین' کی اصطلاح کا اطلاق ہوگا۔ جیسے سورہ یوسف میں بادشاہ کے راجح نظام کے لئے **دین الملک** استعمال ہوا۔ چونکہ ملوکیت میں حاکمیت مطلقہ بادشاہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ کسی تحدید کا پابند نہیں ہوتا۔

دستور و قانون کا تعلق | اب پھر جو ع کیجئے اس بات کی طرف کہ دستور تو اصل میں نظام کو طے کرتا ہے۔ اور اس نظام کے تحت قانون کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔

لہذا دستور کی حیثیت ہے دین کی اور قانون کی حیثیت ہے شریعت کی۔ دستور طے کرتا ہے کہ حاکمیت کس کی ہے، اطاعت مطلقہ کس کی ہوگی۔ قانون سازی کا آخری اختیار کس کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کے دین میں حاکمیت مطلقہ صرف اور صرف اللہ کے لئے ہے۔ اطاعت مطلقہ کی سزاوار اسی کی ذاتِ عزوجل ہے۔ اس کی قائم کردہ حدود کے اندر اندر رہتے ہوئے اسلامی ملک کے پارلیمنٹ کو قانون سازی کا حق حاصل ہے۔

جمہوریت | ہمارے دور میں سب سے زیادہ مقبول اور ردعمل نظام جمہوریت ہے۔ گویا آج کل سب سے زیادہ رداں جمہوریت کا سکہ ہے۔ سلطانہ جمہور کا آتا ہے زمانہ!

یہاں آتا، کوہ آیا سے بدل دیکھئے تو یہ دور جمہوریت کا دور ہے۔ یہ بھی ایک دین ہے۔ دین جمہور۔ اسکی اصل یہ ہے کہ حاکمیت مطلقہ عوام کی ہے عوام کے منتخب کردہ نمائندے جو چاہیں گے قانون بنائیں گے۔ انہیں اختیار ہے کہ شراب پر پابندی لگائیں یا اسے ہینا امریاً قرار دیں۔ ان کو اختیار ہے کہ زنا پر کوئی سزا طے کریں یا اس کی کھلی چھوٹ دے دیں۔ شاید آپ کو معدوم نہ ہو کہ بعض مغربی ممالک میں لواطت کو نہ صرف جائز قرار دیا گیا ہے بلکہ (HOMOSEXUALITY) کو اس طرح قانونی تحفظ دیا گیا ہے کہ دو مرد بھی آپس میں شوہر اور بیوی کا رشتہ قائم کر کے رہ سکتے ہیں۔ قانون ان سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔ چونکہ ان کا قانون اسے جائز رشتہ ازدواج میں منسلک قرار دیتا ہے ان پر شوہر اور بیوی کے تمام حقوق و فرائض کا اطلاق ہوگا۔ یہ ہے جمہوریت جس میں حاکمیت مطلقہ عوام کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے نمائندے جو چاہیں قانون بنائیں۔ ان پر کوئی تحدید نہیں ہے۔

دین الملک اور دین المجرور کے مقابلے میں دین اللہ، دین اسلام کیا ہے؟ وہ یہ دین اللہ کہ مطاع مطلق ہے اللہ۔ قانون سازی کا مطلقاً اختیار اللہ کو ہے۔ إِن الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ السَّبِيحُ الْقَيُّمُ۔ "حکمرانی اور فرماں روائی کا کلیتہً اختیار صرف اللہ کے لئے ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی بندگی کی جائے گی۔ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہوگی۔ اسی طرز عمل اور رویہ کا نام دینِ قیّم ہے۔" اسلامی مملکت میں اللہ کی حاکمیت مطلقہ تسلیم کی جائے گی۔ اور اللہ کے نازل کردہ دین و شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے حسب ضرورت قانون سازی ہوتی رہے گی۔ اصول دین سے کسی حال میں سر مو انحراف نہیں کیا جائے گا۔

ہمارے دستور کے قرار داد مقاصد | آج صبح میں نے اخبار میں دیکھا کہ آج مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی برسی کا دن تھا۔

میں تو برسی کا فطعی قائل نہیں ہوں۔ لیکن اس لحاظ سے بات ذہن میں بیٹھ گئی کہ آج اخبارات نے مولانا مرحوم کی چند دوسرے اہل علم و دانش کے تعاون سے مرتب کردہ اس قرار داد مقاصد کا متن بھی شائع کیا جو ۱۹۴۹ء میں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے منظور کی تھی۔ جو ۱۹۷۳ء کے دستور تک ہر دستور میں بطور افتتاحیہ شامل ہے۔ اس قرار داد میں بات طے کی گئی تھی کہ اس سے

سلطنت خداداد میں حاکمیت اللہ کی ہے اور عوام کے منتخب نمائندے اس کے نائب کی حیثیت سے امور و کار و بار حکومت چلائیں گے۔ وہ بہت اہم اور بڑا فیصلہ تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ فیصلہ دل سے کیا نہیں گیا تھا۔ یہ تو مولانا شبیر احمد عثمانی کی شخصیت، ان کی علمیت، ان کی وجاہت اور ان کا پاکستان کی تحریک میں بھرپور حصہ بھر عوام و خواص میں ان کی عزت و احترام اور ان کا اثر و رسوخ ان سب باتوں کا رعب اتنا تھا۔ پھر یہ کہ نواب لیاقت علی خاں مرحوم خود بھی مولانا کے کچھ زیر اثر تھے لہذا قرارداد مقاصد پاس ہو گئی۔ ورنہ مجھے امید ہے کہ اس مجلس میں چند لوگ ایسے ضرور ہوں گے جن کو یاد ہو گا کہ قرارداد مقاصد کے منظور ہونے کے بعد دستور ساز اسمبلی میں کچھ نام نہاد سناٹوں ہی نے کھڑے ہو کر یہ کہا تھا کہ اس قرارداد کے پاس ہونے پر آج ہماری گردنیں شرم کے مارے جھک گئی ہیں آج ہم ہندو دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے، اصل بات چونکہ دل سے نہیں نکلی تھی۔ اندر خاص شخصیتوں کے دباؤ تھے پھر خارج میں جماعت اسلامی کی برپا کردہ اسلامی دستور کی تدوین کے لئے کافی مؤثر تحریک تھی جس کے نتیجے میں اسمبلی میں خطوط، پوسٹ کارڈز اور تاروں پر مختلف پلیٹ فارموں سے منظور شدہ مطالبوں کی قراردادوں کی نقول سے بوریوں پر بوریاں بھر گئی تھیں اور ان کا تانا بندا ہوا تھا۔ ملک نیا نیا بنا تھا۔ عوامی دباؤ کا بھی یہ نیا تجربہ تھا۔ لہذا ہر اقتدار لوگ اس عوامی تحریک سے بھی کافی مرعوب ہو گئے تھے۔ رائے عامہ کا ظہور جس قدر بڑے پیمانے پر ہوا تھا اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ قرارداد مقاصد منظور تو ہو گئی لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ کام خارجی دباؤ کے تحت ہوا تھا۔ اصل میں دل سے یہ بات نہیں نکلی تھی۔ لہذا وہ صفحہ قرطاس کی زینت تو بن گئی لیکن اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جو پیش رفت ہونی چاہیے تھی وہ نہیں ہوئی۔ نہ اس وقت ہوئی نہ آج تک ہوئی ہے۔

ایک کثیفہ اس ضمن میں ایک لطیفہ بلکہ کثیفہ میں آپ کو سنا تا ہوں۔ ایک صاحب جو اس وقت اسلامی جمعیت طلبہ میں شامل تھے اور مجھ سے بڑے تھے۔ اب بھی حیات ہیں اور اب ایک نامور سیاسی لیڈر کی حیثیت سے معروف ہیں۔ لاہور میں مستقل طور پر رہتے ہیں۔ میں ان کا نام نہیں بتانا چاہتا۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ لاہور کی مال روڈ پر جا رہے تھے تو ایک بڑی سی کار پاس سے گزری اور ایک بہت لمبی دائرہ والے ایک صاحب اس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے توجہ سے دیکھا کہ کون ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کیا دیکھتے ہو؟ یہ "قرارداد"

مقاصد" ہے۔ میں بڑا حیران ہوا اور میں نے کہا کیا کہہ رہے ہو؟ وہ کاروائے صاحب کے ذاتی طور پر واقف تھے۔ انہوں نے کہا کہ "ان کو لوگ" قرار داد مقاصد کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیوں؟ بولے "جس طرح قرار داد مقاصد کی ہمارے ملک میں کوئی حیثیت نہیں ہے ویسے ہی ان صاحب کے کردار میں اس دائرہ صی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اپنے کردار کے لحاظ سے یہ نہایت بد نام شخص ہے جو ابھی کار میں گزرا ہے لیکن یہ کہ دینداری کے اظہار کے لئے بڑی سی دائرہ صی رکھی ہوئی ہے بالکل اس طرح جیسے قرار داد مقاصد کی حیثیت محض ایک دکھاوے کی چیز کے ہوا اور کچھ نہیں" ان کی بات صد فی صد درست ثابت ہوئی۔ اس لئے کہ پینتیس سال تو گزر چکے ہیں پچیسواں سال شروع ہو چکا ہے۔ اس عرصہ میں اس قرار داد پر جو کچھ عمل ہوا ہے وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ لیکن فی الواقع اس قرار داد مقاصد پر اس دفعہ پر جو ہر دستور میں محض رہنما اصول (DIRECTIVE PRINCIPLE) کے طور پر درج ہوتی چلی آرہی ہے۔ کسی دستور میں بھی اسے نافذ العمل دفعہ (OPERATIVE CLAUSE) قرار نہیں دیا گیا۔ وہ رہنما اصول یہ ہے کہ:

(NO LEGISLATION WILL BE DONE REPUGNANT TO THE QURAN & THE SUNNAH)

"کوئی قانون سازی نہیں ہوگی جو قرآن و سنت کے خلاف ہو۔"

اگر قرار داد مقاصد اور یہ رہنما اصول (OPERATIVE

اسلامی نظام کے مقتضیات

CLAUSE) نافذ العمل دفعہ بن جائے اور یہ دونوں واقعی

اخلاص کے ساتھ صاحب اقتدار حضرات کے دلوں میں اتر جائیں۔ پھر ملک کی تمام لاٹی کورٹس اور سپریم کورٹ کو کھلا اختیار دے دیا جائے کہ اس ملک کا رہنے والا ہر مسلمان اس دفعہ کے تحت جس قانون کو بھی چیلنج کرے کہ قرآن و سنت کے خلاف ہے تو وہ عدالتیں اس کو سنیں اور فیصلہ دیں۔ یہ دونوں چیزیں کسی ملک کے دستور اور نظام کو اسلامی دستور اور نظام بنانے کے لئے کفایت کریں گی۔ — باقی یہ بات کہ انتخابات کا طریقہ دہج کیا ہو! وہ جماعتی بنیاد پر ہو، متناسب نمائندگی کے اصول پر یا غیر جماعتی ہو۔ ملک کا نظام پارلیمانی ہو یا صدارتی ہو۔ وحدانی ہو یا وفاقی یا الحاقی ہو۔ یہ سارے مسائل مباحثات کے دائرے کے ہیں۔ ہمارے ملک کے حالات کے اعتبار و لحاظ سے جو طریقہ مناسب نظر آئے اسے اختیار کر لیا جائے۔ اصل چیز یہ ہے کہ ملک کا نظام، توحید پر استوار اور مبنی ہو۔ نظری طور پر تسلیم کیجئے اور عمل میں اس کا مظاہرہ کیجئے کہ حاکمیت کا اختیار صرف اللہ کا ہے۔ نظری طور پر یہ بات

قرارداد مقاصد میں موجود ہے اور عموماً اس رہنما اصول کو نافذ العمل دفعہ بنانے کی ضرورت ہے کہ:

(NO LEGISLATIVE WILL BE DONE REPUGNANT TO THE QURAN &

THE SUNNAH)

قانون سازی کا ہمیں اختیار ہے۔ لیکن یہ اختیار محدود ہے۔ ہم اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے اندر اندر اور ان کی روح کے مطابق قانون بنا سکتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام میں رد و بدل کرنے کے ہم ہرگز اور قطعی مجاز نہیں ہیں۔ نہ ان سے تجاوز کر سکتے ہیں۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا. تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا

"یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو" اور "یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب بھی نہ پھٹکو"۔

اس دائرے کے اندر آپ قانون بنائیے۔ اس کے لئے بھی قرآن نے ان الفاظ مبارکہ میں ہدایت دیدی ہے:

أَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ۔ اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کریں۔ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ مطلوب ہے واجب ہے کہ معاملات باہمی مشاورت سے طے پائیں۔

قابل صد افسوس بات | آپ کو معلوم ہے کہ اس دور میں شرعی عدالتیں بنی ہیں، لیکن حال کیا ہے؟ ان کے بھی ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، ان کو حکم ہے کہ

كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ "اپنے ہاتھ بندھے رکھو"۔ فلاں فلاں قوانین کی طرف ہرگز نگاہ نہ اٹھانا۔

عالمی قوانین ان شرعی عدالتوں کے حیطہ اختیار سے باہر ہیں۔ ان پر فیصلہ کرنے کی یہ عدالتیں

لے ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک بندہ مومن کے اختیار کی کیفیت اس گھوڑے کے مانند ہے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہو۔ اب جتنی لمبی رستی ہے اسی قدر وہ اس کھونٹے کے چاروں طرف جا سکے گا۔ اس رستی سے تجاوز نہیں کر سکے گا۔ یہی طرز عمل ایک مومن بندے کا ہونا چاہیے۔ (ادکھا قال)

اس سے ایک صحیح اسلامی ریاست کی حدود اختیارات کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اسلامی ریاست میں اختیارات کی حد بندی کے لئے سورۃ الحجرات کی یہ آیت کریمہ رہنمائی کرتی ہے کہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْضُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ طَائِرٌ

اللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ "اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول کے آگے (یعنی ان کے احکام سے) پیش قدمی نہ کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو۔ اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

اس آیت کی رو سے ایک اسلامی ریاست کو لازماً اللہ کی کتاب اور اسکے رسول کی سنت کے تابع ہو کر کاروبار حکومت چلانا ہوگا۔ (مرتب)

مجاز نہیں کہ ان میں شریعت کے خلاف کون کون سی دفعات ہیں۔ ان عائلی قوانین کو صاف
 اقتدار حضرات کا تحفظ حاصل ہے۔ چونکہ ڈر ہے کہ اگر ان میں سے خلاف شرع دفعات حذف
 کر دی گئیں تو مغرب زدہ خواتین ناراض ہو جائیں گی۔ گویا ان کی ناراضگی کا اللہ کی ناراضگی سے
 زیادہ خوف ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ ان کی رضا اللہ کی مرضی و رضا سے زیادہ عزیز ہے۔ ان
 شرعی عدالتوں کو اس امر کا پابند بھی کر دیا گیا ہے کہ یہ مالی قوانین کے بارے میں بھی فیصلے دینے
 کی مجاز نہیں ہیں کہ کون سے قوانین اور طور طریقے خلاف اسلام ہیں۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ اہم ترین
 نظام تو مالیات کا نظام ہی ہوتا ہے۔ آج کی دنیا میں سارا دار و مدار تو معاشی نظام پر ہے۔ وہ طے کرتا
 ہے کہ پورا نظام کن اصولوں پر چلے گا۔ آپ کو بہ ادنیٰ تامل نظر آجائے گا کہ ہمارے پورے نظام معیشت
 کا دار و مدار حرام پر ہے۔ ہماری تمام بڑی بڑی صنعتیں اور ہماری تمام برآمدی و درآمدی تجارت سود کی بنیاد
 پر چل رہی ہے۔ ہماری زمین یعنی کاشت کاری کا اکثر بیشتر بندوبست جاگیر داری اور زمینداری کی بنیاد پر
 چل رہا ہے۔ ایک ہے صنعت و تجارت کا سود اور ایک ہے زمین کا سود۔ معیشت کا کل معاملہ
 سود کی بنیاد پر چل رہا ہے۔ لیکن شرعی عدالتوں کے ہاتھ باندھ دیئے گئے کہ وہ ان مسائل کے متعلق
 کوئی (VERDICT) نہیں دے سکتیں۔ ہو سکتا ہے کہ چند اور بھی مسائل ہوں جو ان عدالتوں کے
 حیثیت اختیار سے باہر رکھے گئے ہوں۔ بہر حال عائلی قوانین اور مالی قوانین پر یہ عدالتیں کسی غور و فیصلہ
 کی مجاز نہیں ہیں۔ ان امور کو اگر دین کے تابع نہیں کیا گیا تو گویا بنیادی باتوں ہی سے اعراض و
 گریز کیا جا رہا ہے۔ پھر اسلام آئے گا تو کیسے آئے گا۔ اگر اسلام کوئی واقعہ لانا ہے تو ان سب
 کو بدلنا ہوگا۔

یہ باتیں تو جملہ ہائے معترضہ کے طور پر درمیان میں آگئیں
آیت کی مزید توضیح و تشریح
 اب آئیے سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ کی طرف۔ میں نے
 اس آیت کی ابھی تک صرف دو باتوں کی شرح کی ہے۔ ایک تو یہ کہ ان پانچوں رسولوں کا دین ایک
 ہے۔ اور یہ پانچوں چوٹی کے رسول ہیں۔

معلوم ہوا کہ تمام انبیاء
 و رسل کا دین ایک ہی رہا ہے۔ از آدم علیہ السلام تا ایں دم۔ دین الہی ایک ہے۔ یہ دین کیا ہے؟
 یہ ہے قَاعِبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ۔ انفرادی سطح پر اور اجتماعی سطح پر یہ بات مانو کہ اللہ
 ہی ہے حاکم مطلق۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ اُنّی کے قانون کی تنفیذ ہو۔ جہاں اس نے آزادی دے
 رکھی ہو وہاں تم حدود میں رہ کر قانون بنا سکتے ہو۔ یہ اسی کی دی ہوئی آزادی ہے۔ لیکن اس کی تکرار

حدود سے بے گزرتجاوز نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان میں رد و بدل کیا جاسکتا ہے۔ یہ ہوگا دین کو قائم کرنا۔
یہ ہے اقامتِ دین۔ اس کو سمجھنے کے لئے اب آیت مبارکہ کے اگلے حصے پر آجائیے۔ اس کیلئے
آیت کا متعلقہ حصہ پھر سماعت فرمائیے! شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا
وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا
الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۗ يَدِينُ اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کو قائم کرو۔ اس لئے تو نہیں
دیا گیا کہ اس کی مدح کرو۔ اس کی تعریفیں کرو۔ اس پر کافر نہیں کرتے رہو۔ کافر نہیں اور محاضرات
قرآنی ہم بھی کرتے ہیں، لیکن اگر ان کافر نسوں اور محاضرات سے مقصود ہو دین کو قائم کرنے کی جہد
میں کام لینا تو ان کا انعقاد مبارک۔ اور اگر یہ چیزیں اپنی جگہ مقصود و مطلوب بن جائیں اور گفتن و
برخواستن تک معاملہ رہے تو ان کا کوئی حاصل نہیں کسی پیش نظر عظیم کام کے لئے ہو تو یہ حسن کام
ہے چونکہ ظاہر بات ہے کہ اس کے کچھ (PRACTICAL ASPECTS) ہوں گے۔ لہذا اصل

مقصود ہی اس کام کا صحیح مقام متعین کرے گا۔ اقامتِ دین کی جدوجہد کے طور پر تبلیغ ہو رہی ہو تو
وہ تبلیغ اور ہوگی۔ اور اگر تبلیغ برائے تبلیغ ہو رہی ہو تو وہ تبلیغ اور ہوگی۔ ان میں زمین و آسمان کا فرق
ہو جائے گا جیسا کہ میں پھلی مرتبہ عرض کر کے گیا تھا کہ ایک ہے خالص مذہبی طرز کی تبلیغ اور ایک تبلیغ ہے
انقلابی تبلیغ۔ ایک تبلیغ وہ ہے جو صرف عقیدہ کو پھیلاتی ہے جیسے عیسائیت کی تبلیغ۔ وہاں نظام
بے ہی نہیں، دین ہے ہی نہیں، شریعت موجود ہی نہیں ہے کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام! اس کے
احکام موجود ہی نہیں ہیں۔ ان کے ہاں صرف عقیدہ ہے یا اخلاقیات کی کچھ تعلیم ہے۔ اخلاقیات
(MORALITY) کے بارے میں ابتدا ہی میں میں نے بتایا تھا کہ سب کے نزدیک یہ مشترک چیزیں

ہیں۔ ان کو (UNIVERSAL ETHICS) آفاقی اخلاقیات کہنا بجا ہوگا۔ شریعت ان
کے ہاں سرے سے ہے نہیں تو نظام کیا بنے گا! لہذا ان کی تبلیغ صرف عقیدے اور چند اخلاقی
اصولوں کی تبلیغ ہے جس طریقے سے ایک ہل ہوتی ہے جو وہ زمین پر پھیلتی ہے۔ سرے سے اوپر
اٹھتی ہی نہیں۔ وہ خربوزے کی ہو، کدو کی ہو، کسی چیز کی بھی ہو وہ زمین پر ہی رہ جائے گی۔ اوپر نہیں
اٹھے گی۔ یہی مذہبی تبلیغ کا مزاج ہے کہ وہ زمین ہی پھیلتی چلی جاتی ہے۔ وہ کبھی نظام قائم نہیں کرتی
نظام کا قیام اس کے پیش نظر ہوتا ہی نہیں۔ لیکن انقلابی تبلیغ کسی نظام کو برباد کرنے کے لئے ہوتی
ہے۔ اس کی مثال ہمارے سامنے اشتراکی تبلیغ ہے۔ ایک اشتراکی اپنی جدوجہد اور تبلیغ کے ذریعے اپنے نظریات
کو پھیلاتا ہے۔ لوگوں کو اپنا ہم خیال بناتا ہے۔ اپنا لٹریچر پھیلاتا ہے۔ غزلوں سے، نظموں سے،

أَنَّ أَيْمُوا الدِّينِ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۖ

تفرقہ کیا ہے؟ | وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ لہذا میں اس وقت لائتتفرقتوا فیہ کی اجالی تشریح پر اکتفا کروں گا۔ ان شاء اللہ کل جب ہم باقاعدہ سورہ شوری

کے بعض اہم مقامات کا باقاعدہ درس کی شکل میں مطالعہ کریں گے تو تفصیل بیان ہوں گی۔ دیکھئے

ایک لفظ ہے تفرقہ، تفریق اور ایک ہے اختلاف۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اختلاف بالکل نیک بنتی سے بھی ہو سکتا ہے۔ اختلاف جزوی ہوتا ہے۔ اختلاف کی وجہ سے یہ نہیں ہوتا کہ

دو من و دیگریم تو دپگری، یہ تفرقہ ہو جائے گا۔ تفرقہ یہ ہے کہ ایک دوسرے سے کٹ جائیں۔ آپس میں

پھٹ جائیں۔ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔ اختلاف تو امام ابوحنیفہ سے کیا امام شافعی

نے (رحمہما اللہ) — امام ابوحنیفہ کے بعض فتاویٰ سے اختلاف کیا ہے خود امام موصوف

کے شاگردوں نے — امام محمد اور امام قاضی ابویوسف نے بعض مسائل میں امام

رحمہ اللہ کی آراء سے اختلاف کیا کہ نہیں کیا۔ ایک امام دوسرے امام کی رائے، تعبیر اور فتویٰ

سے اختلاف کر سکتا ہے ایک شاگرد اپنے استاد کی رائے سے اختلاف کر سکتا ہے۔ ان سب

کی بنتیں نیک ہیں، مبنی بر اخلاص ہیں۔ یہ سب دین الہی کا حکم اور اس کا منشاء قیاس اور اجتہاد کے

ذریعے سے معلوم کرنا چاہ رہے ہیں۔ لیکن چونکہ استنباط کے اصول میں کچھ اختلاف ہے۔ لہذا نتیجے

مختلف نکل رہے ہیں۔ پس اختلاف نیک بنتی سے بھی ہو سکتا ہے۔ اختلاف کوئی بُری شے نہیں ہے

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسی اختلاف سے دنیا کی رونقیں ہیں۔ ذوق نے کہا ہے ہ

گلاب رائے رنگارنگ ہے رونق چمن اے ذوق زیب اس چمن کو ہے اختلاف سے

ایک گلاب کا پودا ہے، اس میں جو پھول لگتے ہیں وہ سب ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ہر ایک کا رنگ

اور انداز جدا جدا ہوتا ہے۔ اسی طرح غور کیجئے کہ ایک ہی طرح کے تمام انسان ہوتے۔ رنگ ایک شکل

و صورت ایک، ناک نقشہ ایک تو کتنی اکتا دینے والی یکسانیت (MONOTONY) ہو جاتی۔

ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل بلکہ قریب قریب ناممکن ہو جاتا۔

لیکن تفرقہ کے متعلق جان لیجئے کہ امت میں تفرقہ اور

تفریق دین ایک نوع کا شرک ہے | دین میں تفرقہ کو شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ قرآن

کہتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۗ

(اے نبی!) جو لوگ اپنے دین کو بھاڑ دیں، ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ اس میں تفرقہ ڈال دیں اور

گرد ہوں میں بت جائیں یقیناً (اے نبی!) ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں نوٹ کیجئے! ایک ہے تفریقِ دین۔ فَتَرَقُوا دِينَهُمْ۔ انہوں نے اپنے دین کو پھاڑ دیا۔ دین کو پھاڑنا کیا ہوگا!۔ نظامِ اطاعت کو تقسیم کر دینا۔ ایک حصہ میں اللہ کی اطاعت ہو رہی ہے اور دوسرے حصوں میں اطاعت ہو رہی ہے کسی اور کی۔ کہیں اطاعت ہو رہی ہے شریعتِ الہی کی اور کہیں اپنے نفس کی خواہشات کی۔ کہیں زمانے کے چلن اور فیشن کی۔ کہیں بے اداری کے رواج کی۔ یہ دین کا پھاڑ دیا گیا ہے۔ یہاں فَتَرَقُوا دِينَهُمْ نہایت قابلِ غور حصہ ہے۔ فَتَرَقُوا دِينَهُمْ لَفَرَقًا آتا ہے پھاڑ دینے، کاٹ دینے، ٹکڑے ٹکڑے کر دینے اور جدا جدا کر دینے کے لئے۔ دوسرا ہے فَتَرَقُوا دِينَهُمْ خود دین کے معاملے میں متفرق ہو جائیں۔ دین کے معاملے میں متفرق ہونے کا تعلق ہے اقامتِ دین سے۔ مسلمان فرقوں میں منقسم ہو جائیں تو پھر دین کیسے قائم ہوگا؟ دین کو قائم کرنے کے لئے تو بڑی مضبوط جدوجہد کی ضرورت ہے۔ بڑی مجتمع قوتوں کی ضرورت ہے۔ بل جمل کر کام کرنا اور زور لگانا ہوگا۔ آپ تصور کیجئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محنت، جدوجہد اور ایثار و قربانی کا جس کے نتیجے میں جزیرہ گانا عرب میں اللہ کا دین بالفعل قائم اور نافذ ہوا جس کی مدح قرآن مجید جگہ جگہ کرتا ہے۔ سورہ فتح میں فرمایا: هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَنَا بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ عَلَىٰ الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رَحِمَاءٌ بَيْنَهُمْ ۚ وَهُوَ اللَّهُ هِيَ حَسْبُ نَبِيِّ رَسُولٍ

کو بھیجا ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ اس کو پورے جس دین و نظامِ اطاعت و نظامِ حیات پر غالب کر دیں۔ اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر نہایت سخت اور آپس میں نہایت رحیم ہیں۔ یہ شان نہ ہوتی تو دین قائم نہ ہوتا۔ ہر حلقہ یاراں تو برہنہ کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو نولاد ہے مومن

اقامتِ دین فرض ہے | فرمایا: أَنْ أَسِيْمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ دین کو قائم کرو۔ اس معاملے میں تفرقہ نہ ڈالو تم سب کا مقصود و مطلوب ایک ہو تم سب کے سامنے یہی ہو کہ سب سے پہلے تو خود اللہ کا بندہ بننا ہے۔ یہ ہے انفرادی سطح پر توجیدِ عملی۔ یہ توجید ہوگی اطاعت کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ پھر یہ کہ اجتماعی جدوجہد کا آغاز ہوگا دعوتِ الی اللہ سے اور اس کا منتہا اور مقصود ہوگا کہ پورے نظامِ اجتماعی پر ملک پر

پوری قومی زندگی پر اللہ کے دین کو قائم و نافذ کرنا ہے۔ یہ ہے اقامتِ دین۔ جو مرکزی مضمون ہے سورہ شوریٰ کا۔ اس ضمن میں ان شاء اللہ تعالیٰ کل ہمارا مطالعہ آگے بڑھے گا۔ آج میں نے مسجی اور مدنی سورتوں کے بارے میں کچھ تمہیدی باتیں آپ کو بتائیں۔ وہ بھی اس لئے کہ ان چار سورتوں (زمر، مؤمن، طہ، الحجۃ اور شوریٰ) کے درمیان جو ربط ہے میں اس کو سامنے لانا چاہتا تھا کہ توحیدِ عملی کے موضوع پر ان چار سورتوں کا گرد و پ بہت اہم ہے۔ سورہ زمر میں انفرادی سطح پر توحیدِ عملی۔ اسی کا باطنی پہلو توحیدِ فی الدعاء سورہ مؤمن میں۔ پھر انفرادی سطح سے اجتماعی سطح کی طرف بڑھیں گے تو دعوتِ توحید کا مرحلہ ہے۔ یہ ہے سورہ طہ الحجۃ میں۔ اور آج توحیدِ عملی کا ہدف ہے اقامتِ دین جو بیان ہوا سورہ شوریٰ میں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس فیصلہ کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی تو انائیاں — اور اپنی قوتیں اس توحیدِ عملی پر مرکوز کریں اور انفرادی سطح سے اجتماعی نظام تک اس توحید کو بردہ پا کرنے کے لئے اپنی کمر لیں۔

ان شاء اللہ کل سے ہم درس کا باقاعدہ آغاز کریں گے ہ
اقول قولى هذا استغفر الله لى ولكم ولسائر المسلمين والمسلمات

امين يا رب العالمين ۰

توحید عملی

کا

فریضہ اقامتِ دین

سے ربط و تعلق

پہلا درس: سورۃ الشوری

(از آیات ۱۳ تا ۲۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا وَضَىٰ بِهِ نُوحًا وَالدِّیْنِ اَوْحٰیْنَا اِلَیْكَ
 وَمَا وَضٰیْنَا بِهٖ اِبْرٰهٖمَ وَمُوسٰی وَعِیْسٰی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَ
 لَا تَفْرَقُوْا فِیْهِ كَبُرَ عَلٰی الشُّرٰكِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ اللّٰهُ یَجْتَبِیْ
 اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ۝۱۳ وَمَا تَفْرَقُوْا اِلَّا مِنْ
 بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغِیًّا بَیْنَهُمْ ۝۱۴ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ
 اِلٰی اَجَلٍ مُّسَدَّدٍ لَّفَضٰی بَیْنَهُمْ ۝۱۵ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرثُوا الْكُتٰبَ مِنْ
 بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ۝۱۶ فَاِذْ لَكَ فَاذَعٌ ۝۱۷ وَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ
 وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاَءَهُمْ ۝۱۸ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ
 لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ۝۱۹ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۝۲۰ لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۝۲۱ لَا

حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاللَّهُ الْمَصِيرُ ۝۱۵ وَالَّذِينَ
 يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ
 رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝۱۶ اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ
 الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ ۝ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝۱۷
 يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ
 مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۝۱۸ إِلَّا الَّذِينَ يُبَادُونَ فِي السَّاعَةِ
 لَعْنُ ضَلِيلٍ بَعِيدٍ ۝۱۹ اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ
 الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝۲۰ مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ
 وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ
 نَصِيبٍ ۝۲۱ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنُ بِهِ
 اللَّهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ
 عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۲۲

حضرات و خواتین! کل ہمارا زیادہ وقت بعض تمہیدی باتوں کے بیان پر صرف ہوا۔ جن میں یہ
 امور شامل تھے کہ ملکیت و دنیا کی کس ترتیب سے مصحف میں آئی ہیں اور ان کے چھ بڑے بڑے گروپ
 کون سے ہیں! ملکیت کے مشترک مضامین و موضوعات کیا ہیں! پھر ان گروپوں کے جو بنیادی و مرکزی
 مضامین ہیں۔ ان کے جو نمود ہیں ان میں کیا فرق ہے! ان میں باہمی نظم اور ربط و تعلق کیا ہے! پھر خاص
 طور پر چار سورتوں، سورہ زمر، سورہ مومن، سورہ طہ، سورہ الحجہ اور سورہ شوری میں وہ کون سا اہم مضمون
 ہے جو تدریجاً ترقی کرتا ہوا سورہ شوری میں اپنے عروج کو پہنچا ہے۔ علاوہ ازیں میں نے سورہ
 شوری کی آیت نمبر ۱۳ کے ایک حصہ کی کچھ تشریح و توضیح بھی بیان کی تھی۔ اس ضمن میں اس نوسوسناک
 صورتِ مجال کا بھی ذکر کیا تھا جس سے ہم اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے فی الواقع دوچار ہیں۔
 صحیح معنوں میں آج باقاعدہ درس کا آغاز ہو رہا ہے۔ آج ہم کوشش کریں گے کہ ان نو آیات کی
 مطالعہ مکمل کریں جن کی میں نے آغاز میں تلاوت کی ہے۔ ارادہ ہمارا ہے لیکن اس کے پورے ہونے

کا اللہ تعالیٰ کی توفیق پر دار و مدار ہے۔ مصحف میں آپ دیکھیں گے کہ ان نو آیات میں سے تین آیات حجم کے اعتبار سے نسبتاً بڑی بھی ہیں اور جب مطالعہ شروع ہوگا تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ مضامین کے اعتبار سے بھی ان تین آیات کی بڑی اہمیت ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں نے کل عرض کیا تھا کہ اقامتِ دین کے موضوع پر یہ قرآن مجید کا ذرہ سنام (CLIMAX) یعنی چوٹی ہے۔ اب ہم اللہ کے نام سے درس کا آغاز کرتے ہیں۔ جن حضرات کے سامنے مصحف موجود ہیں وہ متن پر اپنی نگاہوں اور ذہنوں کو مرکوز فرمائیں۔ چونکہ اتنے بڑے مجمع میں ہر شخص کے سامنے مصحف ہونا ممکن نہیں ہے لہذا زبردس حصہ کی فوٹو سٹیٹ جملہ حاضرین میں تقسیم کرادی گئی ہے تاکہ (TEXT) ان کے سامنے بھی رہے۔ اس لئے کہ درس اس کے بغیر نہیں ہوتا۔ تقریر اور وعظ ہوسکتا ہے۔ درس کے لئے متن کا سامنے ہونا ضروری ہے تاکہ قرآن مجید کے الفاظ مبارکہ جو درحقیقت کلام اللہ ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہمارا ذہنی تعلق قائم ہوتا چلا جائے۔ اسلئے کہ کسی شے کو ذہن میں مستحضر اور یاد رکھنے کے لئے الفاظ کے ساتھ۔ (MENTAL ASSOCIATION) بنیاد بنتی ہے۔

آغاز ہوتا ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ سے۔ میں کل یہ عرض کرچکا ہوں کہ لَكُمْ میں خطاب کی جو ضمیر ہے یعنی کن سے بات کی جا رہی ہے! مخاطب کون ہیں؟ تو خطاب ہے امتِ محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے۔ میں نے کل اس بات کی بھی وضاحت کر دی تھی کہ پوری نوعِ انسانی امتِ محمدیہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرق یہ ہے کہ جو لوگ آپ کی تصدیق کرتے ہیں آپ پر ایمان رکھتے ہیں آپ کو اللہ کا آخری نبی و رسول مانتے ہیں۔ خود کو آپ کی ذاتِ اقدس سے منسوب کرتے ہیں وہ امتِ اجابت ہیں اور باقی تمام انسان امتِ دعوت ہیں۔ نبی اکرم کی بعثت ہوئی ہے پوری نوعِ انسانی کے لئے حضور کی بعثت سے لے کر تاقیام قیامت جتنے بھی انسان اس دنیا میں آئیں گے وہ سب آپ کی امتِ دعوت میں شامل ہیں۔ لہذا فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ: اب میں بغرض تفہیم اس کی ترجمانی یوں کر دوں گا کہ "اے امتِ محمد! علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام" مِنَ الدِّينِ: تمہارے لئے دین میں سے یا از قسم دین یا از جنس دین یا دین کے ضمن میں۔ یہاں آگے بڑھنے سے قبل لفظ شَرَعَ کے معنی سمجھ لیجئے! "شَرَعَ" کے معنی ہیں کسی چیز کو مقرر کر دینا۔ ہمارے یہاں عام طور پر استعمال ہوتا ہے "یہ شارع عام" نہیں ہے۔ پارٹیکول کے نام "شارع" کے ساتھ کھے جانے لگے ہیں۔ جیسے شارع فیصل، چونکہ یہ نام راستہ اور ٹرک پلنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ اس لئے شارع کہلاتا ہے۔ تو کسی چیز کا تعین اور مقرر ہوجانا لفظ شَرَعَ کا اصل مفہوم ہے۔

اب میں متن ترجمہ اور مختصر تشریح ساتھ ساتھ بیان کرتا چلا جاؤں گا۔ فرمایا شَرَعَ لَكُمْ

مِنَ السَّيِّئِينَ مقرر کیا تمہارے لئے دین میں سے ، مَا دَحْشِي بِهِ نُوحًا وَالَّذِي
 أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ، وہی کچھ جس کی وصیت کی تھی (اللہ نے) نوح (علیہ السلام) کو اور جس کی
 وحی کی ہم نے (اے محمد) آپ کی طرف یہاں خطاب میں واحد کا صیغہ آگیا۔ اَلَّذِي ، مراد
 ہیں شخصاً جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ اِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى
 وَعِيسَى۔ اور جس کی ہم نے وصیت کی تھی ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو۔ عَلٰی نَبِيٍّ وَعَلَيْهِمْ
 الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام۔ کل میں نے عرض کیا تھا کہ جن پانچ رسولوں کا ذکر یہاں آیا ہے اکثر محققین
 کے نزدیک یہی پانچ رسول اولوا العزم من الرسل ہیں۔ ان میں اولین ہیں حضرت نوح علیہ السلام
 اور آخری ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ درمیان میں حضرت ابراہیم پھر حضرت موسیٰ پھر حضرت
 عیسیٰ علیہم السلام۔ یہاں پہلے اول و آخر کا ذکر آگیا پھر زمانی ترتیب کے ساتھ تین رسولوں کا۔
 اَنْ اَقِيْمُوا السَّيِّئَةَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهَا طے کہ قائم کرو دین کو یا قائم رکھو دین کو یہ دونوں
 ترجمے ہوں گے۔ دین قائم ہو تو اسے قائم رکھو۔ قائم نہ ہو تو اس کو قائم کرو۔

اقامت دین کا حکم | اَقِيْمُوا كَالْفِعْلِ اَقَامَ ، يَقِيْمُ ، اِقَامَةً (مصدر)
 سے فعل امر جمع مذکر مخاطب ہے باب افعال سے معنی ہوں۔

کسی چیز کو کھڑا کرنا یا کھڑا رکھنا۔ تفہیم کے لئے اگر خیمہ پر قیاس کریں تو اگر خیمہ کھڑا ہے تو کھڑا
 رکھا جائے گا اور اگر گر گیا ہے تو اسے کھڑا کیا جائے گا۔ کھڑا ہے اور آندھی آ رہی ہے
 طوفان آ رہا ہے۔ تو اسے کھڑا رکھنے کا اہتمام ہوگا۔ کھونٹے مضبوط ہوں۔ رسولوں کو بعض
 اوقات مضبوطی سے تھام کر رکھنا پڑتا ہے کہ کہیں خیمہ نہ گر جائے۔ پس خیمہ کھڑا ہے تو اسے
 کھڑا رکھو۔ اور اگر گر گیا ہے تو کھڑا کرو۔ تو یہ دونوں مفہوم اَقِيْمُوا کے فعل امر میں شامل ہیں
 ہیں یہ دونوں مفہوم اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ تراجم میں اگر یہ لفظی فرق آپ کو نظر آئے تو اس
 کی وجہ سے پریشان نہ ہو جائیں کہ ترجمہ کھڑا رکھو درست ہے یا کھڑا کرو درست ہے۔
 دونوں ترجمے درست ہیں۔ دونوں مفہوم اَقِيْمُوا السَّيِّئَةَ میں موجود ہیں۔ دین کو قائم
 رکھو یا قائم کرو۔

قابل غور مقام | آیت کے اس حصہ کے آخر میں فرمایا: وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهَا ط
 ”اور اس کے بارے میں کسی تفرقہ میں مبتلا نہ ہو جانا“۔ یہاں قیہ

کا لفظ بہت اہم ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھنا ہوگا۔ اس مقصد کے لئے لفظ دین کو ایسا
 کہ تیرے پھر اچھی طرح جان لیجئے کہ دین، کس کو کہتے ہیں! پھر میں عرض کروں گا کہ دین میں تفرقہ

کے معانی کیا ہوں گے! کل میں نے دین اور تفرقہ کی تشریح میں کچھ عرض کیا تھا۔ لیکن چونکہ اس سورہ مبارکہ کا یہ عمود اور مرکزی مضمون ہے لہذا ہمیں ایک بار پھر ان کو اچھی طرح سمجھنا اور ذہن نشین کرنا ضروری ہوگا۔

لفظِ دین کی مزید تشریح | عربی زبان میں دین کا لفظ بنا ہے دَانَ يَدِينُ سے۔ اس کے بنیادی معنی ہیں بدلہ اور جزا و سزا۔ جیسے سورہ فاتحہ میں فرمایا:

مَلِكٍ يَوْمَ الدِّينِ - بدلے یا جزا و سزا کے دن کا مالک۔ سورہ فاعنون میں فرمایا:

اَرَدَيْتَ الَّذِي يَكْذِبُ بِالْاٰدِئِيْنَ - کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جو (آخرت کے) بدلہ اور جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے۔ سورہ انفطار میں فرمایا: كَلَّا بَلْ تُكْذِبُوْنَ بِالْاٰدِئِيْنَ - ہرگز نہیں بلکہ تمہارے اعراض کی اصل وجہ یہ ہے کہ تم بدلہ اور جزا و سزا (کے دن) کو جھٹلاتے ہو۔

قرآن مجید کی ان تین آیات کے حوالے سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ان میں 'دین' کے معنی بدلہ اور جزا و سزا کے ہیں۔ یہ اس لفظ کا بنیادی مفہوم ہے۔ اسی معنی میں لفظ 'دین' آتا ہے۔

جس کے معنی قرض کے ہیں۔ آپ کسی کو کوئی چیز ہبہ کر دیں تو وہ واپس نہیں لی جاتی۔ وہ ہبہ ہے۔ عطیہ ہے۔ دین کیا ہوتا ہے! آپ نے کسی کو قرض دیا۔ اب اسے آپ نے واپس لینا ہے۔

دین اور دین میں حروف کافرق نہیں ہے۔ دونوں میں 'د' ہی 'ن' استعمال ہوئے ہیں۔ فرق پہلے حرف د پر نہ بر اور زیر کا ہے۔ حروف اصلی ایک ہی ہیں۔ ہبہ، ہبہ، عطیہ۔ آپ

اسے جو بھی کہیں وہ واپس نہیں ملتا جبکہ اس کے بالمقابل دین واپس ملتا ہے۔ لہذا جزا و سزا عمل کا واپس آنا ہے۔ نیک عمل کا بدلہ جزا کی صورت میں ملے گا۔ یہ اس عمل کا (RE-BOUND)

یعنی اس کا واپس آ جانا ہے۔ بدی کی ہے تو سزا کی شکل میں بدلہ ملے گا۔ یہ بھی اس برے عمل کا واپس آ جانا ہے۔ پس دین کے اندر بھی یہ بنیادی مفہوم موجود ہے۔ اس لفظ کا دوسرا

بنیادی مفہوم ہے اطاعت۔ اس کا تعلق بھی بدلہ اور جزا و سزا سے قائم رہتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جزا و سزا کسی قانون کے تحت ہی دی جاتی ہے۔ جنگل کا قانون ہو تو دوسری بات ہے لیکن

مہذب اور تمدن معاشرے میں جزا و سزا کسی قانون کو مستلزم ہے۔ قانون کے مطابق کام ہو رہا ہو تو جزا اور تحسین ملے۔ اگر اس کے خلاف کام ہو رہا ہو تو سزا اور تعزین ملے پھر اس

کے ساتھ کسی ایسی ہستی کا تصور لازماً ہوگا جو قانون دینے والی ہو جس کی اطاعت کی جائے

لَهُ مُخِصَّاتٌ لِّلَّذِيْنَ اٰرَادَ اٰتِئُوْا اَمْرًا مِّنْهُ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ - اللہ کے محترم حکم کے مطابق اطاعت کی جائے۔ (مرتبہ)

میں جو حوالہ جات آئے تھے ان میں "لفظِ دین" اطاعت ہی کے معنوں میں آیا ہے۔ (مرتبہ)

تو جزا ملے اور اس کی نافرمانی کی جائے تو سزا ملے۔ لفظ دین کے بنیادی مفہیم ہیں۔ ایک شاعر کا ایک مصرع ہے۔ دِنًا هُدًى كَمَا دَالُوا "جیسا انہوں نے ہمارے ساتھ کیا تھا اس کا ہم نے بھرپور بدلہ لے لیا" عربی کا ایک مقولہ ہے: كَمَا تَدِينُ تَدَانُ اس کے معنی بالکل وہی ہیں جو اردو کے اس محاورے کے ہیں "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے" ہندی میں اسے "کرنی کا پھل" کہا جاتا ہے۔ ان بنیادی مفہیم کی توضیحات سے یہ بات ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ "دین" کے اساسی معنی ہونے بدلہ، یعنی جزا و سزا کی شکل میں کسی قانون اور ضابطہ کے تحت اور کوئی ہستی جو قانون دینے والی ہو جس کی اطاعت ہو تو جزا ملے نافرمانی ہو تو سزا ملے۔

قرآنی اصطلاحات | یہ بات تو ہم سب کو معلوم ہے کہ عربی زبان تو نزولِ قرآن حکیم سے پہلے موجود تھی۔ اسی عربی مبین میں قرآن نازل ہوا۔ پس عربی ہی کے الفاظ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کے لئے چن لیا اور معتد بہ الفاظ کے مفہیم و معانی میں وسعت دے کر اصطلاحات کی شکل عطا فرمادی۔ جیسے لفظ صلوة پہلے بھی تھا۔ زکوٰۃ پہلے بھی تھا۔ سوم پہلے بھی تھا۔ لیکن جب ان الفاظ نے قرآنی اصطلاحات کی شکل اختیار کی تو اب ان الفاظ کو جب اسعداً جابولا جائے گا تو اس کے معنی و مفہوم وہی پیش نظر رہیں گے جو قرآن مجید میں اصطلاحات کی صورت میں ان میں شامل کئے گئے ہیں۔ اسی طرح لفظ "دین" کو قرآن مجید نے اپنی ایک اہم اصطلاح بنایا۔ اب یہ اصطلاح کیا بنی؟ وہ یہ کہ:

و کسے ہستی کو مطاع مطلق مان کر اس کی کامل اطاعت کے اصول پر جو نظام زندگی

بنے گا وہ اس ہستی کا دین قرار پائے گا

غور سے سماعت فرمائیے کہ جہاں بھی کوئی نظام ہو گا وہاں پہلے یہ طے ہو گا کہ کون ہے مطاع مطلق؟ اور مختار مطلق! کون ہے اصل قانون ساز! کون ہے حقیقی مقتضی۔ یہ طے ہو جانے کے بعد اس کی اطاعت کے اصول پر پورا نظام بنے گا اور قوانین مدون ہوں گے۔ اس کے جو احکام ہوں گے ان ہی کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معاملات چلائے جائیں گے۔ اس طرح جو نظام بنے گا وہ اس ہستی کا دین ہو گا۔ اگرچہ کل بھی لفظ دین پر بحث ہوئی تھی تاہم آج پھر مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اعادہ کر رہا ہوں

دین الملک | نظام کیا ہے! بادشاہ (SOVEREIGN) ہے۔ حاکمیت اس کی ہے۔ کل کی تقریر میں اجمالاً میں اس کو بیان کر چکا ہوں۔ بادشاہی اس کی زبان سے نکلا ہوا لفظ قانون ہے۔ لہذا اس اصول پر جو نظام بنے گا اسے کہیں گے دین الملک۔

بادشاہ کا نظام۔ یہ لفظ قرآن مجید میں اس موقع پر سورہ یوسف میں آیا ہے، جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بن یامین کو روکنا چاہتے تھے لیکن وہاں بادشاہی قانون نافذ و رائج تھا۔ حضرت یوسف مصر کے بادشاہ نہیں تھے۔ بعض لوگوں کو مغالطہ ہو گیا ہے۔ بلکہ اس حکومت میں بہت بڑے عہدے پر تھے۔ وزیر خوراک کہہ لیں، وزیر خزانہ کہہ لیں۔ خود حضرت یوسف نے بادشاہ سے کہا تھا کہ: قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ طَانِي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ۝۵۵ (یوسف نے کہا ملک کے خزانے میرے سپرد کر دو، میں انتظام کروں گا۔ بند و بست کروں گا) اس قحط کے حالات کا جو بادشاہ وقت کو ایک خواب کی صورت میں دکھایا گیا تھا۔ جس کی صحیح تعبیر حضرت یوسف نے کی تھی، میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور ظلم بھی رکھتا ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت یوسف ایک بہت بڑے عہدیدار تھے۔ چیف سیکرٹری کہہ لیجئے لیکن بادشاہ تو نہیں تھے۔ بادشاہ وقت کے خواب کی تعبیر تا کہ تو آپ جیل خانے سے رہا ہوئے تھے۔ چونکہ وہاں شاہی نظام تھا۔ لہذا اسکی روسے بلا کسی سبب کے کسی باہر کے شخص، کسی غیر ملکی (FOREIGNER) کو روکنا ممکن نہیں تھا۔ لہذا ایک خاص شکل اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیدا فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:

كَذَلِكَ كَدْنَا لِيُوسُفَ مَا
كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ
الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ
(سورہ یوسف جز آیت ۷۶)

”اس طرح ہم نے یوسف کے لئے تدبیر فرمائی
ان کے لئے اپنے بھائی کو روکنے کے لئے
ایک سبب پیدا فرمادیا، اُس (یوسف) کے لئے
بادشاہ کے دین (یعنی مہر کے شاہی

قانون) کے تحت اپنے بھائی کو پکڑنا ممکن نہ تھا۔ الآیہ کہ اللہ ہی نے ایسا چاہا۔“
قرآن کے حوالے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بادشاہی نظام کو بھی قرآن ”دین کہتا ہے اور یہ کہلاتا ہے “ دین الملک “

دین جمہوریت | موجودہ دور میں جمہوریت کی جس نیلم پری کی دنیا دیوانی ہے، کل کی تقریریں اس پر میں مفصل اظہار خیال کر چکا ہوں۔ آج پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں۔ دیکھئے دین الملک اور دین اللہ تو قرآنی اصطلاحات ہیں۔ البتہ دین جمہور کی اصطلاح ہمیں قرآن و حدیث میں نہیں ملتی۔ چونکہ اس وقت جمہوریت کا زمانہ نہیں تھا۔ اس کا تصور موجود نہیں تھا لہذا کتاب سنت میں دین جمہور کی اصطلاح کیسے آئی۔ اس لئے کہ جو چیز عوام کے ذہن اور ادراک میں ہے ہی نہیں، جس کو چلن تو چلن تصور تک موجود نہیں ہے اس کو قرآن و حدیث میں لاکر لوگوں کے ذہن پر بوجھ نہیں ڈالا گیا ہے۔ البتہ دو انتہائیں بیان فرمادیں۔ دین الملک اور دین اللہ۔ اب اس کے درمیان آپ

خود خانہ پُری کریں۔ "اِس قدر گفتم باقی فکر کن" کے مصداق آپ خود (FILL UP THE

BLANK) کریں۔ آپ کو اول و آخر بتا دیا گیا۔ درمیانی کام آپ خود کیجئے۔ نظام جمہوریت کے اصول و مبادی چونکہ وہی ہیں جو دین الملک اور دین اللہ کے ہیں تو ان پر قیاس کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ جمہوریت فی الواقع ایک دین ہے۔

ہوایا ہے کہ جب مذہب کو انسان کی زندگی کا محض ایک نجی معاملہ (PRIVATE AFFAIR) بنا دیا گیا اور

ملوکیت کا دور قریباً ختم ہوا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ نظام کے لئے انسانی ذہن کوئی راہ تلاش کرے اور کوئی اصول وضع کرے۔ لہذا طے کیا گیا کہ بر ملک کے رہنے والے اپنے ملک میں (SOVEREIGN)

ہیں۔ حاکمیت جمہور کی یعنی عوام کی ہے۔ قانون سازی اور نظام کی ہیئت اس کے اصول و مبادی طے کرنے کا اختیار بالکل عوام کو حاصل ہے۔ ان کے منتخب کردہ نمائندے پارلیمنٹ یا اسمبلی میں کثرت رائے سے ہر نوع کا قانون بنانے کے مجاز و مختار کُل ہیں۔ ان کے لئے کسی آسمانی شریعت و ہدایت اور کسی اخلاقی قدر کی پابندی کی ضرورت نہیں۔ ان کے نزدیک فیصد ان اور حتمی و قطعی بات اپنے عوام کی پسند و ناپسند ہے۔ عوام کا منتخب ایوان مجاز ہے کہ اکیاون فیصد اکثریت سے جو چاہے قانون بنائے وہ لواطت جیسے کردہ فعل کو بھی جائز قرار دے، وہ چاہے تو طے کر دے کہ دوسرے بھی شوہر اور بیوی کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔ ان کا یہ فعل قانونی طور پر رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا قرار پائے گا۔

یہ محض خیالی و نظری بات نہیں ہے۔ برطانیہ کی پارلیمنٹ یہ سب کچھ طے کر چکی ہے۔ اس کو یہ فعل کو دہاں قانونی تحفظ حاصل ہے۔ پارلیمنٹ چاہے تو شارع عام پر پارکوں میں، کلبوں میں، ڈراموں میں، اسٹیج پر جنسی فعل اور اختلاط کو جائز قرار دے دے جیسا کہ یورپ کے اکثر ممالک اور امریکہ کی اکثر ریاستوں میں اس فحاشی پر کوئی قدغن نہیں۔ بلکہ اس شیطانی فعل کو قانون کا تحفظ حاصل ہے۔ وہ چاہے تو شراب نوشی، قمار بازی، سٹ، لائٹری اور اسی قبیل کے منکرات کو تفریح یا ضرورت کا نام لے کر قانونی طور پر جائز قرار دے۔ جیسا کہ دنیا کے اکثر ممالک میں عملاً یہ ہوتا ہے۔ یہ ہے اصل جمہوریت جس میں جمہور کے نمائندوں کو قانون سازی کے لامحدود اختیارات حاصل ہیں۔ ان پر کوئی تحدید (LIMITATION) نہیں ہے۔ چونکہ جمہوریت میں اصل حاکمیت (SOVEREIGNTY) عوام کی ہے لہذا اسمبلی ان عوام کی نمائندگی کرتی ہے۔ اسلامی جمہوریت کی بات چھوڑ دیجئے۔ اول تو فی الوقت صحیح معنوں میں یہ کہیں قائم ہی نہیں ساگز ہوگی تو ظاہر بات ہے کہ اس میں (LEGISLATIVE ASSEMBLY) یا پارلیمنٹ کو اس محدود دائرہ میں قانون سازی کا اختیار حاصل ہوگا جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کے لئے چھوڑ رکھا ہے۔ اس میں بھی وہ شریعت کے کسی حکم سے نہ تجاوز کر سکتے ہیں نہ اعراض سے پارلیمنٹ کو لامحدود (UN-LIMITED) اختیارات کسی طور

پر حاصل نہیں ہوں گے۔

اب تیسرے مسئلہ کی طرف آئیے۔ جب اللہ کو مان لیا جائے کہ مطاع مطلق وہ ہے۔
دین اللہ حاکمیت مطلقہ اس کی ہے۔ جب تسلیم کر لیا جائے کہ بادشاہ حقیقی وہ ہے۔ قانون
 دینے کا اصل مجاز وہ ہے۔ شارع حقیقی وہ ہے۔ اس کے نمائندے کی حیثیت سے رسول ہیں۔ لیکن
 اصلاً حکومت اللہ کی ہے۔ مطلقاً اطاعت اس کی ہے۔ اور یہ اطاعت بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ہوگی۔ اس بات کو قرآن مجید میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ: مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ
 جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی: یہاں الرسول سے مراد ہیں جناب محمد
 صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایک جگہ فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ط اور ہم نے
 جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذن الہی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے: اس آیت میں
 قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ بات آگئی ہے کہ اللہ کی اطاعت کا واسطہ رسول ہی ہوا کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ کا مختلف اسالیب سے بیان ہوا ہے۔ وقت
 کی کمی کی وجہ سے میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں ان سب کا احصاء کر سکوں۔ لہذا چند آیات پیش کرتا
 ہوں، سورہ یوسف میں ایک جگہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا گیا: إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا
 لِلَّهِ ط أَمَرَ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاتِهِ ط ذَلِكَ السَّيِّئُ الْقَسِيمُ: فرمانِ روائی اور حکم دینے کا اختیار
 اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی سیدھا
 طریق زندگی ہے: اسی سورہ یوسف میں دوسرے مقام پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے ادا
 کرایا گیا: إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ قَلْبِي ط وَكُلِّمْتُ الْمُنَافِقِينَ ط ○
 حاکمیت اللہ کے سوا کسی کی نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور جس کو (کسی پر) بھروسہ کرنا ہے تو اسے
 چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ کرے: سورہ انعام میں ایک دوسرے انداز سے اس بات کا اظہار فرمایا گیا
 کہ آگاہ ہو جاؤ حقیقی حاکمیت اللہ ہی کی ہے اور وہ (اپنی رعایا) انسان کا حساب لینے میں بڑا
 تیز ہے: أُولَئِكَ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ط حاکمیت صرف اللہ ہی کی ہے۔ لہ
 الحکم قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے۔ مزید برآں یہ مضمون مختلف اسالیب سے قرآن مجید میں
 بار بار آیا ہے کہ وَاللَّهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ اور لَهُ الْمُلْكُ۔ یہاں دونوں جگہ

جو حرف جار لام آیا ہے یہ لام تملیک بھی ہے اور لام استحقاق بھی۔ یعنی (DE-FACTO &

DE-JURE) اسی کی بادشاہت ہے۔ اور یہ بادشاہت دنیا کے عام بادشاہوں کی طرح کی نہیں ہے

بلکہ اس شان سے ہے کہ وہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے: تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ

توم کے لوگو! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے؟ اور کیا یہ سارا آب پاشی کا نظام میرے اختیار میں نہیں ہے؟ میں جس کو چاہوں پانی دوں جس کے لئے چاہوں پانی روک لوں۔ پھر سورہ بقرہ میں اس مجاہد کو دیکھئے جو فرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا تھا: **الَّذِي تَرَى إِلَى الْكَلْبِ حَاتِمَ ابْنِ اِبْرَاهِيمَ نَبِيًّا** دَبَّ اَنْ اِنَّ اَتَهُ اللّٰهُ الْمَلِكُ " (اے نبی) کیا آپ نے اس شخص (فرود) کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے جھگڑا کیا تھا ان کے رب کے بارے میں اس بنا پر کہ اللہ نے اسے حکومت دے رکھی تھی۔ اس حکومت کی بنیاد پر اس کو زعم ہو گیا تھا کہ مختار مطلق اور علی الاطلاق حاکم و بادشاہ وہ ہے۔ وہ بھی خدائی کا مدعی تھا۔" جب حضرت ابراہیم نے اس سے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے: **اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ۔** تو وہ سرکش بولا۔ "زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے" **قَالَ اَنَا اُحْيِي وَ اُمِيتُ۔** روایات میں آتا ہے کہ اس نے دو قیدی جیل سے بلوائے۔ ان میں سے ایک کو آزاد کیا کہ جاؤ تم بری ہو اور دوسرے کی دربار ہی میں گردن اڑوادی اور حضرت ابراہیم سے کہا کہ دیکھو میں نے ایک کو زندہ رکھا اور ایک کو مروادیا۔ تو میرے پاس زندگی و موت کا اختیار ہے کہ نہیں! حضرت ابراہیم نے جب دیکھا کہ یہ توجیح بھٹی پر آگیا ہے تو انہوں نے آخری بات کہدی کہ "میرا رب تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو ذرا سے مغرب سے نکال لا" **قَالَ اِبْرَاهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِي بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ۔** اگر تمھے واقعی اختیار حاصل ہے تو یہ کر کے دکھا۔ اس بات پر وہ کافر بہوت حیران اور ششدر ہو کر رہ گیا۔ **فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ۔** وہ لاجواب ہو گیا، بغلیں جھانکنے لگا۔ جس طرح فرود نے کہا تھا کہ زندگی اور موت میرے قبضہ میں ہے اسی طرح فرعون نے کہا تھا کہ آب پاشی کا نظام اور حکومت کا انصاف میرے ہاتھ میں ہے۔ **اَلَيْسَ لِيْ مَلِكٌ مِّمَّنْ دَاخِلُ الْاَنْهَارِ يَخْفِي مِنِّي مَنْ تَحْتِي۔** لہذا میرا حکم چلے گا۔ تو جب تک اس کا حکم چل رہا ہے تو ہے یہ نہیں تو دین کہاں رہا! ختم ہو گیا۔ اسی طرح جب جمہور کو انتخاب کا حق حاصل ہے اور وہ اپنے نمائندوں پر مشتمل پارلیمنٹ یا اسمبلی منتخب کرتے ہیں اور یہ منتخب پارلیمنٹ جمہور کی حاکمیت کے اصول پر کاروبار حکومت چلاتی ہے تو جمہوریت بالفعل قائم ہے لیکن اگر کوئی فوجی سربراہ اپنے ساتھیوں کے تعاون سے اسمبلی یا پارلیمنٹ توڑ دے اور مارشل لا نافذ کر کے بحیثیت چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر حکومت کا انتظام و انصراف اور جمہوریت اختیار سنہال لے تو جمہوریت کہاں رہی! دین جمہور ختم ہو گیا۔ اس لئے کہ نظام تو وہی ہے جو بالفعل قائم ہو اور واقعتاً اس کے اختیارات کا سکہ چل رہا

ہو۔ بالکل اسی طرح دین اللہ قائم دنا نذاسی دقت سمجھا جائے گا جب امر داتسی میں وہ نظام قائم ہو جس میں بالفعل اللہ ہی کو (SUPREME AUTHORITY) مانا گیا ہو۔ (SOVEREIGN)

فی الحقیقت اللہ ہی کو تسلیم کیا گیا ہو۔ اسی کے احکام کے آگے سب کے سر جھکے ہوئے ہوں اور عملاً صورت حال یہ ہو کہ لیتکون کلمتہ اللہ ہی العلیا۔ اللہ کا کلمہ سب سے اونچا ہو جائے۔ اللہ کی بات اس کا فرمان بالاترین ہو جائے۔ اور یہ ہو پورے نظام زندگی پر۔ جزوی نہیں۔ کل کا کل نظام اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت میں جکڑا ہوا ہو۔

کامل غلبہ درکار ہے جیسے کل میں نے بتایا تھا کہ انفرادی توحید جزوی مطلوب نہیں ہوتی بلکہ کلی مطلوب ہوتی ہے۔ فاعبدا اللہ مخلصا للہ الدین

۵ اَللّٰهُ السَّيِّدُ الْخَاصِ ۵ پس بندگی کرو اللہ کی، پرستش کرو اللہ کی اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے اور آگاہ ہو جاؤ اللہ کے لئے تو دین خالص مطلوب ہے۔ اللہ اس بات کے لئے تیار نہیں ہے کہ آدھا دین میرا مان لو کچھ اطاعت میری کرو۔ آدھا دین کسی اور کا مان لو اس کی اطاعت بھی کرو۔ یہ طرز عمل درکار نہیں ہے۔ اللہ کا مطالبہ تو یہ ہے کہ کل کا کل دین۔ کامل اطاعت اسی کے لئے خالص ہو جائے اور دین میں انسان پورا کا پورا داخل ہو جائے۔ اَدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً۔ چنانچہ اس آیت کو نوٹ کیجئے جو سورہ انفال کی آیت ہے کہ قتال کی آخری منزل کیا ہے؟ قتال و جہاد فی سبیل اللہ کا آخری مدف کیا ہے فرمایا: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنُ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنُ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ (اے مسلمانو! ان (کافروں اور مشرکوں) سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ و فساد بالکل فرو ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے۔ یہ نہیں کہ اس کا کوئی جزو مان لیا جائے۔ مسجد میں تو اللہ کی مرضی چل رہی ہو، پارلیمنٹ میں نہ چلتی ہو۔ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس اور ماتحت عدالتوں میں نہ چلتی ہو۔ ذرائع ابلاغ میں نہ چلتی ہو یا بازار میں نہ چلتی ہو۔ منڈی میں نہ چلتی ہو۔ گھر میں نہ چلتی ہو۔ یہ تو معاذ اللہ تم نے اللہ کو ٹر خا دیا ہے۔ ایک بڑا ہی جزوی اور چھوٹا سا حصہ تو اس کو دیا ہے باقی سب دوسروں کو الاٹ کر دیا۔

۱۔ یہی وجہ تھی کہ مانعین زکوٰۃ سے خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتال کیا تھا۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو زکوٰۃ کے منکر نہیں تھے البتہ مرکزی بیت المال کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ (مرتب)

تفریق دین | آج بھی شروعات میں کہا تھا کہ ہمیں لفظ دین کے ساتھ: وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ یہ بھی گہرائی میں اتر کر غور کرنا ہوگا۔ خاص طور پر یہاں فیہ قابل توجہ ہے۔ فَرَّقَ، يُفَرِّقُ تَفْرِيقًا کے معنی ہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ علیحدہ علیحدہ کر دینا، پھاڑ دینا۔ دین ایک وحدت ہے۔ پورا نظام زندگی۔ انفرادی بھی اور اجتماعی بھی۔ ایک وحدت بن کر اللہ کے تابع آجائے تو یہ ہے دین اللہ۔ گویا کہ مکمل دین قائم ہو گیا۔ اگر یہ نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ فَرَّقُوا دِينَهُمْ۔ دین کو پھاڑ دیا کچھ حصہ میں نے لے لیا، کچھ آپ نے لے لیا۔ کچھ کسی اور کو دے دیا۔ دین کے ٹکڑے کر دیئے کہ کچھ حصہ کو ہم مانیں گے کچھ کو نہیں مانیں گے۔ یہ ہے تفریق دین۔ کل میں یہ آیت آپ کو سنا چکا ہوں کہ: **الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا أَلَسْتُم مِّنْهُمْ فِي شَيْءٍ** (اے محمدؐ) جو لوگ اس دین کے ٹکڑے کر دیں، اس کو پھاڑ دیں، اس کے حصے بخرے کر دیں اور خود تفرقے میں بٹ جائیں تو ایسے لوگوں سے آپؐ کا کوئی تعلق نہیں، ان سے آپؐ کو کوئی سروکار نہیں، رز جانا اور ڈرنا چاہیے اس وعید سے کہ کس طور پر اللہ عزوجل ایسے لوگوں سے اعلان برأت فرما رہے ہیں جو اللہ کے اس دین میں جو تمام انبیاء و رسل کا دین ہے تفرقہ ڈالنے کی روش اختیار کریں کہ ان سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ فیہ میں یہ مفہوم غالب ہے۔

تفریق دین کا دوسرا مفہوم | اس کا ایک مفہوم اور بھی ہے جس کو میں کل بھی بیان کر چکا ہوں۔ وہ یہ کہ اقامت دین کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے امت کو بنیابن مرصوص بن جانا لازم ہے۔ فقہی مسائل میں رائے اور تعبیر کا اختلاف بالکل دوسری چیز ہے۔ یہ اختلاف صرف فقہ کے چار مشہور و معروف ائمہ کرام امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ یا سنی المسلک علماء کرام کے درمیان نہیں ہوا بلکہ صحابہ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین بھی رہا ہے۔ یہ فقہی مسالک کے اختلافات اقامت دین کے فریضہ کی ادائیگی میں اگر روک بن جائیں۔ گروہ بندی ہونے لگے، من دگیم تو دگیم والی معاملہ ہو جائے تو یہ وحدت ملی ہی کے لئے ہلک نہیں بلکہ اقامت دین کے فریضہ کی انجام دہی میں بھی رکاوٹ بن جائے گا۔ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ میں اس نوع کے تفرقے سے بچنے کا بھی نہیں کے اسلوب میں حکم دیا گیا ہے۔ فریضہ اقامت دین کی ادائیگی کے لئے پوری امت کی اجتماعی توت درکار ہے۔ دین دنیا کے صرف ایک حصہ پر قائم کرنا تو مطلوب نہیں بلکہ پورے کربہ ارض پر اللہ کا دین قائم کرنے کی جدوجہد کرنی ہے۔ پوری دنیا کو نور توحید سے منور کرنا ہے۔ گروہ بندی اور تفرقہ بازی کیوں ہوتی

ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کا ذکر اسی درس میں ایک آیت کی تصریح و توضیح میں آگے آئے گا۔

فقہی اختلافات حدود کے اندر ہوں تو تفرقہ نہیں | دین ایک ہو، اور وہ ہو دین توحید اور
کے تحت تفصیلی قوانین میں تھوڑا تھوڑا فرق

ہو تو تعبیر (INTERPRETATION) کافر ہو، استنباط کافر ہو، اجتہاد کافر ہو لیکن توحید

کا اصول سب کے نزدیک ایک ہی ہو تو جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا یہ تفرقہ نہیں ہے۔ ہمارے تمام

فقہاء اور سلفی المسک ائمہ کے نزدیک اصول ایک ہی ہے کہ حکم دینے کا اختیار صرف اللہ کو ہے اور اس

کے نمائندے کی حیثیت اس کے رسول کی ہے۔ اللہ اور رسول یہ ہیں اصل ستون جن پر دین قائم ہے

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاءُ الْمُبِينُ

اس اصول کے تحت مختلف نئے مسائل میں استنباط کیا جاسکتا ہے۔ ہر مجتہد اور ہر فقہ اللہ اور اس کے

رسول کے منشاء کے مطابق کسی نئے مسئلہ میں حکم تلاش کر سکتا ہے اور اس میں کچھ نہ کچھ فرق بھی واقع ہو سکتا ہے

موجودہ دور کی ایک مثال | آپ کو معلوم ہے کہ بھٹو صاحب کے خلاف قتل کا مقدمہ جب

سپریم کورٹ میں آیا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ مقدمہ تو پاکستان کی تاریخ کا ایک

حصہ بنے گا۔ اس کے باوجود کہ قانون ایک ہی ہے۔ نئی شہادتیں سپریم کورٹ میں پیش نہیں ہوئیں

وہ تو ہائی کورٹ میں مقدمہ کی جو مثل تیار ہوئی تھی اور اس پر جو فیصلہ ہوا تھا اسی پر بحث و تھیس اور

جرح و تعدیل ہوئی۔ اس نوع کے مقدمات کے سابقہ فیصلوں اور نظائر سے استدلال و

استشہاد ہوا۔ مختلف شہادتوں کے مابین تضادات کی نشاندہی کرنے کی کوشش ہوئی۔ مثل پر جو

مختلف شہادتیں ریکارڈ ہوئی تھیں ان میں سے ہر شہادت میں تضاد تلاش کیا گیا۔ سابقہ فیصلے کے سقم

بیان کئے گئے ہیں۔ ان تمام امور پر فریقین کے وکلاء نے بحث کی اور اپنے اپنے دلائل دیئے۔

اب دیکھئے قانون ایک، ساری مثل ایک، لیکن سپریم کورٹ کے جج صاحبان نے اختلاف کیا۔

اختلاف ہو سکتا ہے۔ جنہوں نے پھانسی کی سزا کا حکم دیا اور جنہوں نے بری کرنے کا فیصلہ دیا ان میں

سے کسی نے اصول سے اختلاف نہیں کیا وہ سب قانون کو بھی تسلیم کر رہے ہیں لیکن شہادتوں سے استنباط

و استدلال میں اختلاف کر رہے ہیں۔ پوری دنیا کو معلوم ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ فیصلہ

کرنے والوں نے بد نیتی سے مختلف فیصلے دیئے ہیں۔ اور تو اور صرف دو جج ایک قانون کے تحت ایک

ہی مقدمہ کو سنتے ہیں تو ان کی آراء میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔

اصل الاصول | پس اختلاف شے دگر ہے لیکن جہاں اصول بدل جائیں گے، وہ تفرقہ فی الدین ہو جائے گا۔ البتہ جب اصول یہ ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام واضح احکام یعنی نصوص قرآن و سنت کی اطاعت اور تابعداری کی جائے گی۔ اور صرف اسی دائرے میں رہ کر جو اللہ اور اس کے رسول نے مقرر کر دیا ہے، معاملات طے کئے جائیں گے۔ تو یہ تفرقہ نہیں ہوگا بلکہ دین اللہ ہوگا۔

دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے | دین ہمیشہ سے ایک ہی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ دین جو حضرت آدم علیہ السلام کا تھا وہ ہی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ یہ دین ہے دین توحید۔ اللہ کو احد مان لینا۔ اسے وحدہ لا شریک لہ جان لینا۔ جو اس توحید کو آپ عملاً انفرادی زندگی میں لے آئیں گے۔ چونکہ صرف زبانی اقرار کافی نہیں ہے۔ تو وہ ہوگی اللہ کی عبادت کرنا، اپنی کل اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ اسی توحید کو جب آپ اجتماعی نظام کے ذیل میں لائیں گے تو یہ ہوگا پورے نظام زندگی کو اللہ کے حکم کے تابع کر دینا۔ یہ ہوگا اجتماعی طور پر عملی توحید کا برپا کر دینا یا دین اللہ کو بالفعل قائم کر دینا۔ یہ ہے اقامت دین۔

بِالْاِفْظَانِ سَبَّارِكُمْ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ۔
ایک غلط فہمی کا ازالہ | ہمارے ہاں جو فقہی اختلاف پائے جاتے ہیں۔ ان سب میں اصل الاصول توحید ہی ہے۔ مسلمات دین سب کے نزدیک مشترک ہیں۔ سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اطاعت مطلقہ کی سزا اور صرف ذات باری تعالیٰ ہے اور یہ اطاعت بواسطہ رسول ہوگی۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت رسول اللہ مطاع ہیں۔ آپ کے احکام آپ کے فیصلے، آپ کی سنت، آپ کے فرمودات واجب اطاعت اور واجب اتباع ہیں لہذا آیت قرآنیہ: مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ۔ جس نے بھی (محمد) رسول اللہ کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی؛ اور وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَمْرًا اَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا۔ "کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔ سورہ نساء میں فرمایا: فَلَا وَرِيْثَ لَآيُوْمِنُوْنَ حَتّٰى يَحْكُمُوْكَ

فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ - (اے محمد) آپ کے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں آپ ہی کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں : علاوہ ازیں اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ کا حکم قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت دین کے دو ستون ہیں۔ جن پر دین توحید قائم ہے لہذا تمام فقہاء اور ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم کا دین یہی دین توحید ہے۔ وہ چاہے امام ابوحنیفہ ہوں امام مالک ہوں امام شافعی ہوں، امام احمد بن حنبل ہوں۔ امام بخاری ہوں وغیرہم۔ کتاب و سنت سے استدلال کرتے ہوئے جو تفاسیل طے کی جائیں گی تو بعض مسائل کے استنباط، تعبیر اور بعض میں اجتہاد و قیاس، راجح و مرجوح، افضل و مفضول کی آراء میں اختلاف ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ ان ائمہ عظام کے مابین معاذ اللہ دین کے معاملہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے یہ فقہی مذاہب اور مسالک ہیں۔ سب کا دین، دین اسلام ہے۔ مسالکوں کے اختلافات میں کوئی حرج نہیں۔ سب حق ہیں۔ دین میں تفرقہ درست نہیں ہے یہ تو کفر ہو جائے گا۔ اس بات کو اس طرح بھی سمجھ لیجئے اور فرض کیجئے کہ کسی ملک میں غالب اکثریت امام مالک کے مسلک پر چلنے والوں کی ہے تو جب وہ اپنے ملک میں اللہ کا دین قائم کریں گے تو وہاں مالکی فقہ راجح ہو جائیگی کسی جگہ پر احناف کی عظیم اکثریت ہے تو وہ جب اپنے یہاں اللہ کا دین قائم کریں گے تو وہاں فقہ حنفی نافذ ہوگی۔ دس علی ذالک : لیکن فقہ کے اختلافات کے باوصف سب کا دین ایک ہی ہو گا اور وہ ہو گا دین اسلام، دین توحید۔ اس بات کو آج اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ دین اور شریعت یا دین اور فقہ میں کیا فرق ہے ! یہاں بات دین کی ہو رہی ہے۔ شریعت کی نہیں۔ دین کے معاملہ میں متفرق نہ ہو۔ اس پر حجتی رہو۔ اللہ ہی کو مطاع مطلق ماننا ہے۔ اسی کی حاکمیت تسلیم کرنی ہے۔ اسی کی تابعداری اور فرمانبرداری کرنی ہے۔ اسی کے سامنے تسلیم خم کرنا ہے۔ اسی کی اور اس کے رسول کی اطاعت پر مبنی اپنا نظام حیات بنانا ہے۔ یہ سب اقامت دین۔ اس کے بارے میں تفرق میں نہ پڑ جانا۔

دین اللہ کا قیام منشرکین پر بھاری ہوتا ہے

اس آیت مبارکہ میں آگے جو مضمون آ رہا ہے اس کی تفہیم کے لئے مجھے تہیہ کچھ باتیں عرض کرنی ہوں گی۔

دیکھئے قرآن مجید چونکہ ایک خاص دور میں نازل ہوا
۴۱۰ عیسوی سے لے کر ۶۳۲ عیسوی تک جتنا

نزول قرآن کا پس منظر اور تاویل خاص

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کے نزول کا زمانہ ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک خاص ملک
یعنی عرب میں پورا کا پورا قرآن نازل ہوا۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کے اولین مخاطب محمد رسول اللہ
پھر آنحضرت کے توسط سے اولین مخاطب وہی لوگ تھے جو عرب میں آباد تھے۔ لہذا قرآن حکیم کی ایک
تفسیر اس انداز میں ہم کریں گے کہ جب فلاں آیت یا فلاں سورت نازل ہوئی تو اس خاص پس منظر
میں اس کا کیا مفہوم سمجھا گیا؟ یہ ہوگی قرآن مجید

(IMMEDIATE SPECTACLE)

کی تاویل خاص۔ ہمیں اس آیت یا آیات یا سورت کو اس خاص پس منظر میں رکھ کر غور کرنا ہوگا کہ
یہ کب نازل ہوئی! کس مرحلہ پر نازل ہوئی! اس وقت اس کا مفہوم کیا سامنے آیا۔ اس پر کیا عمل
ہوا۔! یہ ہوگی تاویل خاص۔

لیکن۔۔۔ یہ لیکن بہت اہم ہے اس کو غور سے سنیے! لیکن قرآن حکیم صرف اس دور
تاویل عام کے لئے نازل نہیں ہوا۔ ابد الابد تک کے لئے یہ قرآن ہدایت و رہنمائی ہے۔ صرف

عربوں کے لئے نہیں پوری نوری نوری انسانی کے لئے ہے۔ ہمدی لئنا اس ہے۔ لہذا دوسری

تاویل ہوگی تاویل عام۔ جس کے لئے مفسرین کا اصول یہ ہے کہ الاعتبار لعموم اللفظ لا

لخصوص السبب۔ خاص حالات جن میں آیتیں یا سورتیں نازل ہوئیں ان کو سامنے رکھ کر نہیں

بلکہ الفاظ کو دیکھ کر ان کے عموم سے جو مطلب اخذ کیا جائے گا وہ قرآن مجید کا ابدی مفہوم و مطلب ہوگا

لیکن اس تاویل عام کے لئے ضروری ہے کہ تاویل خاص کو انسان سمجھ لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عام

تاویل میں قرآن کے منشاء سے بہت دور چلا جائے۔ اس کا امکان ہے اور غالب امکان ہے۔ لہذا

پہلے تاویل خاص کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ پھر یہ کہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اس سے جو

عام اصول نکل رہے ہوں یا استنباط کئے جاسکتے ہوں تو ان کو پلے باندھ لینا چاہیے کہ یہ ہے قرآن

مجید کی ابدی رہنمائی۔۔۔ یہ ربط و تعلق ہے تاویل خاص اور تاویل عام کا۔

اب آپ تاویل خاص کے اعتبار سے اس پس منظر کو دیکھئے کہ جب یہ آیت نازل ہو رہی تھی کہ

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کے مخاطبوں! جن تک حضور دعوت توحید پہنچا رہے ہیں۔ یا اے محمد

کے نام لیواؤ! جنہوں نے اس دعوت توحید پر لبیک کہا ہے، اسے قبول کر لیا ہے "تمہارے لئے

ہم نے وہی دین مقرر کیا ہے جو حضرت نوح کو دیا۔ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ کو دیا

علیہم السلام۔ ان ہی میں سے حضرت عزیر ہیں، حضرت زکریا ہیں، حضرت یحییٰ ہیں اور بے شمار نبیوں کا سلسلہ ہے جن کا ذکر تورات میں ہے۔ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اور اس سلسلہ کے آخری نبی ورسول ہیں حضرت عیسیٰ جن کو روح اللہ بھی کہا جاتا ہے۔

بعثت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موقع پر عرب میں عربوں کے یہ دو گروہ عرب مستعربہ اور عرب عاربہ موجود تھے جو اپنے آپ کو حضرت اسمعیل کی طرف منسوب کرتے تھے۔ وہ دین اور توحید سے بہت دور جا چکے تھے۔ کہنے کو وہ کہتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم کے پیروکار ہیں لیکن بدترین شرک میں مبتلا تھے۔ بت پرستی، ستارہ پرستی ان کے یہاں ہو رہی تھی، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا ہوا ہے۔ توحید کی کوئی رفق ان میں باقی نہیں۔ حضرت ابراہیم حج کے جو منکاب ان کے یہاں چھوڑ گئے تھے ان میں بھی رد و بدل کر لیا تھا۔ مادر زاد برہنہ ہو کر طواف کرنے کو بڑی نیکی کا کام سمجھ رہے تھے۔ نہ معلوم ان کے یہاں اور کیا کیا خرافات اگئی تھیں۔ عربوں کے یہ دو گروہ ہیں جن کو قرآن مجید کہتا ہے اُمّیین اور مشرکین۔

دوسرے مخاطبین: اہل کتاب | دوسرا گروہ جو مخاطب تھا وہ نسل حضرت ابراہیم کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق سے چلی تھی جن کے بیٹے

حضرت یعقوب جن کا لقب اسرائیل تھا، اس کا نام بنی اسرائیل پڑ گیا تھا۔ یہ بھی آگے چل کر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک وہ جو حضرت موسیٰ اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کو تو مانتے تھے لیکن حضرت عیسیٰ کا انکار کرتے تھے۔ یہ کہلائے یہود۔ دوسرے وہ جو حضرت عیسیٰ پر بھی ایمان رکھتے تھے لہذا انجیل اللہ کے نبی ورسول تھے۔ البتہ ان کی اکثریت نے حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا بھی قرار دے رکھا تھا۔ وہ کہلائے نصاریٰ (عیسائی)۔ یہ دونوں گروہ بھی عرب میں آباد تھے۔ یہود کے مدینہ میں تین قبیلے تھے۔ خیبر میں ان یہود کا بہت بڑا گروہ تھا۔ جبکہ نجران میں نصاریٰ آباد تھے۔

لہذا بعثت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے وقت عرب میں دو جماعتیں مخاطب دو جماعتیں | تھیں۔ ایک تو وہ جو دین سے بہت بعید جاہل، ان کے پاس نہ

شرعیات نہ کوئی آسمانی کتاب اور بدترین شرک میں مبتلا۔ دوسری جماعت وہ تھی جن کے پاس آسمانی کتاب بھی تھی گو وہ کانی محرف ہو چکی تھی اور شرعیات بھی تھی۔ کم از کم یہود شرعیات رکھتے تھے گو کہ اس میں بھی کانی تحریف ہو چکی تھی۔ ان کے یہاں علماء تھے، فضلاء تھے، مفتی تھے، قاضی تھے۔ ان کا سارا کاسارا نظام برقرار تھا۔ اسی طریقہ سے نصاریٰ تورات کو بھی مانتے تھے اور ان کے پاس انجیل بھی

تھی گو اس میں بھی کانی تحریف ہو چکی تھی۔ ان کے یہاں بھی بڑے بڑے علماء تھے، احبار بھی تھے اور رہبان بھی۔ ان دونوں طبقوں کو ذہن میں رکھئے۔ اب اس پس منظر میں دعوت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے اسے سمجھئے!

دعوت محمدی کی مخالفت | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت شروع کی اور آپ نے دیکھا کہ لوگ اس مطابق فطرت دعوت کو قبول نہیں کر رہے ایمان

نہیں لا رہے، مخالفت ہو رہی ہے کیشمکش ہو رہی ہے۔ مٹھی بھر جو سعید رحیم ایمان لے آئی ہیں ان پر تشدد ہو رہا ہے۔ ان کو شدید ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ حالانکہ اسی مکہ کے رہنے والے اجرائے وحی اور آغاز دعوت توحید سے قبل آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتہائی محبت کرتے تھے۔ الصادق کا خطاب حضور کو کس نے دیا؟ الامین حضور کو کس نے قرار دیا! ان

ہی مکہ والوں نے۔ وہ تو آپ کے قدموں تلے اپنی آنکھیں بچھاتے تھے۔ لیکن سوایہ کہ سب آں حضور نے دعوت توحید شروع کی تو وہی مکہ والے جو بان چھڑکتے تھے۔ اب وہی خون کے پیاسے ہو گئے۔ ابوطالب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی، طبعی اور بنو ہاشم کی حمایت | قلبی محبت۔ وہ اگرچہ ایمان نہیں لائے تھے لیکن اس محبت کی وجہ سے آپ

کو ان کی حمایت حاصل تھی۔ ابوطالب چونکہ بنو ہاشم کے قبیلہ کے سردار تھے۔ لہذا قبائلی دستور کے مطابق پورا قبیلہ سردار کے ساتھ تھا۔ چنانچہ بنو ہاشم کی حمایت حضور کو حاصل تھی جو قریش کا سب سے بااثر قبیلہ تھا۔ اس لئے قریش کو نبی اکرم کے خلاف کوئی براہ راست اقدام کی جرأت نہیں ہوئی۔ قریش جانتے تھے کہ اگر ہم نے محمد کو نقصان پہنچایا (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس نظام کے تحت بنو ہاشم کا پورا قبیلہ خون کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا۔ چاہے وہ قبیلہ ایمان نہ لایا ہوتا۔ اس طرح

ایک خون ریز خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس کا وہ تحمل نہیں کر سکتے۔ پورے عرب میں ان کے رعب اور دبدبہ قریش کے تمام قبیلوں کے متحد ہونے کے سبب سے تھا۔ آپس کی جنگ ان کے

بے پڑی نازک صورت حال پیدا کر دیتی اور حال یہ ہوتا کہ (A HOUSE DIVIDED

AMONGST ITSELF CAN'T STAND) قریش کو اندیشہ تھا کہ اگر

ہمارے مابین تفرقہ ہو گیا تو ہماری ہوا خیزی ہو جائے گی۔ اس لئے وہ آں حضور کے خون کے پیاسے ہونے کے باوجود آپ کی جان لینے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے لیکن مخالفت شدید بھی اور طرح طرح سے نبی اکرم اور آپ کے اصحاب کو تکلیفیں پہنچانے کا سلسلہ جاری تھا۔

اہل کتاب کی مخالفت

دوسری طرف دعوتِ توحید قبول کرنے کی توقع اہل کتاب سے ہو سکتی تھی کہ چلو قریش توجاہل ہیں ان کے پاس کتاب نہیں، شریعت نہیں، وحی کا نور ہے ہی نہیں۔ لیکن اہل کتاب تو وہ لوگ ہیں جن کے پاس کتاب بھی ہے، شریعت بھی ہے، دین کا علم بھی ہے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو نبی آخر الزمان کے منتظر تھے، ان کی بعثت کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ تیرے آخری نبی کے ظہور کا وقت کب آئے گا۔ یہود کی جب اصل عربوں سے لڑائی ہوتی تھی تو وہ مار کھاتے تھے، پٹتے تھے۔ جیسے آپ کو معلوم ہے کہ سرناہ دار تو مار کھاتا ہے جس طریقے سے ہندوستان میں مسلمان چاہے تھوڑے ہوتے تھے، اقلیت میں ہوتے تھے لیکن جب فساد ہوتا تھا تو بنیاد مار کھاتا تھا۔ یہی معاملہ یہودیوں کا ہوتا تھا۔ وہ طبعی طور پر بزدل تھے لہذا وہ مار کھاتے تھے۔ لیکن جب وہ پٹتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ کٹھیک ہے اس وقت تو ہم تم سے پٹ گئے ہیں لیکن آخری نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے جب ہم ان کی زیر قیادت تم سے جنگ کریں گے تو تم ہم پر غالب نہیں آ سکو گے۔ شرب میں رہنے والے اس و خمر ج کے غرب قبائل کو بھی یہودی دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ یہود کی یہی دھمکیاں جس کو (IRONY OF FATE) کہیں گے، مدینہ والوں کے ایمان لانے میں سبقت کا ذریعہ بن گئیں۔ انہوں نے سن رکھا تھا کہ ہمارے یہاں یہود کے بڑے بڑے علماء ہیں، وہ یہ کہا کرتے ہیں کہ آخری نبی کے ظہور کا وقت ہے۔ لہذا جیسے ہی رات کی تاریکی میں مکہ کی وادی عقبہ میں مدینے سے آئے ہوئے چھ اشخاص کی نبی اکرم سے ملاقات ہوئی۔ آپ تبلیغ کے لئے گشت فرما رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ وادی عقبہ میں چھ آدمی پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ آپ نے ان کے سامنے دعوتِ توحید پیش فرمائی۔ ان لوگوں نے ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھا کہ ہونہ ہو یہ وہی نبی ہیں جن کی بعثت کا یہود ذکر کیا کرتے تھے۔ لہذا انہوں نے طے کیا کہ ہم سبقت کر کے آپ کے ہاتھ پر ایمان لے آئیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی سبقت کر جائیں۔ یہود کی دی ہوئی خبروں کے ذریعہ سے ان چھ حضرات کو توبہ دایت حاصل ہو گئی اور یہ ایمان لے آئے۔ لیکن یہود کے علماء کا حال وہ رہا جس کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے: **يَعْرِفُوْنَ ذٰلِكَ كَمَا يَعْرِفُوْنَ آبْنَآءَ هٰمِرٍ**۔ یہ اگرچہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور قرآن مجید کو اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان حضوروں کی دشمنی میں یہود سب سے آگے بڑھ گئے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کا خیال تھا کہ نبی آخر الزمان ان میں سے مبعوث ہوں گے۔ ڈھائی ہزار برس سے نبوت ہمارے ہاں

چلی آ رہی ہے۔ یہ تار کبھی ٹوٹا ہی نہیں لیکن ان کی توقع کے خلاف بنی اسمعیل میں خاتم النبیین و المرسلین کا ظہور ہو گیا۔ یہ بات ان کے لئے بہت بڑی آزمائش بن گئی کہ ہم بنی اسمعیل کے ایک فرد کے آگے کیسے جھک جائیں۔! وہ تو آدمی قوم ہے، ان پڑھ قوم ہے، ان میں دین نہیں، ان کے پاس کوئی علم نہیں۔۔۔ کہیں سے فارغ التحصیل نہیں۔ ان کے پاس کسی دارالعلوم کی سند نہیں۔ ان کے پاس کسی صاحب علم کی جانب سے کوئی (TESTIMONIAL) نہیں۔ ہم ان کو نبی کیسے مان لیں۔! ہم تو پھر بہت گھٹیا ہو جائیں گے۔ ہماری علمیت، ہماری سیادت، ہماری قیادت ختم ہو جائے گی۔ ان کا یہ استکبار اور پنداران کے قبول حق کی راہ میں آڑ ہے آگیا۔۔۔!!!

یہ ہے پس منظر اس آیت کے اگلے حصہ کے بنی اسطور کا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نبی اکرم اپنی دعوت کے نتیجے کو دیکھ کر کچھ تشویش میں ہیں کہ لوگ کیوں ایمان نہیں لارہے! آخر انہیں کیا ہو گیا ہے! میری دعوت کتنی صاف اور سادہ ہے۔ کتنی مطابق فطرت ہے۔ انسان کی فطرت کی بدیہیات کو اپیل کرنے والی ہے۔! پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ ایمان نہیں لارہے۔؟ اس پس منظر کو پیش نظر رکھئے اور اگلے حصے کو پڑھئے۔ فرمایا:-

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ

”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بہت بھاری ہے مشرکین پر وہ چیز جس کی طرف

آپ انہیں بلا رہے ہیں۔ دعوت دے رہے ہیں۔“

آپ اسے سادہ بات سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ دعوت توحید ان کے رائج نظام کو درہم

برہم اور تلبیٹ کر دینے والی ہے۔ درآئی لیکہ انکا پورا نظام شرک پر قائم ہے۔ ان کے مفادات اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان کی چودھراہٹیں اس مشرکانہ نظام کی رہن منت ہیں۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہزار دعوت مشرکانہ نظام سے وابستہ مفادات

توحید مطابق فطرت ہو لیکن اس کے جو لوازم، مقتضیات اور متضمنات ہیں ان کو وہ لوگ خوب سمجھتے ہیں جو مشرکانہ نظام میں قیادت و سیادت کے مناصب پر فائز ہوتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ اس دعوت توحید کی ان کے مفادات پر کہاں کہاں ضرب پڑتی ہے! دیکھیے اگر کسی بت کا استھان ہے اور لوگ وہاں آکر چڑھاوے چڑھاتے

ہیں تو کیا وہ بت کے پیٹ میں جاتے ہیں؟ وہ تو مجاوروں کے پیٹوں میں جاتے ہیں۔ وہاں کے جو پجاری اور (PRIESTS) ہیں سارے چڑھاوے تو ان کو مل رہے ہیں۔ کہنے کو وہ بت پر چڑھاوا ہے۔ اسی طور پر جو چڑھاوے قبروں پر چڑھاٹے جاتے ہیں، ان کے متعلق آپ نے کبھی سوچا کہ وہ جاتے کہاں ہیں؟ وہ سب مجاوروں اور گدی نشینوں کے پاس جاتے ہیں۔ وہ توجیب سے محکمہ اوقاف قائم ہوا ہے تو ایسی درگاہوں پر مقفل صندوق رکھ دیئے گئے ہیں کہ نقد نذر و نیازان میں ڈالی جائے۔ لیکن شاید آپ کو معلوم ہو کہ جب محکمہ اوقاف کا نظام زیر ترتیب تھا اسی دوران بڑی بڑی درگاہوں کے جو حضرات نشتی سجادہ نشین تھے، وہ ان زمینوں کو جو درگاہوں اور مقبروں کے نام وقف تھیں، اپنے ناموں پر منتقل کر چکے تھے۔ اصل دولت تو محکمہ اوقاف کے سرگرم عمل ہونے سے قبل ہی وہاں سے جا چکی تھی۔ یہ بڑے بڑے پیر جو بڑے بڑے زمیندار اور وڈیرے بنے نظر آتے ہیں یہ کہاں سے بنے ہیں۔ انہی زمینوں کی بدولت بنے ہیں جو ان مقبروں اور درگاہوں کے نام وقف کی گئی تھیں اور اب وہ ان کی ذاتی ملکیت بنا ہوئی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ شرک کا پورا نظام ہوتا ہی ہے مفادات کا۔ اس نظام میں تو صرف اوپر کی دکھاوے کی چیزیں ہوتی ہیں کہ یہ منادروں و مقابر ہیں۔ یہ دیوتا اور دیویوں کے بتا ہیں۔ یہ اولیاء اللہ کی قبور ہیں۔ اصل مقصد تو ان ناموں، ان استھانوں اور ان درگاہوں کی اڑ میں قیادت و سیادت اور حصول دولت ہوتا ہے۔ سومات کے مندر کے اندر جو دولت تھی وہ کس کی ملکیت تھی! وہاں کے پجاریوں کی ملکیت تھی۔ لہذا مشرکین کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ نظام توحید قائم و نافذ ہو۔

آیت کے اس حصہ کے بین البسطور نبی اکرم کو تسلی و تشفی دی جا رہی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ٹھیک ہے کہ آپ جو دعوت دے رہے ہیں وہ فطرت کے مطابق، عقل کے مطابق اور بالکل سیدھی بات ہے۔ توحید سے بڑھ کر سیدھی بات اور کونسی ہوگی! توحید کے سوا مطابق فطرت بات کونسی ہوگی! توحید سے بڑھ کر مطابق عقل بات کونسی ہوگی! لیکن کسی بات کا مطابق فطرت و عقل ہونا اس کے قابل قبول کرنے کے لئے کافی نہیں۔ یہاں تو مسئلہ آتا ہے مفادات کا، جو درگاہوں کا، اس بات کا کہ مندر اور سجادہ محفوظ رہتا ہے کہ نہیں! وجاہت اور قیادت پر تو آنچ نہیں آ رہی! اور ظاہر بات ہے کہ دعوت توحید ان تمام بتوں کو خواہ وہ مٹی اور پتھر کے ہوں، خواہ مفادات، قیادت، سیادت کے ہوں، توڑ پھوڑ کر اور ملیا میٹ کر کے رکھ دیتی ہے۔ لہذا مشرکین پر یہ دعوت

بہت بھاری ہے۔ یہ اسے آسانی سے ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ لہذا فرمایا:

كَبْرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۗ

اضطرابِ کافری سبب | میں نے کئی بار عرض کیا ہے کہ ایک کریم اور شریف النفس انسان

جبکہ رسالت کی ذمہ داری بھی اس کے سپرد ہو یہ سوچتا ہے کہ کہیں

میرے اندر تو کوئی نقص نہیں! لوگ جو ایمان نہیں لارہے تو میری کوشش میں تو کوئی کمی نہیں۔

میری محنت میں تو کوئی کوتاہی نہیں۔! دعوت دینے کے میرے انداز میں تو کوئی خامی نہیں۔

انبیاء اور رسل علیہم السلام تو اس بارے میں بے نہایت تشویش میں مبتلا ہوتے ہیں چونکہ ان کو

یہ ضابطہ الہی معلوم ہوتا ہے کہ: فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ

”پس یہ لازماً ہو کر رہنا ہے کہ ہم ان لوگوں سے باز پرس کریں گے کہ جن کی طرف ہم نے رسول بھیجے

ہیں اور رسولوں سے بھی پوچھیں گے“ یعنی یہ کہ انہوں نے رسالت کے فرض منصبی کو کہاں تک اور

کس طرح انجام دیا؟ لہذا حضور کو یہ تشویش ہوتی تھی کہ کہیں میری

کوئی کوتاہی نہ ہو جس کے باعث مجھے اللہ کے ہاں جواب دہی کرنی پڑ جائے۔

نبی اکرم کی دلجوئی | قرآن مجید میں بار بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف اسالیب سے جو

تسلی دی گئی ہے اور آپ کی دلجوئی فرمائی گئی ہے وہ اسی لئے کہ اُن حضور لوگوں کے ایمان نہ لانے

پر تشویش میں مبتلا ہو کر اپنی جان کو نہ گھلائیں: لَكَ لِكُلِّ بَاخِعٍ نَفْسٌ أَلَّا يَكُونُوا مُمِنِينَ ۗ

”اے نبی! شاید آپ رنج و صدمے، تشویش اور غم میں اپنی جان کھودیں گے کہ یہ لوگ ایمان

رکھیں نہیں لاتے“ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ فَإِنَّ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تَسْمِعُ الْعَمَى

لے اس موقع پر سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۱ بھی پیش نظر ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم نے حضرت

عبداللہ بن مسعود سے قرآن سنانے کی فرمائش کی اور وہ جب اس آیت پر پہنچے تو حضور نے فرمایا: حَسْبُكَ

حَسْبُكَ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ ”اس موقع پر جب میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو

حضور کی آنکھوں میں آنسو تھے“ یہ اس فرض منصبی کی گہرائی کا گہرا احساس تھا جو آنحضرت کے سپرد

کیا گیا تھا۔ آیت یہ ہے: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى

هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۗ اے نبی غور کیجئے کہ اس روز کیا ہوگا جب ہم ہر امت پر داس کے

رسول کو بطور گواہ لائیں گے اور داسے نبی، آپ کو ان سب پر گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے

(مرتبہ)

الدُّعَاءَ إِذَا دَلُّوا مَذْبِرِينَ ۚ وَمَا أَنْتَ بِهَادٍ الْعَمِّيَّ عَنِ ضَلَالَتِهِمْ ط ۚ راء
 نبی) آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے نہ بہروں تک اپنی دعوت اپنی پکار پہنچا سکتے ہیں جو مٹھی پھیر کر بھاگے
 جا رہے ہوں اور نہ ہی آپ اندھوں کو سیدھا راستہ بتا کر بھٹکنے سے بچا سکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ
 ہیں جو اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ: خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى
 أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔ (ان کے کفر پر اٹے رہنے کے باعث) اللہ تعالیٰ نے ان کے
 دلوں پر مہر کر دی ہے۔ ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ بظاہر یہ چلتے پھرتے نظر
 آ رہے ہیں لیکن حقیقت میں یہ مرچکے ہیں۔ ان کی معنوی موت واقع ہو چکی ہے۔ بظاہر ان کے
 پاس سماعت بھی ہے بصارت بھی ہے لیکن معنوی اعتبار سے یہ بہرے اور اندھے ہیں۔ چلتے پھرتے
 مقبرے ہیں۔ یہ چلتے پھرتے حیوانات ہیں۔ ان کے اندر کا انسان مر چکا ہے۔ آپ کی تبلیغ و
 دعوت میں کوئی کمی نہیں ہے لہذا آپ تشویش نہ کریں۔ آپ یہ فکر دامن گیر نہ کریں کہ یہ ایمان کیوں
 نہیں لا رہے۔! اس تمام پس منظر، تشریح و توضیح کو پیش نظر رکھ کر اب آخری بار پھر آیت
 کے اس حصہ کو دیکھئے کہ:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ط

اس آیت مبارکہ کے آخری حصہ میں علمی اعتبار سے ایک اہم مضمون آ رہا ہے۔ اسے بھی توجہ
 کے ساتھ سنئے اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجئے۔ فرمایا:

اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ۝

"اللہ ہی کھینچ لیتا ہے اپنی طرف جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی جانب اسکو
 جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔"

یہ بڑی اہم بات ہے کسی شخص کے راہ ہدایت پر آنے کے دو طریقے ہیں۔ یہ مختلف طباع
 اور مزاج کی بات ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو تو اللہ ہی فیصلہ کر کے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور بعض
 لوگ محنت کر کے کوشش کر کے رجوع کر کے اللہ کے راستے کی طرف آتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان یہ بھی ہے کہ وہ چاہے تو کسی راہ چلتے کو بلا لے۔ حضرت موسیٰ
 علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدین سے مصر جا رہے تھے کہ راستہ ہی سے کھینچ بلایا۔

اور کوہ طور پر نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ آپ سے کلام فرمایا: وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا۔
 وہ کلیم اللہ ہو گئے۔ حضرت عمر گھر سے ننگی تلوار لے کر اس حضور کے قتل کے پختہ ارادے سے نکلے تھے

لیکن راستہ ہی سے ان کا رخ اپنی ہمیشہ کے گھر کی طرف پھیرنے کے اسباب پیدا فرمادیے جو خود ان کے شوہر حضرت سعید ابن زید ایمان لایچکے تھے۔ بہن کی عزیمت دیکھ کر حضرت عمر کا دل موہوا۔ کلام الہی سننے کی خواہش کی اور سن کر دل کی کایا ہی پلٹ گئی۔ حجابات دور ہو گئے۔ وہی ننگی تلوار جو قتل کے ارادے سے لے کر گھر سے نکلے تھے غلاموں کی طرح گلے میں ڈال کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو کر جاں نثاران محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہو گئے۔ دربار نبوی سے فاروق کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی اجتناب ہوا۔ آں حضور کو مکہ میں دعوت توحید دیتے ہوئے چھ سال بیت گئے تھے۔ آپ کی شدید مخالفت ہو رہی تھی لیکن حمزہ ان سب سے بے نیاز اپنے مشاغل میں لگے رہتے تھے جن میں نمایاں شوق تیرکمان لے کر علی الصبح شکار کو نکل جانا اور شام کو واپس آنا تھا۔ ایک شام جب واپس آئے تو لوٹو نے اس زیادتی کا ماجرا سنایا جو اس روز ابو جہل نے آں حضور کے ساتھ کی تھی۔ قرابت داری کے جذبہ نے جوش کھایا۔ پہلے تو جا کر کمان سے ابو جہل کا سر بھاڑا اور کہا لو میں بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں۔ پھر حضور کی خدمت میں آکر فی الواقع مشرف بہ اسلام ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه۔ اسد اللہ و اسد رسولہ اور سید الشہداء کے القاب سے ملقب ہوئے۔

انابت | دوسری قسم کے لوگ خود ہدایت کے طالب ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ جو ہدایت کا طالب ہے اسے ہم ہدایت دیں گے۔ اس نے تو گویا ہم پر اپنا حق قائم کر دیا۔ اس لئے کہ وہ خود طالب ہدایت ہے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۗ جو لوگ ہمارے لئے محنتیں کریں۔ کوشش کریں۔ ہدایت کے طالب بنیں اس کے لئے قربانیاں دیں ان کے لئے ہمارا پختہ وعدہ ہے کہ ہم انہیں لازماً اپنے راستہ کی ہدایت دیں گے۔ یہی بات یہاں فرمائی کہ وَيَهْدِيْهِ اِلَيْهِ مِّنْ يَّسْرٍ ؕ "اللہ ہدایت دیتا ہے اپنی نیاں جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے" جو بھی حق کا طالب اور متکاشی ہے۔ جس کے دل میں بھی انابت ہے جس میں حق کی طلب صادق ہے جو کسی تعصب اور عصبیت میں مبتلا نہیں ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ راہ ہدایت دکھاتا ہے اور اس پر اس کو لے آتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کی درخشاں مثال ہیں۔ وہ اپنی فطرت سلیمہ اور طلب حق کی بنیاد پر صدیق اکبر کے مقام ارفع پر فائز ہوئے۔ عشرہ مبشرہ میں اکثر وہی حضرات گرامی شامل ہیں جو راہ حق کے از خود جو یا تھے۔ حضرت سلمان فارسی ہیں جو طلب حق میں کہاں سے روانہ ہوئے، کن کن منازل پر ٹھہرے اور پھر کس طرح دامن محمدی سے وابستہ ہوئے۔ یہ انابت الی اللہ کی درخشاں مثالیں ہیں۔

صوفیاء کی دو اصطلاحات سالمک مجذوب اور مجذوب سالمک

ہمارے یہاں صوفیاء میں دو اصطلاحیں رائج ہیں۔ ان کے نزدیک کچھ ہوتے ہیں سالمک مجذوب اور کچھ ہوتے ہیں مجذوب سالمک۔ سَلْمُکُ عربی کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں چلنا۔

لہذا سلوک کے معنی راستہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح طریق اور طریقت بھی چلنے اور راستہ کو کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک سالمک مجذوب وہ ہیں جو خود چل کر اللہ کی طرف آتے ہیں اور اللہ ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ بھی لیتا ہے، انہیں ہدایت دیتا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے رجوع کیا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ، وہ تو پہلے سے حق کے متلاشی ہیں۔ اسی راستے پر چلے آ رہے ہیں حقیقت کے دروازے پر وہ بھی دستک دے رہے تھے۔ یہ الگ حقیقت ہے کہ دروازہ کھلا۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ اسی لئے انہوں نے فوراً تصدیق کی اور حضور کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ انہیں تصدیق کرنے میں ایک لمحہ نہیں لگا۔ حضور فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جس کو میں نے دعوت پیش کی ہو اور اسے کچھ نہ کچھ تردد نہ ہو اور اس نے کچھ نہ کچھ توقف نہ کیا ہو سوائے ابوبکر کے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وجہ یہ تھی کہ

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میری طرف سے تھا
دوسرے درجے پر ہیں مجذوب سالمک یہ وہ ہیں جن کو پہلے اللہ تعالیٰ خود ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور انہیں ہدایت دیتا ہے۔ پھر ان کو تربیت کے مراحل سے گزارا جاتا ہے جیسے حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

یہ مفہوم ہے سالمک مجذوب اور مجذوب سالمک کا۔ صوفیاء نے یہ اصطلاحات شاید آیت کے اسی حصہ سے اخذ کی ہیں کہ: **اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ** "اللہ جسے چاہے چن کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو خود اس کی طرف رجوع کرے تو اللہ اسے لازماً ہدایت دیتا ہے"

آیت کے اس حصے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے توسط سے اہل ایمان کو تسلی | اہل ایمان کے لئے تسلی و تشفی کا پہلو بھی موجود ہے کہ مکہ کے مشرکین کی شدت مزاحمت و مخالفت اور جوہر و تعدی نیز انتہائی مالیوں کن حالات سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ راستہ کھولے گا اور وہ تبارک و سبحانہ کچھ لوگوں کو اپنے دین کی طرف کھینچ لے گا اور ان مشرکین میں جو نیک نہرشت ہوں گے، جن کی فطرت سلیم ہوگی، جن کی عقل سلیم ہوگی، جن میں

ذرا بھی انا بت ہوگی، وہ خود چل کر آجائیں گے۔ لہذا ان کو بھی رہ ہدایت سے بہرہ مند فرمائیں گا۔

اہل کتاب کی مخالفت کا سبب

اب آگے والی آیت میں دوسری جماعت یعنی اہل کتاب کی مخالفت کے سبب کو اختصار لیکن انتہائی جامعیت و بلاغت سے بیان فرمایا جا رہا ہے۔ مشرکین عرب تو بے علم تھے۔ ان پڑھ تھے۔ ان کے پاس شریعت نہیں۔ وہ وحی، نبوت و رسالت اور انزال کتب سماوی سے بالکل نا آشنا۔ ان کے مقابلہ میں تھے یہود اور ان کے علماء و فضلاء۔ ان کے پاس کتاب، ان کے پاس شریعت، وحی اور انزال کتب سماوی سے وہ واقف، سلسلہ نبوت و رسالت سے وہ آشنا۔ توحید سے وہ روشناس، بعثت بعد الموت کے وہ قائل، حساب کتاب اور جنت و دوزخ کے وہ مقرر۔ ان کے لئے تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید میں کوئی اجنبیت نہیں تھی۔ کوئی نرالی اور انوکھی بات نہیں تھی۔ وہ تو خود نبی آخر الزمان کے ظہور کے منتظر تھے جن کتابوں کو وہ خود آسمانی کتابیں تسلیم کرتے تھے ان میں یہ پیشین گوئیاں موجود تھیں کہ خاتم النبیین والمرسلین کی بعثت فاران کی چوٹیوں اور کھجوروں کے جھنڈ کی سرزمین میں ہوگی۔ وہیں ان کا ظہور ہوگا جس سے مراد حجاز کے علاقہ کے سوا کوئی دوسرا مقام نہیں ہو سکتا۔ حضرت سلمان فارسی ایک عیسائی راہب سے یہ اطلاع پا کر ہی حجاز کے لئے عازم سفر ہوئے تھے۔ پھر یہود اوس و خزرج کو دھکیاں دیتے تھے کہ آخری نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے، جب ہم ان کی زیر قیادت تم سے جنگ کریں گے تو لازماً تم پر غلبہ آئیں گے۔ لیکن قرآن شہادت دیتا ہے کہ یہ یہود آل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں مشرکین سے بھی زیادہ شدید تھے اور آپ کی دعوت توحید کے خلاف قریش اور عرب کے دوسرے قبائل سے ریشہ دوانیوں اور سازشیں کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ فتنہ و فساد کو اکسانے میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان کی مخالفت کے سبب کو اگلی آیت میں بیان

۱۔ ممکن ہے کہ اسی وجہ سے یہود کے تین بڑے قبیلے فلسطین اور شام کے علاقے چھوڑ کر مدینہ اور خیبر میں آکر آباد ہوئے ہوں۔ اور اوس و خزرج کے قبیلوں کو نبی آخر الزمان کے ظہور کی خبریں دیتے ہوں۔ (مرتباً)

کیا گیا ہے۔ اس آیت مبارکہ کے بھی۔ شَرَعَ لَكُمْ دَالِ آیت کی طرح تین حصے ہیں۔
 میں کوشش کروں گا کہ تینوں حصوں کی علیحدہ علیحدہ تشریح و توضیح کروں۔ فرمایا:
 وَمَا لَفَرَّقُوا إِلَّا مِنَ الْآخِرِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ
 ”اور ان لوگوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس حال میں کہ ان کے پاس علم آچکا تھا (بلکہ
 تفرقہ کا سبب یہ تھا) کہ وہ ایک دوسرے پر زیادتی کریں“

سیاق کلام سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ آیت کے اس حصے میں اہل کتاب کے
 تفرقہ کا ذکر ہے۔ اسی آیت کے آخری حصہ میں وراثت کتاب کا ذکر آرہا ہے۔ وراثت کتاب
 تو یہود و نصاریٰ ہی تھے۔ آیت کے اس حصہ میں تفرقہ کا سبب نہایت جامعیت اور بلاغت سے
 بیان ہو رہا ہے کہ ان اہل کتاب نے جو تفرقہ کیا ہے۔ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، اور تقسیم ہو گئے ہیں
 تو اس کا باعث لاعلمی نہیں بلکہ۔ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ہے۔ دیکھئے کتنی عجیب بات ہے۔ دین
 و شریعت ایک ہے۔ یہود و نصاریٰ دونوں تورات کے ماننے والے ہیں۔ پھر بھی تفرقے میں مبتلا
 ہیں۔ پھر تفرقہ در تفرقہ ہے۔ یہود بھی مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور نصاریٰ بھی۔ اور ایک دوسرے
 کے جانی دشمن ہیں۔ حالانکہ پوری تاریخ مشترک۔ آج بھی عیسائی جس کتاب کو بائبل کہتے ہیں،
 اس کا بڑا حصہ تو (OLD TESTAMENT) ”عہد نامہ عتیق“ ہے۔ یہ دراصل تورات اور دوسرے
 انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفوں پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد (NEW TESTAMENT) ”عہد نامہ جدید“
 ہے۔ جس میں چار کتابیں وہ ہیں جو ”اناجیل“ کہلاتی ہیں۔ ان کے بعد پال اور دوسروں کے
 خطوط ہیں جن کو وہ ”رسولوں کے خطوط“ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہودی جن انبیاء کو
 مانتے ہیں، عیسائی بھی ان سب کو مانتے ہیں لیکن باہمی تفرقہ ہے۔ ایک دوسرے
 کے خلاف فتوے ہیں۔ یہ سب کیوں اور کس لئے ہے؟ میں یہ ساری باتیں اس لئے عرض کر رہا
 ہوں کہ جب بھی کوئی توحید کی خالص دعوت لے کر اٹھے گا۔ حالات یہی ہوں گے۔ اسے اسی
 نوع کے حالات سے سابقہ پیش آکر رہے گا۔ یہ صورت حال کبھی نہیں بدلے گی۔ بقول علامہ
 اقبال

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چرخِ مصطفوی سے شرارِ لولہا ہے

لے موجودہ دور میں صرف اسلام دشمنی میں عیسائی ان یہود کے نامی پشت پناہ اور حلیف بن گئے ہیں۔ درآنحالیکہ
 ان کے عقیدے کے مطابق حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھوانے والے یہودی تھے۔ (مرثیہ)

آج بھی اگر تجدید و احیاء دین کے لئے اور خالص دعوتِ توحید کے لئے کمر کس کے کوئی قافلہ چلے گا تو اسے اپنی نوع کے دو گروہوں سے واسطہ پڑے گا اور سابقہ پیش آئے گا۔ جیسے دورِ حاضر میں ایک تو ہمارے عوام الناس ہیں کہ جن کو دین کی کوئی خبر نہیں۔ ان کے نزدیک دین نام ہے محض ایک عقیدے کا اور چند رسومات کا۔ ان کو حقیقی دین کا علم سرے سے ہی نہیں۔ ان کا دین تو قبر پرستی ہے یا تعزیر پرستی۔ ان کے دین کا سب سے بڑا مظہر یا عرس ہے یا تعزیوں کے جلوس ہیں۔ یا اب ایک اور جلوس کا اضافہ ہو گیا ہے جو عید میلاد النبی کا جلوس ہے۔ ان کا دین تو ان ہی چیزوں کا نام ہے ان کے سوا ان کو دین کا اور کوئی علم اور خبر ہے ہی نہیں۔ نماز سے انہیں سروکار نہیں روزے سے انہیں بحث نہیں۔ ان کا کل دین بس انہی چیزوں کا نام ہے۔ یہ گروہ تو گویا ان لوگوں کے مشابہ ہو گیا جو حقیقتِ نفس الامری سے بہت دور نکل گیا تھا۔ ضلّٰلاً اَبَعِیْثًا۔ ان کے لئے خالص توحید والے دین کی طرف آنا بڑا ہی مشکل ہے۔ آسان کام نہیں ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ ہمارے یہاں دوسرا گروہ وہ ہے جن کے فتوے چلتے ہیں۔ دین کے مسائل کے لئے جن کی طرف لوگوں کا رجوع ہے۔ جن کی دینی مسندیں ہیں۔ جن کے اونچے اونچے مناصب ہیں۔ ان میں سے خاص طور پر جن کا سرکارِ دربار سے ربط و تعلق قائم ہو جائے وہ تو یوں سمجھے کہ کربلا اور نیم چٹھا۔ ان میں جو جو خرابیاں پروان چڑھتی ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ علمائے سوئی اکثریت بھی اکثر و بیشتر ان ہی میں سے ہوتی ہیں جو سرکاری درباری علماء ہوتے ہیں۔ ایسے ہی علماء سوئے کے فتووں سے حضرت امام احمد بن حنبل کی بیٹھ پر کوڑے برستے رہے ہیں۔ ایسے ہی علماء کے فتووں سے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرمندی کو حیل میں ڈالا گیا ہے۔ ان ہی کے فتووں سے امام ابوحنیفہؒ حیل میں ڈالے گئے اور ان کو کوڑے لگائے گئے۔ جہاں مالکؒ کی مشکیں کس کے کوڑے لگے ہیں اور گدھے پر بٹھا کر ان کی مدینہ کی گلیوں میں جو شہیر کی گئی ہے تو کیا اس کی پشت پر اس وقت کے درباری مفتیان کے فتوے موجود نہیں تھے۔ جن کے فتاویٰ اس وقت کی حکومت کو حاصل نہ ہوں! یہ درباری سرکاری اقتدارِ وقت کے منہ جڑے ہی تو عالم و فاضل لوگ تھے جنہوں نے جلال الدین اکبر کو "دینے الہی" عطا کیا تھا اکبر کا تو باپ بھی دین الہی خود تجویز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کو مرتب کرنے والے تو ابو الفضل اور فیضی تھے جو بہت بڑے عالم تھے۔ اتنے بڑے عالم کہ ابو الفضل نے قرآن مجید کی پوری تفسیر اس طور پر لکھی کہ اس میں کوئی حرف نقطہ والا نہیں آیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ حال ہی میں سیرت مطہرہ پر ایک ایسی

کتاب بھی لکھی گئی ہے جس میں نقطہ والا کوئی حرف نہیں آیا جس کی صدر مملکت صاحب کی جانب سے بڑی مدح کی گئی ہے۔ یہ تو میرت کی کتاب تھی۔ ابو الفضل نے تو قرآن کی پوری تفسیر لکھی کہ جس میں کوئی نقطہ والا حرف نہیں آیا۔ میرے علم میں نہیں ہے کہ اس تفسیر پر علماء نے کوئی نکیر کی ہو۔ ممکن ہے کہ تفسیر میں اس نے کچھ گڑ بڑ نہ کی ہو لیکن یہ وہی شخص ہے جو اکبر کے لئے "دین الہی تصنیف" کر رہا ہے۔ اور اکبر کی اس راہ کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔ لہذا جب بھی منظم طور پر توحید کے دعوت اٹھے گی یہ دو طرفہ لیٹار ہوگی۔ مخالفتیں ہوں گی۔ ابتلاء اور آزمائش اسی طور سے آئیں گی جیسے اس وقت آئی تھیں۔

اس آیت کے اس حصہ کے عموم لفظ کے بین السطور (BETWEEN THE LINES)

اگر آپ دیکھیں گے اور (READ) کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ ہیں وہ مراحل و ادوار جو خالص دعوت توحید کے نتیجے میں ہمیشہ آکر رہیں گے۔ ایک وہ عوام، جہلاء و جو دین سے دور نکل گئے ان کو دین سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ کوئی تعلق ہی نہیں۔ سوائے بدعات، رسومات اور خرافات کے وہ دین سے کوئی واسطہ اور علاقہ رکھتے ہی نہیں۔ ایک وہ جن کا پڑھنا پڑھانا بھی ہے۔ دین سے تعلق بھی ہے۔ مندریں بھی ہیں۔ فتاویٰ بھی ہیں۔ ارشاد بھی ہے، سب کچھ ہے۔ لیکن
 اَلَا مَا شَاءَ اللّٰهُ حَالٌ يَّهِيَ: وَمَا تَفَرَّقُوا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ لَبِئْسَ مَا يَدْعُونَ
 تفرقے کا ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ حق جب آئے تو وہ واضح نہ ہو۔ گنجلک ہو۔ تو اس کی اس آیت کے آغاز میں نفی کر دی گئی ہے کہ وَمَا تَفَرَّقُوا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ پس معلوم ہوا کہ تفرقہ کا باعث لاعلمی اور نادانیت نہیں ہے۔ "العلم" ان تک پہنچ چکا تھا۔ ہدایت ربانی اور حق جب بھی آیا ہے بہت مہربان، واضح اور بینہ بن کر آیا ہے۔ آخری پارے کی سورہ بئینہ میں بھی یہ مضمون آیا ہے۔ فرمایا: وَمَا تَفَرَّقُوا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ لَبِئْسَ مَا يَدْعُونَ۔ جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس "البینہ" آگئی تھی۔ یعنی حق روشن و مہربان صورت میں ان کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا۔ ان اہل کتاب نے اندھیرے میں ٹھوکر نہیں کھائی بلکہ روز روشن میں جان بوجھ

۱۔ امام اہلند شاہ دلی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کا جب فارسی کا ترجمہ کیا تھا تو وقت کے علماء نے شاہ صاحب کے خلاف کفر کا فتویٰ دیدیا تھا۔ چنانچہ عوام کے ایک گروہ نے اسی فتویٰ سے متاثر ہو کر شاہ صاحب پر دلی کجامع مسجد فتحپوری میں ان کو قتل کرنے کے لئے لیٹار بھیجی کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا تھا۔ (مرتب)

کہ وہ راہِ حق سے منحرف ہیں۔ ٹھیک ہے اہل عرب نے مٹھو کر کھائی، مکہ والوں نے مٹھو کر کھائی تو اندھیرے میں کھائی۔ ان کے پاس تو روشنی تھی ہی نہیں۔ لیکن یہود تو اندھیرے میں نہیں تھے۔ وہ تو نبی اکرمؐ اور قرآن کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو: **لَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ**۔ پھر بھی ایمان نہیں لادے۔ کیوں؟ اس کو آیت کے اس حصے کے آخر میں بیان کیا گیا: **بَغِيًّا بَيْنَهُمْ**۔ اس تفرقے کا اصل جڑک ہے۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی خواہش اور کوشش۔ ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی تمنا اور سعی۔ ایک دوسرے پر ور آنے کی فکر۔ پھر قومی و گروہی مفادات۔ مناصب، تفاخر، جاہرت و حسمت، مذہبی قیادت و سیادت، ان پر مستزاد ہے تکبر اور حسد کہ یہ فضیلت بنی اسمعیل کو کیوں مل گئی۔ یہ تو ہمارے خاندان کی میراث ہے۔ ڈھائی ہزار برس تک نبوت کا سلسلہ ہمارا۔ یہاں جاری رہا ہے۔ کسی اور کو یہ فضیلت مل جائے، یہ ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ آج کل کی اصطلاح میں یہ (PERSONALITY CLASH) تھا۔ یہ شخصیتوں کا تصادم تھا۔ یہ کون اور کون نیچے کا جھگڑا تھا۔ بالاتر کون ہے اور کم تر کون! یہ سارا فساد دراصل اس کا تھا۔ یہ لوگوں کی انانیت تھی۔ جس کے باعث وہ تفرقے میں مبتلا تھے۔ انہوں نے اپنی دنیوی اغراض اور مصالح کی خاطر حق سے اعراض ہی نہیں بلکہ اس کی مخالفت اور دشمنی پر کمر کھیا تھی۔ اب ان تمام تشریحات و تفسیحات کے ساتھ۔ آیت کے اس حصے کو پھر دیکھ لیجئے: **وَمَا تَنْسَوْنَ قَوْلَ الْإِيمَانِ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغِيًّا بَيْنَهُمْ**۔

اب اگلی آیت پر ایسے فرمایا:

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّفُضِيَٰ بَيْنَهُمْ۔

”اور اگر اے محمدؐ، آپ کے رب کی طرف سے ایک کلمہ طے نہ ہو چکا ہوتا، ایک وقت مقرر

تک کے لئے بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے مابین قصہ چکا دیا جاتا۔“

یعنی ابھی مہلت عمر ہے۔ افراد کو بھی اس وقت تک کے لئے مہلت ہوتی ہے جب

تک موت نہیں آتی۔ **مَا لَمْ يُعْرَفْ**۔ جب تک موت کا گھونگر و نہیں بولتا، تو یہ کادروازہ

کھلا ہے۔ ہر نفس کے لئے یہ ضابطہ مقرر ہے کہ **وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا**

”اللہ کسی کو قطعاً مہلت عمل نہیں دیتا جب موت کا مقررہ وقت آجاتا ہے“۔ اجلِ مستحی کے اندر اندر

عمل کا اختیار ہے۔ یہ مہلت و اختیار نہ ہو تو پھر آزمائش کیسی؟ بالآخر اگر اللہ ہدایت دے دے

ان سب کے لئے یہاں رہنمائی موجود ہے۔ فرمایا: **إِنَّ السِّدِّينَ أَوْ ثَوَالَ كِتَابٍ مِنْ بَعْدِهِمْ لَقِي شَيْئًا مِنْهُ مُرِيْبٌ**؛ رسولوں کے امتی عالمین کتاب تشکیک میں مبتلا ہو چکے ہیں جس نے ان کے اذہان و قلوب میں خلجان اور انتشار پیدا کر دیا ہے۔ یہ کتاب کے ماننے اور جاننے والوں کا حال ہے۔ جو امتیں ہیں ان کی کیفیت یہ نہیں ہے اس لئے کہ ان کے پاس تو سرے سے کوئی کتاب ہے ہی نہیں۔ یہ گفتگو درحقیقت اہل کتاب کے بارے میں ہو رہی ہے کہ جن کے پاس علم، کتاب اور شریعت موجود ہے وہ سب نام لیوا ایک رسول کے ہیں لیکن آپس میں دست و گریبان ہیں۔ لہذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آئندہ نسلوں کا اعتماد ہی اٹھتا چلا جاتا ہے۔ آج آپ جو دیکھ رہے ہیں کہ ہماری نوجوان نسل کا اعتماد ہی دین سے اٹھتا چلا جاتا ہے۔ وہ کیوں؟ اس لئے کہ ان کا روزگار مشاہدہ ہے کہ ملک کے علماء حضرات کی اشریت دین کی نام لیوا ہے لیکن ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں۔ **إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ**۔ سب کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد ہے کہ دین کو قائم کیا جائے۔ اسلامی نظام بالفعل نافذ ہو لیکن ایک دوسرے کی ٹانگیں گھسیٹی جا رہی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کا کیا منفی اثر ہمارے معاشرے پر پڑ رہا ہے۔ لوگ اندھے بہرے تو نہیں ہیں۔ نوجوان بڑے حساس ہوتے ہیں۔ تفرقہ کا یہ نقشہ دیکھ کر انہیں پھر دین ہی کے بارے میں شک پڑ جاتا ہے اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید دعویٰ کرتا ہے کہ **إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ** لیکن نوجوان دیکھتا ہو کہ نمازی تو بڑا پکا ہے لیکن جتنا پکا نمازی ہے اتنا بڑا بلیک مار کیٹر بھی ہے۔ اس کا اعتماد نماز پر قائم ہو گا کہ ہٹے گا! نماز پر سے اعتماد ہٹے گا۔ قرآن پر سے اعتماد ہٹے گا کہ قرآن دعویٰ کر رہا ہے کہ نماز بڑے کام سے روکنے والی شے ہے اور یہ سب کچھ کر رہا ہے اور اس کے ساتھ نمازی بڑا پکا ہے۔ ایسے ہی ہمارے معاشرے میں وہ لوگ ہیں جو کثرت کے ساتھ حج اور عمرہ کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی اسمگلر بھی ہیں۔ **إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ**۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کے باعث نوجوانوں کا دین پر سے اعتماد اٹھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی غلط طرز عمل کی عکاسی کی گئی ہے آیت کے اس حصہ میں: **وَإِنَّ السِّدِّينَ أَوْ ثَوَالَ كِتَابٍ مِنْ بَعْدِهِمْ** اور جو لوگ وارث بنائے گئے کتاب کے ان کے بعد۔ یہاں غور کیجئے کہ "ان کے بعد" سے کیا مراد ہے۔! وہ لوگ جو تفرقہ ڈال کر چلے گئے، اب ان کے بعد اگلی نسل کتاب الہی کی وارث ہوئی۔ جیسے ہم قرآن حکیم کے وارث ہیں۔ یہاں جو ذکر ہو رہا ہے وہ تو رات اور نخل کا ہو رہا ہے۔ لیکن جو لوگ تفرقہ ڈال گئے تو ان کے بعد آئیوالے

لہذا اشارہ ہے یہود و نصاریٰ کے متعدد فرقوں کی طرف (مرتب)

ان فرقوں کے سبب سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے۔ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَرِيْبٌ ۝
یہاں مریب شک کی صفت ہے۔ شک جب دل میں یہ خلجان پیدا کر دے کہ پتہ نہیں کچھ ہے بھی یا
نہیں؟ واقعتاً یہ کتاب الہی ہے کہ نہیں؟ یہ گروہ بھی اسی کتاب کو ماننے کا مدعی اور وہ گروہ بھی
اسی کتاب کے ماننے کا مدعی۔ یہ بھی اسی کتاب کو پڑھ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روشنی کا لینارہ اور
ہدایت کا منبع و سرچشمہ ہے۔ وہ بھی اسی بات کے دعویدار ہیں لیکن حال یہ ہے کہ آپس میں دست
درگریباں ہیں۔ یہ ان کو کافر کہہ رہے ہیں اور وہ ان کی تکفیر کر رہے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ اس فرقہ باز کا
سے نام (بالخصوص تعلیم یافتہ طبقہ) کا اعتماد دین پر سے، کتاب الہی پر سے اور علماء پر سے اٹھنا چلا جاتا
یہ پس منظر ہے۔ دو جہاتیں دعوت محمد علیٰ صاحبہا صلواتہ وسلم کے موقع پر سوچیں۔
ایک تو مشرکین کا گروہ۔ ان کے متعلق فرمایا گیا: كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ
إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ۝ اے نبی! آپ
کی دعوت توحید ان مشرکین پر بہت بھاری ہے۔ یہ اتنی دور نکل گئے ہیں کہ ان کے لئے لوٹنا آسان
نہیں ہے ان میں سے اللہ ہی جس کو چاہے گا اس دعوت توحید کے لئے چن لے گا اور اپنے دینے
کی طرف کھینچ لے گا۔ اور جن کے دل میں تھوڑی سی بھی انابت ہے وہ جلد یا بدیر آپ کے جاں نثار
میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ دوسرا گروہ اہل کتاب کا گروہ ان کے متعلق حضور کو جو فکر
لاحق ہو رہی تھی کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لارہے تو اس کا ازالہ اس آیت میں فرمادیا گیا: وَمَا
لَفَسَّ قَوْلَآءُ مِنَّا مِمَّا جَاءَهُمْ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۝ اے نبی! آپ تو
پھر بھی ایک نئی کتاب لے کر آئے ہیں۔ آپ کی دعوت نبوت ان کے لئے نئی ہے۔ حضرت
موسٰیؑ کو تو یہ بھی مانتے ہیں اور وہ بھی۔ پھر بھی ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔
اور تو اور خود بھی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے رہتے ہیں۔ تو
جو اتنے انانیت پرست ہیں کہ ایک کتاب کے ماننے کے باوجود متفرق ہیں وہ آپ کی بات
کیسے تسلیم کر لیں گے! یہی بات علامہ اقبالؒ نے جواب شکوہ میں ہمارے لئے کہی ہے کہ
منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سبب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں چننے کی یہی باتیں ہیں؟

ہماری فرقہ بندی کس سے پوشیدہ ہے۔ نہ معلوم کتنے فرقوں میں ہم بٹے ہوئے ہیں
اس کے نزدیک وہ کافر، اس کے نزدیک یہ کافر۔ اس کے سوا کوئی اور بحث سننے میں نہیں
آتی۔ اَلَا مَشَاءَ اللّٰہ !

لہذا حضور کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اللہ آپ کے لئے راستہ نکالے گا لیکن آپ ان
سے توقع نہ رکھئے کہ چونکہ یہ تو کتابوں کو جاننے والے ہیں۔ توحید کو ماننے والے ہیں۔ ان
کے یہاں بڑے بڑے علماء ہیں۔ لہذا یہ تو فوراً مان لیں گے۔ لیکن نہیں ان کی انانیت ان کو
راہ کا وہ پتھر ہے جو کسی طرح بھی انہیں آگے نہیں بڑھنے دے گا بلکہ ہی آپ کی دشمنی میں سب
سے آگے ہوں گے: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيُكْفِرُوْا
۔ اب ان حالات اور اس پس منظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کرنا ہے! اس کا ذکر
اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ قرآن مجید کی یہ بڑی عجیب آیت ہے۔ عجیب کے لفظ سے کہیں آپ
اور کوئی مفہوم نہ لے لیں۔ عربی میں عجیب کے معنی ہیں۔ بہت دلکش، بڑی پیاری، دل کو
لبھانے والی بات، ہمارے ہاں عجیب و غریب کے مفہوم میں حیرت کا جو مفہوم پایا جاتا ہے
اسے اپنے ذہن سے نکال دیجئے۔

انوکھا ایمان | اس لفظ عجیب پر مجھے ایک حدیث یاد آگئی۔ تصور کیجئے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے
درمیان جلوہ افروز ہیں۔ آپ صحابہ سے سوال فرماتے ہیں کہ "تمہارے نزدیک سب سے
زیادہ اعجاب ایمان کس کا ہے؟" یہ بھی حضور کی تعلیم و تربیت کا ایک انداز ہے۔
عجب ہے عجیب کا اسم تفضیل۔ حضور صحابہ سے دریافت فرما رہے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ تمہارے
خیال میں سب سے زیادہ پیارا، سب سے زیادہ دلکش ایمان کس کا ہے! صحابہ نے کہا
فرشتوں کا۔ حضور نے فرمایا: وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ "وہ
کیسے ایمان نہیں لائیں گے وہ تو اپنے رب کے پاس ہیں"۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ان کے
لئے غیب میں ہوتے ہوئے بھی مشہود ہے۔ وہ ہر لمحہ اور ہر آن تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرتے
ہیں۔ احکام الہی ان کے پاس براہ راست آتے ہیں، جن کی وہ تنقید کرتے ہیں۔ ان کی نگاہوں
کے سامنے حقائق منکشف ہیں۔ وہ ایمان رکھتے ہیں تو کون سا کمال کرتے ہیں! اگر الجہل کے
کے سامنے بھی جہنم لے آئی جائے تو وہ فوراً ایمان لے آئے گا۔ لہذا ان کے ایمان کے عجیب ہونے

کا کوئی سوال نہیں۔ ص ۱۰۰ نے عرض کیا "فالا نبیاء" پھر نبیوں کا ایمان! تو حضور نے فرمایا: وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ "وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے جبکہ وحی ان پر نازل ہوئی ہے" یعنی انبیاء پر اللہ کا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے۔ انہیں غیب کی خبریں دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیوں میں سے کچھ نشانیوں کا ان کو مشاہدہ کرتا ہے۔ لہذا ان کا ایمان عجیب کیسے ہوگا! تیسری بار صحابہ کرام نے ڈرتے ڈرتے ہوئے عرض کیا: فَنَحْنُ - "پھر ہم ہیں"۔ ہمارا ایمان ہے۔ حضور نے فرمایا: وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ۔ "تم کیسے ایمان نہ لاتے جب کہ میں تمہارے باہین موجود ہوں" اب نبی اکرم نے خود جواب دیا۔ اسل بات تو سمجھانا تو وہ تھی وہ یہ کہ اِنَّ اَعَجَبَ اَخْلَقَ اِلٰى اِيْهَانًا يَّا تُؤْنَمِنُ مِنْ بَعْدِي يَجِدُوْنَ صَفْحًا فِيْهِ كِتَابُ اللّٰهِ فَيُؤْمِنُوْنَ بِهَا فِيْهَا "میرے نزدیک سب سے زیادہ دلکش ایمان والے وہ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے۔ ان کو تو ادراقی ملیں گے جن میں اللہ کی کتاب درج ہوگی۔ اور وہ اس پر ایمان لائیں گے" یہ لوگ ہوں گے جن کا ایمان اعجاب ہوگا۔ سب سے دلکش ہوگا۔ اس مقام پر ایک اہم بات سمجھ لیجئے۔ یہاں افضلیت کی بات نہیں ہو رہی۔ دلکش ہونے کی بات ہے۔ افضل ایمان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے پوری امت میں۔ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کا ایمان بھی بڑے سے بڑے ولی اللہ سے افضل ہے یہاں میں نے سمجھانے کے لئے ادنیٰ استعمال کیا ہے ورنہ کسی صحابی کے لئے بھی ادنیٰ کا لفظ مناسب نہیں ہے۔ لہذا یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ افضلیت بالکل حُجُبَات ہے اور یہ شرف صرف صحابہ کرام کو حاصل ہے۔ ایمان کا پیارا ہونا۔ دلکش ہونا بالکل دوسری بات ہے۔ اس کو (CONFUSE) نہ کر لیجئے گا۔ صحابہ کرام کے درمیان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے۔ آپ خود اپنی ذات میں ایک معجزہ ہیں، عظیم ترین معجزہ، لہذا ان کے لئے ایمان لانا آسان تھا ان کی بہ نسبت جو بعد میں آئیں گے اور جو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور نہ جنہوں نے آں جناب کے چہرہ انور کا دیدار کیا۔ اور وہ قرآن مجید کے منبع، سرچشمہ اور نور سے ایمان اخذ کر رہے ہیں تو دلکش ایمان ان کا ہے۔ اس معنی میں، میں نے کہا تھا کہ اگلی آیت نمبر ۵ بڑی دلکش آیت ہے۔

نبی اکرم کی سالت کا فرض منصبی: دعوت اور قیام عدل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے۔ طویل آیت ہے اور اس میں نہایت اہم مضامین جامعیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ لہذا میں آیت کی حصوں میں تشریح و توضیح کروں گا۔ پہلا حصہ ہے:

فَلِذَلِكَ فَادْعُ: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پس آپ اسی کی دعوت دیتے رہیے"

اب آیت کے اس حصے کو سمجھنے کے لئے میری کل کی تقریریں منظر میں لے آئیے۔ میں نے توحید کی دو شاخیں بیان کی تھیں۔ پہلی توحید علمی یا نظری یا توحید فی المعرفۃ یا توحید فی العقیدہ۔ دوسری توحید عملی۔ پھر اس توحید عملی کی بھی دو شاخیں ہیں۔ ایک توحید انفرادی و ذاتی۔ دوسری توحید اجتماعی۔ ذاتی و انفرادی توحید یہ ہے کہ "اللہ ہی کی بندگی اور پرستش کرو اپنی اطاعت کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے: فَاَعْبُدِ اللّٰهَ مَخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ط اَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ" آگاہ رہو اللہ کے لئے تو خالص دین ہی ہے۔ آپ نے انفرادی سطح پر یہ کر لیا تو آپ کی ذات کی حد تک عملی توحید نافذ ہو گئی۔ اب عملی توحید کی دوسری منزل ہے کہ اجتماعی نظام پر بھی اس کو قائم اور نافذ کر دے۔ پورا نظام زندگی اس کا منظر بن جائے کہ لِيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ۔ یہ ہوگی توحید اجتماعی، یہی اقامت دین ہے۔ اسی کا حکم سورہ شوریٰ کی زیر دس پہلی آیت میں آچکا ہے: اَنْ اَقِيْمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔ توحید عملی کے انفرادیت سے اجتماعیت تک پیش رفت کے مابین نقطہء ماسکہ (LINK) کیا ہے؟ وہ ہے دعوت۔ ایک فرد نے ذاتی طور پر توحید اختیار کی تو فطری تقاضا یہ ہوگا کہ وہ اس کی طرف دوسروں کو بلائے۔ دوسروں کو دعوت دے۔ ان کو بھی توحید کی طرف راغب کرے۔ انہیں بھی اللہ کی بندگی کی طرف پکارے۔ پھر جو اس دعوت پر تکیہ کہیں ان کو وہ مجتمع کرے۔ ان کو منظم کرے۔ ان کی تربیت کرے۔ یہاں دعوتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تین مراحل کا ذکر آگیا۔ پھر اس کے لئے لازم ہوگا وہ ان تین مراحل سے گزر کر ایک طاقت فراہم کرے

لے دعوتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے انقلابی پہلو اور ان کے جملہ مراحل کی تفہیم کے لئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور نظام باطل کو تلیٹ کر کے رکھ دے۔ اسے بیخ دین سے اکھیر کر دین اللہ کو قائم کر دے۔ تاکہ اجتماعی توحید کی تکمیل ہو جائے۔ اب انفرادی توحید اور اجتماعی توحید کے درمیان کیا ہے؟ نقطہ ماسکہ کیا ہے؟ وہ ہے دعوت۔ سورہ لہم السجدہ کی آیت نمبر ۳۳ کو ذہن میں رکھئے جس کا ذکر میری کل کی تقریر میں آچکا ہے: **وَمَنْ أَحْسَنُ تَوَلًا قَمَنُ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ** ۵ اور یہاں فرمایا: **فَلِذَلِكَ فَادْعُ** یہاں کلمہ "فا" اور "لام غایت" نے ذلیل سے مل کر اس آیت کو ماسبق آیات سے بھی مربوط کر دیا ہے اور اس پس منظر سے بھی جو اس پوری سورہ شوری کے نزول کے وقت موجود تھا جس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ اس دعوت کا ہدف کیا ہو گا! وہ ہو گا اقامت دین: **أَنِ اتَّبِعُوا الدِّينَ وَلَا تَتَّبِعُوا تَوَلَّيَهُ**۔ اسے نبی! اسی کی دعوت دیجئے کہ اللہ کے دین کو قائم کرو، نافذ کرو، برپا کرو، مجتمع و نظم ہو جاؤ، باطل سے ٹکراؤ اور اس تضاد کے لئے خود کو قربانی اور ایشیا کے لئے تیار کرو۔ **فَلِذَلِكَ فَادْعُ** کی یہ ہوئی تشریح و توضیح آگے چلے فرمایا: **وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ** "اور ڈٹے رہئے" **استقامت کا حکم** | جسے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے؛ آپ کو کیا حکم ہوا تھا۔ وہ قدرے تفصیل سے میری کل کی تقریر میں بیان ہو چکا ہے۔ آج بھی اس کا حوالہ آیا ہے۔ اس کا پھر اعادہ کر لیجئے۔ **وَهُ سَكُمِ يَهَا فَا عُبِدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ط**۔ پھر کیا حکم ہوا تھا! **قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَدَلَّ الْمُسْلِمِينَ ط** پھر کیا حکم ہوا: **قُلِ اللّٰهُ أَشْبَدُ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي ط** کہہ دیجئے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے تو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اس کے فرمان کے سامنے سر جھکاؤں۔ سب سے پہلے میں اس کا فرمان بردار بنوں۔ اور کہہ دیجئے کہ میں تو اپنی اطاعت کو خواص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتا ہوں اور گردن جگا۔ یہاں انشائیہ اسلوب میں آپ سے فرمایا جا رہا ہے: **وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ** "پس آپ ڈٹے رہئے، مستقیم رہئے اس پر جو آپ کو حکم ہوا ہے"۔ یعنی مخالفت تو ہے۔ کوئی

مسلسل محترم ڈاکٹر امجد احمد صاحب کے اس درس قرآن اور خطاب کا مطالعہ ان شاء اللہ نہایت مفید رہے گا۔ جو حال ہی میں "مسلمانوں کے فرائض دینی اور اسوۂ رسول" کے نام سے کتابی شکل میں منصفہ شہد پرائیوٹ - (مرتبہ)

شک نہیں۔ دباؤ پڑ رہا ہے کوئی شک نہیں۔ آپ کے لئے مسائب کے بڑے بڑے طوفان آتے نظر آ رہے ہیں، یہ سب صحیح ہے لیکن آپ نے کھڑے رہنا ہے اور جھے رہنا ہے۔ آپ کی دور کی سورتوں کو دیکھیں گے تو اس استقامت کے لئے آپ کو نظر آئے گا کہ آنحضرت کو بار بار صبر کی تلقین و وصیت کی جا رہی ہے اور اہل جناب کے توسط سے یہ تلقین اہل ایمان کو بھی ہو رہی ہے۔ سورہ مدثر میں فرمایا گیا: **وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ** "اے محمد! اپنے رب کے راستے کی دعوت میں پیش آنیوالی مشکلات پر صبر کیجئے" سورہ احقاف میں فرمایا گیا: **فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعِزْمِ مِنْ الرَّسُولِ** "صبر کیجئے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے ہمارے اولوالعزم پیغمبر کرتے آئے ہیں" سورہ نحل میں فرمایا گیا: **وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ** "اے محمد! صبر کیجئے اور آپ کا سہارا بس اللہ ہی ہے" یعنی صبر کے لئے بھی کوئی سہارا درکار ہے تو آپ کا سہارا ہم خود ہیں۔ آپ کے صبر کی بنیاد ہم سے تعلق اور محبت ہے۔ سورہ قلم میں فرمایا گیا: **فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ** "اے محمد! پس صبر کیجئے اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے" مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے گا۔ یہاں صاحب الحوت سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے ذرا جلدی کی تھی۔ عجلت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ معاذ اللہ کسی گناہ کا کوئی سوال نہیں، کسی نبی سے کسی گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا۔ ہوا یہ تھا کہ دین کی حمیت و غیرت اتنی غالب آگئی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کئے بغیر اپنی قوم سے ان کے کفر پر اڑے رہنے کے باعث متنفر اور مایوس ہو کر اس قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ یہاں یہ فرمایا گیا کہ ایسا نہ کیجئے گا سورہ مزمل میں فرمایا گیا: **وَاصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ وَاَهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا** "اے نبی! صبر کیجئے اس پر جو کچھ یہ مشرکین کہہ رہے ہیں اور ان سے بہتر اور اسن طریق سے کنارہ کشی اختیار کیجئے" نقل کفر کفر نہ باشد، دعوت توحید پیش کرنے کے نتیجے میں مشرکین میں سے کوئی پاگل کہہ رہا ہے، کوئی کہہ رہا ہے کہ وہ ماغ خراب ہو گیا ہے، کوئی شاعر کہہ رہا ہے، کوئی ساحر کہہ رہا ہے اور کوئی کہہ رہا ہے کہ ساحر نہیں بلکہ مسحور ہیں، ان پر کسی نے جادو کر رکھا ہے۔ یہ اس جادو کے زیر اثر ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ بھی نہیں ہے، اسباب ردہ ہیں ان پر کوئی جن آگیا ہے یہ مجنون ہیں۔ یہ ساری باتیں سن رہے ہیں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حکم ہو رہا ہے کہ صبر کیجئے اس پر کہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں: **وَاصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ**۔ پھر آنحضرت کو تسلی اور تشفی بھی دی جا رہی ہے۔ سورہ قلم میں فرمایا گیا: **وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ مَا اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ وَاِنَّ لَكَ لَاجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ وَاِنَّكَ لَعَلٰی**

خَلَقَ عَظِيمٌ ۝ " ن - قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں آپ اپنے رب کے فضل سے
مجنون نہیں ہیں۔ اور یقیناً آپ کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے اور (اے نبی!) تحقیق آپ اخلاق
کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہیں۔ لہذا ان مشرکین کی باتوں کا اثر نہ لیجئے۔

یہ ہے سارا پس منظر جس میں حضور سے فرمایا جا رہا ہے: وَاسْتَقِيمُ كَمَا أُمِرْتَ ۚ
دباؤ کتنا ہی سخت ہو، مخالفت کتنی ہی شدید ہو، استہزاء اور تمسخر کتنا ہی دل آزار اور اذیت ناک ہو
حالات کتنے ہی ناموافق و نامساعد ہوں ماحول کتنا ہی ناسازگار ہو، اے نبی! آپ کو عبادتِ رب
دعوتِ الی اللہ اور اقامتِ دین کی جہد و سعی اور جہد و جہاد کا جو حکم ہوا ہے، اس پر جھکے رہیے،
ڈٹے رہیے۔ نوٹ کیجئے گا کہ سورہ حم السجده کی جو آیت دعوتِ الی اللہ کے ضمن میں، میں نے کل
آپ کو سنائی تھی، اس سے دو آیات پہلے والی آیت نمبر ۳۰ میں استقامت کا ذکر آچکا ہے۔ فرمایا:
إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا
وَلَا تَحْزَنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَلَا يَأْتِيكُمُ الْمَوْتُ مِنْ أَيْنَ تَشَاءُونَ ۝ میں کہا کرتا ہوں کہ اس لفظ
استقامت میں قیامت پوشیدہ اور مضمر ہے۔ کہو کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اس پر چٹان کی مانند جم
جاؤ۔ اب کوئی طوفان کتنا ہی سخت اور شدید آئے تمہارے قدموں میں جنبش اور لغزش پیدا نہ
کر سکے۔ لہذا قولی اور عملی ہر نوع کی مخالفت کو اے محمد! آپ بھیلئے۔ وَاسْتَقِيمُ كَمَا أُمِرْتَ ۚ

مصالحانہ رویہ کی ممانعت

اس آیت کا اگلا حصہ ہے، فرمایا:

وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ هُمْ

" اور (اے نبی!) ان (مشرکوں اور کافروں) کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے؛

دباؤ کی ایک صورت یہ بھی ہوئی ہے کہ قریش کے مشرک سرداروں نے جب یہ محسوس کیا کہ اس
دعوتِ توحید کو روکنے میں ہر نوع کے استہزاء و تمسخر اور شدید جوہر و ستم کے باوجود ان کی کوششیں
کامیاب نہیں ہو رہیں اور وہ نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ توحید سے روک سکے ہیں نہ ان کے
مقام سعید لوگوں کو دعوت قبول کرنے سے باز رکھ سکے اور نہ ہی دعوت قبول کرنے والے کسی شخص کو
مصائب سے ہراساں کر کے دین چھوڑنے پر آمادہ کر سکے تو مشرکین کی طرف سے نبی اکرم کے پاس
سفارتیں اور پیش کشیں آنی شروع ہو گئیں اور آپ کے سامنے مصالحت کا یہ فارمولا پیش کیا جانے لگا

کہ کچھ ہم آپ کی بات مان لیتے ہیں کچھ آپ ہماری بات مان لیں۔ سورہ قلم میں آغاز ہی میں یہ فرمادیا گیا تھا کہ: فَلَا تَطِيعُ الْمُكْذِبِينَ ۝ وَذُالْوَلْوَالِ تُذْهِنُ فَيَذْهَبُونَ ۝ ”پس اسے نبی! آپ ان جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آئیں یہ تو چاہتے ہیں کہ آپ کچھ ڈھیلے پڑیں، کچھ مددانت کریں تو یہ بھی ڈھیلے پڑیں اور مددانت کا رویہ اختیار کر لیں“ انہوں نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ آپ کے قدموں میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی یہ پورا زور لگا کر بھی ان کو پیچھے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اب یہ چاہتے ہیں کہ مصالحت ہو جائے، کچھ مان لیجئے کچھ منوالیجئے (GIVE & TAKE) کا معاملہ کیجئے۔ کچھ دیجئے کچھ لیجئے۔ ہماری بھی تو ناک رہ جائے۔ ہماری بھی کچھ عزت رہ جائے۔ ساری کی ساری بات آپ کی مان لی جائے یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ کو پیش کش کی گئی کہ اگر اس دعوت توحید کے ذریعے آپ کو دولت و درکار ہے تو اشارہ کر دیجئے ہم دولت کے انبار آپ نے فندوں میں لگا دیں گے۔ اگر آپ اقتدار چاہتے ہوں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ کسی خاص خاتون سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتے ہوں تو اشارہ کر دیجئے وہاں نکاح ہو جائے گا۔ یہ ہونا ہے دام ہم رنگ زمیں۔ اللہ کی طرف بلانے والا اللہ کا بندہ شدید مشکلات اور مصائب میں گھرا ہوا ہے۔ حالات اتنے نامساعد اور ناموافق ہیں کہ بظاہر کہیں راستہ نکلتا نظر نہیں آ رہا۔ ان حالات کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے جس سے اس وقت اس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان دوچار ہیں۔ اس وقت ایسی ایسی پیش کشیں آتی ہیں تو نفس تو کہتا ہے کہ قبول کر دو۔ چلو اس وقت یہ سونی صد نہیں مانتے، پچاس فی صد مانتے کے لئے تیار ہیں، اسی کو غنیمت سمجھ کر مصالحت کرنی جائے۔ رفتہ رفتہ ان کو رام کر لیا جائے گا اور پورے دین پر عمل پیرا ہونے کے لئے ان کو آمادہ کر لیا جائے گا۔ لیکن حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ نہیں۔ ڈٹے رہو۔ دین گل کا گل قبول کریں تو ٹھیک ہے۔ جزوی دین، دین بے ہی نہیں۔ اسی لئے یہاں فرمایا گیا: **وَاسْتَقْبِرْ كَمَا أَمَرْتُ ۚ وَلَا تَبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ ۚ** ان ہی احکام الہی کے پیش نظر مشرکین کی دام ہم رنگ زمیں پیش کشوں اور قتل کرنے کی دھمکیوں کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے جو تاریخ میں اب زبر سے لکھے جائیں تو بھی اس جواب کی شان کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ آپ نے مشرکین کو جواب دیا:

”اگر تم میرے واسطے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دو تب بھی میں اس دعوت سے باز نہیں آسکتا۔ یا تو میں اس دعوت کی تبلیغ میں اپنی جان دیدوں گا

یا اللہ اس کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے گا۔

یہ تھی اس حکم کی عمل اور قول میں تعمیل کہ فَلِذَلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ؟ علامہ اقبال نے اس بات کو بڑی خوبصورتی سے اس شعر میں ادا کیا

ہے

باطل دولی پسند ہے حق لاشریک ہے شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول!

نوٹ کیجئے کہ یہی صورت حال مدینہ منورہ میں بھی پیش آگئی تھی۔ وہاں بھی یہود کے علماء کا مطالبہ یہی تھا کہ کچھ لیجئے کچھ دیجئے۔ کچھ ہماری باتیں مانئے کچھ ہم آپ کی باتیں مان لیں گے۔ اسی پس منظر میں سورہ بقرہ میں جو مدنی سورت ہے فرمایا گیا: وَلَئِنْ تَرَضَيْتُمْ لِحُكْمِ الرَّسُولِ لَدُنَّ

النَّبِيِّ حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ۔ اے نبی! یہ یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز رہنمی نہیں ہوں

گے جب تک آپ ان کی ملت (طور طریقوں) کا اتباع نہ کریں! یہ تو اپنے تعصب اور اپنی عصبیت

کی وجہ سے اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں۔ یہ آپ سے کبھی راضی نہ ہوں گے۔ آپ اگر نہیں

کچھ رعایتیں دینے پر آمادہ ہو جائیں تب بھی یہ آپ کی بات نہیں مانیں گے۔ اصل مسئلہ تو ہے دینی

قیادت کا۔ آپ ان کے پیچھے چلیں تب یہ خوش ہوں گے۔ یہ اہل کتاب اچھی طرح جانتے تھے

کہ آپ بحیثیت رسول دین کے معاملہ میں کسی مصالحت کے لئے تیار ہی نہیں ہو سکتے تھے اس

لئے ان کی مصالحتانہ پیشکش بھی اخلاص و خلوص پر مبنی نہیں ہوتی تھی بلکہ اس لئے ہوتی تھی کہ

اپنے عوام اور حلقہ اثر کو یہ مغالطہ دیں کہ ہم تو مصالحت کی برابر کوشش اور پیشکش کر رہے ہیں لیکن

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی اپنے موقف پر بند ہیں۔ قرآن حکیم نے ان اہل کتاب کے لفاق کو

مختلف اسالیب سے فاش کیا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۸۸ طویل آیتوں میں سے ایک

ہے۔ اس میں پہلے تو ان اہل کتاب کے ان جرائم کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ اپنی کتاب اور اپنی شریعت

کی خلاف ورزیوں کے طور پر کرتے تھے۔ جو کام خود ان کی شریعت میں حرام تھے ان کا ارتکاب

کرتے تھے پھر بھی اس بات کے دعوے داتے تھے کہ ہم شریعت موسوی پر کار بند ہیں۔ اس پر کمال

ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے چند جرائم گنوا کر فرمایا گیا:

أَفْتَوْا مِنْ بَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا

جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ

”تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ

إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ
أَسَدِّ الْعَذَابِ وَمَا لِلَّهِ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

ایسا کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے
کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر
رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب
کی طرف پھیر دیے جائیں۔ اللہ ان حرکات

سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔“

آیت کا یہ حصہ یہود کے اس طرز عمل کی مکمل عکاسی ہے جو انہوں نے اللہ کی شریعت کو
حسٹوں میں تقسیم کر کے اختیار کیا ہوا تھا۔ وہ اس جرم کا ارتکاب کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی
نازل کردہ شریعت کے کچھ حصوں پر عمل کرتے تھے اور کچھ حصوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ یا ان کے
بالکل خلاف عمل کرتے تھے۔ گویا ان کی اطاعت و خلوص سے خالی تھی۔ اس میں ملاوٹ شامل
ہو گئی تھی۔ اس میں نفس کی چاہت اور خواہشات کی پیروی کی آمیزش ہو گئی تھی۔ اس طرز عمل
میں آیت کے اس حصے میں جو سخت وعید آئی ہے وہ لڑا دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین
شریعت کے ساتھ جو بھی یہ معاملہ کرے گا کہ ایک طرف اللہ کی توحید، اس کی کتاب اور اس
کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائے گا دعویٰ ہو، دوسری طرف اس کے دین اور اس
کی شریعت کے ساتھ یہ معاملہ ہو کہ کچھ حصے پر عمل ہو اور کچھ حصہ کو چھوڑ دیا جائے یا اس کے
برخلاف عمل کیا جائے تو اس امت کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ وہی معاملہ کرے گا جو سابقہ
امت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّةِ
اللَّهِ تَحْوِيلًا ۝ آج ہم بحیثیت امت دنیا میں ذلیل و خوار ہیں۔ ہمارا کوئی دقار نہیں، ہمارا
کوئی وقعت نہیں۔ یہ نقد سزا ہے جو ہم کو دنیا میں مل رہی ہے اس جسم کی کہ ہم نے بھی
یہود کی طرح دین و شریعت کو اجزا میں تقسیم کر رکھا ہے۔ مسجدوں میں تو اللہ کا حکم چلے اور
عدالتوں میں، اسمبلیوں میں، معاشیات میں، معاشرت میں ملک کے مجموعی اور اجتماعی
نظام میں اللہ کے احکام بے دخل رہیں۔ ان چند جملہ ہائے معترضہ کے بعد اصل مضمون کی
طرف آئیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ فَلِذَلِكَ فَادْعُ سَتَقِمُّوكُمَا
أَمْرًا ۝ اور منع فرمایا جا رہا ہے کہ ان منکرین حق کی خواہشات کی ہرگز پیروی نہ کیجئے گا۔ دراصل
اس اسلوب میں ان کفار اور مشرکین کو متنبہ کرنا مقصود ہے کہ تم ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
سے یہ توقعات نہ رکھو کہ وہ تمہاری خواہشات کی پیروی کریں گے۔ یہ سب مفاہیم و معانی

آیت کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں سموئے ہوئے ہیں کہ: **رَلَا تَتَّبِعُ اَهْوَاءَهُمْ**؟

ایمان بالکتاب

آگے چلے اور قرآن مجید کا یہ اعجاز دیکھئے کہ وہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں نہایت جامعیت کے ساتھ نہایت اہم مضامین و موضوعات کا احاطہ کر لیتا ہے۔ کوزے میں سمندر بند کرنے کا محاورہ اگر صدنی صدر راست آتا ہے تو وہ قرآن مجید کی ہر آیت پر راست آتا ہے۔ اب اسی آیت کا اگلا حصہ پڑھئے اور دیکھئے کہ ایک بات ڈنکے کی چوٹ کہنے کا نبی اکرم کو کم ہو رہا ہے۔ فرمایا:

رَقُلْ اٰمَنْتَ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ ج

"اور بڑے نبی! کہہ دیجئے کہ میں تو ایمان رکھتا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے" یہاں توقف کر کے پہلے "مِنْ كِتَابٍ" کی کچھ شرح سمجھ لیجئے۔ تفصیل کے لئے وقت نہیں لہذا اشارت ہی پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ یہاں "مِنْ كِتَابٍ" فرما کر یہ بات واضح کی گئی ہے کہ نبی اکرم صرف قرآن کریم ہی کو منزل من اللہ تسلیم نہیں فرماتے تھے بلکہ ہر آسمانی کتاب کو ماننے کا اقرار فرماتے تھے۔ **الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ**۔ اللہ اسی بات کو سورہ بقرہ کے آخری رکوع میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے: **اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّهُمْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ** "ہمارے یہ رسول (محمد ﷺ) اس ہدایت یعنی قرآن پر ایمان لائے ہیں جو ان کے رب کی جانب سے ان پر نازل کی گئی ہے اور وہ بھی ایمان رکھتے ہیں جنہوں نے ہمارے رسول کی تصدیق کی ہے۔ یہ سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی طرف سے نازل کردہ تمام کتابوں پر اور اس کی طرف سے مبعوث کئے جانے والے تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں" اور ہمارے رسول اور ان کے اصحاب کا قول یہ ہے: **لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ** "ہم اللہ کے رسولوں کے مابین تفریق نہیں کرتے" مطلب یہ ہوا کہ تو رات، زبور، انجیل اور دوسرے صحیفے جو بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ان سب پر بھی اور قرآن پر بھی ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ قرآن مجید درحقیقت تمام آسمانی کتابوں کا مہمین و مصدق ہے۔ پہلی کتابیں محرف ہو گئیں، صحیفے گم ہو گئے۔ قرآن ان سب کا جامع ہے اور تا قیام قیامت محفوظ رہے گا۔ چونکہ حضور خاتم النبیین المرسلین

إِنْ عَصَيْتُ رَّبِّيَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (آیت عہا)
 کے اتباع پر مامور ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے ہولناک عذاب کا خوف ہے،

”یعنی اگر یہ باتیں میں اپنے جی سے کہہ رہا ہوتا۔ یہ میرے اپنے نظریات ہوتے۔ میرا اپنا کوئی پروگرام ہوتا۔ کوئی پارٹی منشور ہوتا جس کو چند لوگوں کی مشاورت سے بنایا گیا ہوتا تو میں اس میں ترمیم و تنسیخ کر سکتا تھا۔ کوئی رد و بدل ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ اللہ کا کلام ہے اس کے فرامین ہیں جو میں تمہیں پڑھ کر سنا رہا ہوں۔“ میں آپ کو کھل کی تقریر میں سورہ زمر کی یہ آیت سنا چکا ہوں: **وَأَمْرٌ إِنَّ الْكُفْرَ أَزْلَ الْمُسْلِمِينَ** ۝ مجھے تو حکم ملا ہے کہ اللہ کا پہلا فرمانبردار میں خود بنوں۔ چنانچہ اللہ کے احکام کے سامنے سر جھکانے والا اور اس کی تابعداری کرنے والا سب سے پہلے میں خود ہوں۔ اس لئے میرے لئے یہ کہاں ممکن ہے کہ قرآن مجید میں کوئی تبدیلی کر سکوں۔ **مَعَاذَ اللَّهِ ثُمَّ مَعَاذَ اللَّهِ**۔ یہی تو بات تھی کہ اسی سورہ زمر کے آخر میں کس قدر جلالی انداز ہے کہ: **قُلْ أَغْيَرُ اللَّهُ قَائِمٌ رُبِّيَ أَسْبَدُ ابْنًا الْجَاهِلُونَ** ۝ اے نبی اکہد بچے کہ جاوے! کیا تم مجھے بھی حکم اور مشورہ دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی اور پرستش شروع کر دوں۔ اے حرم و ہوا کے بندو! مجھے اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ مجھے مسلماتوں کے راستے نہ دکھاؤ۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ کی بندگی کے سوا کوئی اور راستہ اختیار کروں۔ مجھے تو حکم ملا ہے: **بَلِ اللَّهِ فَاغْبُدْ ذِكْرٌ مِّنَ الشُّكْرِينَ** ۝ میں اللہ ہی کی بندگی اور پرستش کرتا رہوں اور اس کے شکر گزار بندوں میں شامل رہوں۔ وہی حکم یہاں ہے کہ: **قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ** ۝

نظام عدل و قسط کا قیام

اب آگے اس آیت کریمہ کا نہایت ہی اہم حصہ آ رہا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ سورہ شوریٰ کی آیت عہا طویل آیات میں سے ایک ہے اور اس آیت کے ہر حصہ میں معانی و مفہام کے سمندر پنہاں ہیں۔ اب اگلے حصہ پر توجہات کو مرکزی کیجئے فرمایا:

وَأْمْرٌ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ط

”اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں“

یہ حصہ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی صحیح تفسیر و تعبیر

یہ ہے کہ "دین اللہ" درحقیقت اجتماعی نظام عدل و قسط ہے۔ دین اللہ قائم کرنے کا مقصد کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ انسانوں کے مابین عدل و قسط اور انصاف کا نظام قائم و نافذ ہو۔ تمدن کی جو بھی پیدائش اور اونچ نیچ ہے، ان سب کو رفع کر کے ایک مبنی بر انصاف نظام قائم ہو، معاشرے کے کسی فرد کے بھی حقوق تلف نہ ہوں۔ معاشرے کا کوئی طبقہ کسی دوسرے طبقہ کا استحصال نہ کر سکے۔ عورت اور مرد کے درمیان توازن ہو اور مبنی بر انصاف توازن ہو۔ سرمایہ اور محنت کے درمیان توازن ہو اور مبنی بر قسط و عدل توازن ہو۔ فرد اور معاشرے کے درمیان توازن ہو اور یہ توازن بھی عدل و قسط پر مبنی ہو۔ ان تمام اعتبارات سے عدل و قسط قائم کرنا ہی شریعت کا منشا و مدعا ہے اس بات کو مزید سمجھنے کے لئے سورہ حدید کی پچیسویں آیت دیکھئے جس کے آغاز میں فرمایا:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ "بلاشبہ اور بالتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو بیانات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ عدل و قسط پر قائم ہو جائیں" قرآن حکیم کی یہ بڑی مہتمم بالشان آیتوں میں سے ایک ہے۔ اس میں رسولوں کی بعثت اور ان کو معجزات اور واضح روشن دلائل دیئے جانے کا مقصد بھی بیان ہوا ہے اور کتب نیز ساتھ ہی میزان یعنی شریعت کے نزول کی غایت بھی واضح طور پر بیان کر دی گئی ہے۔ ان تمام کی غرض و غایت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ بنی نوع انسان عدل و قسط پر قائم ہوں۔ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ایک ایسا اجتماعی نظام حیات نافذ اور جاری و ساری ہو جو مبنی بر عدل و قسط اور انصاف ہو۔ جس پر کاربند ہو کر کوئی کسی کا خون نہ چوسے، کوئی کسی کا استحصال نہ کرے۔ کوئی کسی کو ناجائز طور پر دبائے نہیں۔ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے، کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ کوئی کسی پر جو رستم اور دست درازی نہ کرے۔ لہذا صرف دین اللہ اور میزان یعنی شریعت الہی کے ذریعے انسان کو وہ معیار حق و باطل مل سکتا ہے جو ٹھیک ٹھیک تول کر بتا دے کہ انسانی معاشرے میں حقوق و فرائض کا توازن کیا ہے! نظریات و افکار میں حق کیا ہے! باطل کیا ہے! اخلاق و معاشرت میں طہارت و پاکیزگی کے معیارات کیا ہیں! یہی نظام متعین کرتا ہے کہ عبودیت و معبود کے درمیان صحیح تعلق کی اساسات کیا ہیں! اس حیات دنیوی کا آخرت کی ابدی زندگی سے ربط و تعلق کیا ہے!

اظہار دین الحق | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ نماٹے عرب میں بنفس نفیس بالفعل
 دین اللہ قائم، غالب اور نافذ کر کے دکھا دیا۔ خلافت راشدہ میں
 اسی نظام عدل و قسط کے مزید خدو خال نمایاں ہوئے۔ اسی لٹے اسے خلافت علی المنہاج لنبوہ
 کہا جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر جب بیعت خلافت ہوئی تو
 آپ نے جو پہلا خطبہ دیا یعنی (POLICY STATEMENT) کا اعلان کیا تو اس

میں اسی عدل و قسط کے نظام کی وضاحت میں فرمایا کہ اے لوگو! میرے نزدیک تم سے ہر
 قوی کمزور ہوگا جب تک کہ میں اس سے حق وصول نہ کر لوں اور ہر کمزور میرے نزدیک قوی
 ہوگا جب تک کہ اس کا حق اسے دلوانہ دوں۔ پھر یاد کیجئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر کیا ارشاد فرمایا تھا جب اسلام کے نظام عدل و قسط کا جھنڈا عرب
 و عجم اور شمالی افریقہ کے وسیع علاقوں پر لہرانے لگا تھا اور اللہ کا کلمہ ہی سب سے بلند ہو گیا تھا
 کہ 'عمر کو یہ اندیشہ مضطرب اور بے چین کئے رکھتا ہے کہ اگر کوئی کتا بھوک سے عراق میں ہلاک
 ہو گیا تو آخرت میں مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی۔ مجھ سے جو اب طلبی کی جائے گی۔
 جس نظام عدل و قسط میں اس کا سربراہ بھوک سے ایک گتے کے ہلاک ہو جانے پر خوفزدہ
 اور ہراساں رہتا ہو، اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ انسان کے حقوق کی عدل و انصاف کے
 ساتھ پاسداری اور ادائیگی کا اس نظام میں کیا مقام ہوگا!!۔ یہاں ایک اور بات
 نوٹ کر لیجئے جس کو میں پہلے بھی اپنے دروس میں کئی بار بیان کر چکا ہوں کہ قرآن حکیم کا
 یہ اسلوب ہے کہ اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور بیان ہوتے ہیں۔ سورہ حدید میں تو تمام
 رسولوں کے ساتھ کتابوں اور میزان کے نازل فرمانے کی غایت اور اس کا مقصد بیان فرمایا
 گیا کہ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ آگے آپ دیکھیں گے کہ اسی سورہ شوریٰ کی سترھویں
 آیت میں نبی اکرم پر کتاب یعنی قرآن اور میزان یعنی شریعت کے نزول کا ذکر موجود ہے :
 اَللّٰهُ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِيزَانَ ط لہ

لہ سورہ شوریٰ کی آیت زیر درسیں میں تو حضور سے کہلویا جا رہا ہے کہ 'وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ'
 سورہ نسا کی آیت نمبر ۵۸ میں تمام اہل ایمان سے فرمایا گیا: وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ
 تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (اے مسلمانو!) جب بھی تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل
 (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پس یہ دین اللہ، یہ شریعت، یہ میزان درحقیقت نظام عدل و قسط ہے۔ یہ عادلانہ و منصفانہ اجتماعی نظام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو عطا فرماتا رہا۔ اور جس کا اکمال و اتمام ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر: **الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ وَ بَيَّنَّا طَ اَجْرَ اَعْمَلِكُمْ** یعنی نبی اکرم کے توسط سے آپ کے زمانہ بعثت میں، میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام بطور دین (نظام حیات) قبول کر لیا ہے۔

یہاں پر **وَ اَمْرٌ لِّاَعْدَائِكُمْ** کسی واعظ اور رسول کی دعوت کا فرق کے ضمن میں ایک بات اور سمجھ لیجئے۔ یہ بھی

اہم اور ضروری بات ہے ایک ہوتا ہے واعظ۔ واعظ کہا اور اگلی منزل۔ اگر کوئی پیشہ در واعظ ہے تو اس کا اصل مقصود و مطلوب یہ ہوتا ہے کہ اس کے واعظ کی دھوم ہو، اس کے زور و خطرات کی سامعین داد دیں، جہاں جائے لوگ نعروں سے استقبال کریں۔ وہاں گلے میں ہار پڑیں عمدہ سے عمدہ کھانا ملے، بطور نذرانہ خدمت ہو جائے پھر اگلی منزل ہے۔ وہاں بھی واعظ کہا۔ مطلوب حاصل کیا پھر اگلی منزل ہے۔ ایک وہ ہے جو کھڑا ہو جاتا ہے اور منادی کرتا ہے کہ میں واعظ کہنے نہیں آیا نظام عدل و قسط قائم کرنے آیا ہوں۔ **وَ اَمْرٌ لِّاَعْدَائِكُمْ**۔ اب تو زمین و آسمان کا فرق واقع ہو گیا۔ ناجائز طور سے کمائی کرنے والے اور حرام خوری کرنے والے لوگ اپنی حرام اور ناجائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت میں سے کسی واعظ کو کچھ نذرانے کے طور پر دے دیں۔ خوب مرغن کھانا کھلا دیں، ان کا کچھ نہیں بگڑتا نظام وہی رہے گا، نظام پر کوئی آنچ نہیں آنی چاہیے۔ ہمارے ظالمانہ نظام، ہمارے تشدد ہمارے استحصال، ہمارے دباؤ، ہمارے مشرکانہ یا بتدعانہ عقائد، ہمارے جاہلیت پر مبنی رسم و رواج اور ہماری حرام خوردیوں پر آنچ نہیں آنی چاہیے۔ ان پر نگیر نہ ہو، ان کو

(مسلسل) کے ساتھ کہو۔ اسی طرح سورہ نحل کی آیت کے آغاز میں نہایت تاکید سے اسلوب سے فرمایا گیا: **اِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ** — ”اے مسلمانو! اللہ تمہیں عدل اور بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔“ (مرتب)

چیلنج نہ کیا جائے۔ نذرانے لے لو، چڑھا دو۔ چڑھا لو، کوئی اور خدمت ہے تو بتاؤ، حاضر ہیں۔ چندے لینے ہیں، حاضر ہیں۔ لیکن ہمارے نظام کو مت چھیڑنا۔ لیکن جہاں بات یہ آجائے کہ اُمُوتٍ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ۔ میں صرف وعظ کہتے نہیں آیا ہوں میں نظام عدل و قسط قائم کرنے آیا ہوں۔ میں مامور من اللہ ہوں۔ مجھے تو اس کا حکم ملا ہے۔ لہذا جو لوگوں کا طرح طرح سے خون چوس رہے ہیں وہ تو مخالفت کریں گے۔ جن کے مفادات پر زد پڑتی ہو، آنچ آتی ہو وہ کسی طور اس کو برداشت نہیں کر سکتے کہ ایک غلط اور ظالمانہ نظام کا جو ناجائز انتفاع ہے جو (VESTED INTEREST) ہے وہ ختم ہو جائے۔ یہ بات ان کے لئے ہرگز قابل قبول نہیں ہوگی۔ وہ اس سے کبھی بھی دست بردار ہونے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے۔ (THEY CANT TAKE IT LYING DOWN) کہ وہ آپ کو

موقع دے دیں (WALK OVER) دے دیں کہ چلئے آپ نظام عدل و قسط قائم کر دیں۔ وہ تو مزاحمت کریں گے، مخالفت کریں گے، اس دعوت کو کچلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔ عدل قائم کرنے کا کیا مطلب ہے؟ یہی کہ جن لوگوں کو ناجائز مراعات حاصل ہیں، وہ ان سے چھین لی جائیں۔ لہذا اب تصادم ہوگا، اب لڑائی ہوگی، اب مقابلہ ہوگا، اب حزب اللہ اور حزب الشیطان آمنے سامنے آئیں گے۔ اب مقاتلہ طے کرے گا کہ کون اپنے موقف میں سچا اور مخلص تھا۔ کون اس کے لئے کتنی قربانیاں دینے کے لئے تیار تھا! اب تو فیصلہ اس طور پر ہوگا۔ پس یہ چیزیں بڑی مختلف ہیں۔ ایک وعظ کی بات ہے، عقیدے کی دعوت ہے، اس کی تبلیغ ہو رہی ہے جیسے عیسائی مشنریز۔ نظام سے ان کو کوئی غرض نہیں، کوئی تعرض نہیں، اس پر کوئی تنقید و نکیر نہیں، تمہارا جو نظام ہے رکھو۔ بلو کیت ہے تو رہے ہمیں اس سے کیا لینا ہے۔ کوئی قوم دوسری قوم پر مستبدانہ طور پر مسلط ہے تو ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمیں تو اپنے عقیدے کو پھیلانا ہے۔ وہ بھی اکثر و بیشتر سے پھیلایا جاتا ہے کہ معاشرے کے گہرے پڑے طبقات میں کہیں دودھ اور گھی کے ڈبے بانٹ دیئے کہیں بسکٹ اور اسی نوع کی چیزیں تقسیم کر دیں۔ کہیں ان کے علاج و معالجہ کے لئے ہسپتال قائم کر دیئے۔ کہیں ان کی تعلیم کے لئے مشنریز اسکول اور کالج کا انتظام کر دیا۔ ان طور پر لقیوں سے ان کے ذہنوں میں اپنا عقیدہ دخل کر دیا۔ باقی اللہ اللہ خیر صلا۔ ان کے پاس نہ کوئی نظام ہے نہ شریعت۔ محض عقیدہ

سے یا چند رسوم (RITUALS) ہیں۔ ان کا کام اس پر ختم ہو جاتا ہے کہ پہلے کسی کا ناہ عنایت اللہ یا کرشن چندر تھا تو ان کے نام عنایت مسیح اور کرشن مسیح میں تبدیل کرادیئے اور مردم شماری میں ان کا نام و مذہب بدلوا کر ان لوگوں کو مطمئن کر دیا جو اوپر بیٹھے اس کام کے لئے اربوں ڈالر سے بھی زیادہ رقم کے سالانہ بجٹ فراہم کرتے ہیں۔ تو یہ تبلیغ انقلابی تبلیغ نہیں ہے۔ انقلابی تبلیغ تو وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ آنحضرت ﷺ نے کی چوٹ اعلان فرمایا: **رَأْمِيَتْ لِعَدْلٍ بَيْنَكُمْ**۔ میں تمہارے مابین عدل قائم کرنے آیا ہوں۔ میں مامور من اللہ ہوں۔ میری بعثت کا تکمیلی مقصد یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین اور میزان، (شرعیات) اللہ کا نازل کردہ وہ نظام عدل و قسط بالفعل قائم کر دوں کہ جس سے حق دار کو اس کا مکمل حق مل جائے، حق بحق دار سید! کوئی شخص اور کوئی صبتہ کسی کے حقوق پر دست درازی نہ کر سکے۔ کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے جو ظالم کا ہاتھ بکڑے اور مظلوم کی وادری کرے۔ وہ نظام جو عدوان، جو زور، ظلم اور استحصال سے پاک و صاف نظام ہو۔ میں محض واعظ بن کر نہیں آیا ہوں۔ آیت کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں دعوت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا انقلابی پہلو کو زور سے میں سمندر کی مانند سمویا ہوا ہے۔ سیرت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ انقلابی پہلو عموماً لوگوں کی نگاہوں کے سامنے نہیں ہے۔ حالانکہ آنحضرت کی بعثت کی امتیازی شان ہی اللہ کی کبریائی، اس کی حاکمیت پر مبنی نظام عدل و قسط کا قیام اور اس کا غلبہ ہے۔ بالکل آغاز ہی میں آں حضور ﷺ اس منصب پر فائز فرمائے گئے تھے۔ سورہ مدثر کی ابتدائی تین آیات ذہن میں لائیے جو اکثر مفسرین کے نزدیک تیسری وحی ہے: **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ هُمْ فَأَنْذِرْهُ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ** یہی بات سورہ فتح، سورہ توبہ اور سورہ صف میں بایں الفاظ میں بار بار فرمائی گئی: **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ** دنیا میں جو بھی نظام ہائے اطاعت رائج ہیں ان سب پر اللہ کے دین کو غالب کرنا آنحضرت کا فرض منصبی ہے اپنی حیات طیبہ میں آپ نے نفس نفیس جزیرہ نمائے عرب میں بالفعل یہ نظام قائم کر کے اور چلا کے دکھایا۔ اسی انقلابی نظریہ اور دین کو خلافت راشدہ نے اس وقت کی معلوم و مہذب دنیا کے بڑے حصہ پر غالب کر دیا۔ اسی بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت زیر مطالعہ

کے اس حصہ میں کہلوا یا گیا ہے :

وَأْمُرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ

حجّت بازی سے کنارہ کشی کا اصل الاصول

اگے چلئے۔ ابھی آیت نمبر ۱۵ ہی چل رہی ہے۔ جس میں پہلے حضور سے فرمایا گیا کہ
فَلِذَلِكَ فَادُّعِ۔ یعنی مشرکین کی شدید ترین مزاحمت اور اہل کتاب کی بدترین مخالفت
کے باوجود آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت پر یعنی اقامتِ دین کی دعوت دیتے رہیے۔ ان
معاذین کی طرف سے جو تشدد اور تعدی ہو رہی ہے اس پر صبر کیجئے اور اپنے موقف پر مستقیم
رہئے۔ جسے رہئے۔ ان کی خواہشات کی قطعی پرواہ نہ کیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ میں تو
اس کتاب پر ایمان رکھتا ہوں جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور کہہ دیجئے کہ وَأْمُرْتُ لِأَعْدِلَ
بَيْنَكُمُ : اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔ اگے آں حضور کو
جو کہنے کا حکم آ رہا ہے اس حصہ کا بھی تعلق " قتل " سے ہے :

اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا
وَبَيْنَكُمُ ۗ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۗ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۗ

ہمارے نبی کہہ دیجئے، اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے
لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ ہمارے درمیان کوئی حجّت بازی اور کوئی
جھگڑا نہیں۔ اللہ ہم سب کو ایک روز جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔
یہ بات کس سے کہی جا رہی ہے! مشرکین سے بھی اور خاص طور پر اہل کتاب سے جن کا ذکر
ما قبل آیت میں آچکا ہے۔ لہذا قریب تر وہ ہی ہیں۔ ویسے بھی توحید کے وہ مقرر
نبوت و رسالت سے وہ واقف، نبی آخر الزماں کے ظہور و بعثت کے وہ منتظر۔ پھر بھی
وہ مخالفت میں پیش پیش۔ اسی لئے ان سے خطاب کر کے سورہ بقرہ میں فرمایا گیا: وَأْمُرْنَا
بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ يَبِيحُ ۗ اور ایمان لے
آؤ اس کتاب پر جو ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے۔ اور جو اس کتاب کی تصدیق و تائید
کرتی ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود ہے۔ لہذا تمہارے لئے یہ بات ہرگز مناسب نہیں بلکہ

جائز نہیں کہ تم ہی سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والے بنو۔ تمہارے پاس تورات ہے جو — هُدًى و نور ہے۔ اس کے باوجود تم ہمارے رسول کا راستہ روکنے کی کوشش کر رہے ہو۔ مشرکین مکہ کی پٹیٹھ ٹھونک رہے ہو۔ ان کو حجت کے لئے مواد فراہم کر رہے ہو۔ ان کو ہمارے نبی سے طرح طرح کے سوالات کرنے اور الجھنے کی ترکیبیں سکھا رہے ہو۔ سن رکھو کہ اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ معقول دلائل سے حق تم پر واضح ہو چکا ہے۔ اب ہمارے اعمال کا نتیجہ ہمیں ملے گا اور اپنے اعمال کا نتیجہ تم بھگتو گے۔ ہمارے مابین کسی حجت باذی اور کج بحثی کی ضرورت نہیں ہے۔ تم کہتے ہو کہ ہم توحید پر کار بند ہیں اور دین ہی کے لئے کام کر رہے ہیں تو اللہ عالم الغیب ہے وہ فیصلہ فرما دے گا اگر خلوص سے ہم توحید پر عمل پیرا ہیں اور اس کے دین توحید کو ایک نظام حیات کی حیثیت سے قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں تو ہم اللہ سے اجر پالیں گے۔ ہم تمہارے اعمال کا اجر نہیں لے سکتے۔ تم ہمارے اعمال کا اجر نہیں پاسکتے۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے اعتبار و لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مستول و ماجور ہوگا۔ كَلَّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةً ط ہر ذمی نفس اپنی کمائی کے عوض اللہ کے ہاں رہن ہے۔ جو نیکی یا بدی وہ کمائے گا اسی کے مطابق اسے بدلہ مل کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بالحق تخلیق فرمایا ہے۔ تاکہ آخرت میں ہر نفس کو اس کی اس دنیا میں کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے۔ وہاں لوگوں پر ہرگز ظلم نہیں کیا جائے گا۔ کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی۔ وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِيُجْزِيَ كُلَّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ — لٰٓذٰلِكَ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اللّٰهُ اٰكِبٌ رَّوٰى سُبُوْحٍ كُوْمَرِ ۝ جمع کر دے گا۔ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا۔ اس حصہ کی شرح میں آگے بیان کروں گا وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ اور ہم سب کو اسی کی طرف جانا ہے۔

ہمارے لیے عظیم رہنمائی

موجودہ حالات میں اس آیت کے آخری حصہ میں ہمیں بڑی عظیم رہنمائی ملتی ہے۔ امت کی تاریخ پر چودہ صدیوں کا زمانہ بیت گیا ہے۔ امت میں فرقے موجود

ہیں۔ لوگ اس بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں بہتر فرقوں کا ذکر آیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہاں بہتر کی تعداد کثرت کے لئے آئی ہے۔ ورنہ اتنے فرقے موجود نہیں رہے۔ مشہور فرقے تو سنی، شیعہ، خارجی اور معتزلہ رہے ہیں۔ ان میں بھی سنی اور شیعہ اصل فرقے ہیں جن کے مابین قریباً ساڑھے چودہ سو برس سے مسلسل کشمکش چلی آرہی ہے۔ چونکہ ان کے مابین نہایت بنیادی، اصولی اور اساسی (FUNDAMENTAL) اختلافات ہیں۔ خلافت کا تصور اور امامت کا تصور ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ سنی مکتب فکر کے نزدیک معصومیت خاتمہ نبوت ہے۔ نبی کے علاوہ کوئی معصوم نہیں۔ نبوت ختم ہوئی تو معصومیت بھی ختم ہوئی جیکہ شیعہ مکتب فکر میں امام کی معصومیت جزو ایمان ہے۔ پھر ان کے ہاں امامت صرف آلِ فاطمہ میں منحصر ہے اور ان کے لئے مختص ہے۔ ان کے ہاں البتہ کئی فرقے ہیں جن میں وہ بھی ہیں جو امام فاطمہ کے قائل اور ان کے ظہور کے منتظر ہیں اور وہ بھی ہیں جن کا امام مسلسل چلا آرہا ہے۔ اور ہر دور میں حاضر و موجود رہتا ہے۔ ان میں حلول کے قائل بھی موجود ہیں۔ مجھے اس وقت اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کرنی۔ صرف اتنا جان لیجئے کہ اس مکتب فکر یعنی اہل تشیع میں ہجرت فرقے ماضی میں بھی رہے ہیں اور اب بھی موجود ہیں۔ باقی رہا اہل سنت والجماعت کا معاملہ تو یہ غلط نہیں دور کر لیجئے کہ حنفی ہوں، مالکی ہوں، شافعی ہوں، حنبلی ہوں، اہل حدیث ہوں ان کے مابین کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ یہ حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ چند فقہی امور و مسائل کی تفصیلات کی تعبیر، توضیح، تشریح، تفسیر، ترجمانی (INTERPRETATION) اور انطباق و استنباط میں تھوڑا تھوڑا اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ میں اس بات کو پہلے بھی وضاحت سے بیان کر چکا ہوں۔ یہ تو ہماری بد قسمتی ہے کہ چند پیشہ درو اعظموں اور چند علمائے سوئے نے اپنی مسندیں، اپنی قیادتیں، اپنی چودھراہٹیں اور اپنی سیادتیں قائم رکھنے اور چمکانے کے لئے چند فردی مسائل کو جن کی دین میں گنجائش موجود ہے، نزاعی مسائل بنا کر مورچہ بندی کر رکھی ہے اور اپنی انانیت کے تحت امت کی وحدت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے۔ اس وقت مجھے اس سے بھی بحث نہیں ہے بلکہ مجھے اس موقع پر جو عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ خلوص و اخلاص اور نیک نیتی سے دین کا کام کرنے والوں میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ رائے کا بھی اور طریق کار کا بھی۔

یہ اختلاف بھی یعنی راجح ہو سکتا ہے۔ اس کو ایک سادہ سی مثال سے اس وقت میں آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں اس لئے کہ یہ ایک عملی مسئلہ ہے۔

ایک ایسے پرانے مریض کا تصور کیجئے جو کسی ایک مرض میں نہیں بلکہ بہت سی بیماریوں میں مبتلا ہے۔ اس کی حالت متعدد امراض کی وجہ سے ناگفتہ بہ ہے۔ اس کے دل میں بھی ضعف ہے اس کا جگر بھی خراب ہے۔ اس کے گردے بھی ماڈف ہو رہے ہیں۔ نزلے اور زکام میں بھی وہ مبتلا ہے۔ اب اگر آپ اس مریض کے علاج و معالجہ کے لئے چار حکیم یا ڈاکٹر لاکر کھڑے کر دیں گے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ حکیم اور ڈاکٹر کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا مریض اس کے علاج سے شفا پائے اور صحت یاب ہو جائے۔ وہ مریض کے لئے چاہتا ہے یا اپنی نیک نامی، شہرت اور منفعت کے لئے چاہتا ہے اس کو چھوڑیئے۔ بہر حال وہ مریض کی شفا ضرور چاہے گا لیکن ہو سکتا ہے کہ پورے خلوص و اخلاص اور نیک نیتی کے باوجود ان چاروں کی تشخیص اور تجویز میں بھی فرق ہو ایک کی تشخیص و تجویز یہ ہو کہ اس کے جگر کی فکر کرو۔ اہمیت جگر کی ہے۔ دوسرے کا خیال ہو کہ اہمیت گردوں کی ہے ان کی فکر کرو۔ کہیں گردوں نے کام چھوڑ دیا تو مریض ہاتھ سے گیا تیرے کی رائے ہو کہ اس وقت اصل توجہ پھیپھڑوں پر دی جانی چاہئے اور پہلے نزلہ و زکام کی فکر کرنی چاہئے چوتھے کا اصرار ہو کہ دل کا معاملہ اولین اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی پہلے فکر لازم ہے۔ چاروں معالج مخلص ہیں۔ دل سے مریض کی شفا کے متمنی ہیں لیکن تشخیص و تجویز میں اقدمیت و اولیت اور اہمیت کے معاملہ میں اختلاف کر رہے ہیں۔

اس مثال میں اب مریض کی جگہ امت مسلمہ کو رکھ لیجئے۔ کوئی مخلص و دیانتدار اور دردمند اس تلخ حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ شیطان کے ہتھکنڈوں، اغیار کی ریشہ دوانیوں، دوست نما دشمنوں کی سازشوں کے باعث امت صدیوں سے بیمار ہوتے ہوئے فی الوقت اعتقادی، فکری و نظری اور عملی و اخلاقی اعتبارات سے بے شمار بیماریوں اور خرابیوں میں مبتلا ہے۔ اللہ کے دین کا جھنڈا تمام و کمال کہیں بھی سر بلند نہیں ہے۔ جو دین فاران کی چوٹیوں سے آفتاب عالم تاب کی طرح طلوع ہوا تھا، جس نے نور توحید سے کرة ارضی کے ایک بڑے حصہ کو منور کر دیا تھا، آج اس دین پر غربت و مسکنت طاری ہے۔ کفر و الحاد، شرک و زندقہ، بدعات کے اندھیاروں میں یہ آفتاب ہدایت گہنا گیا ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ چند لوگوں کے دلوں میں اپنے دین

اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا درد پیدا فرماتا ہے۔ وہ لوگ غور و فکر کرتے ہیں کہ تجدید و احیاء دین اور اصلاح امت کے کام کا آغاز کس طور سے کیا جائے۔ کس کام کو اقدامیت و اولیت دی جائے۔ جس رائے پر ان کا دل ٹھک جاتا ہے۔ انہیں انشراح صدر حاصل ہو جاتا ہے اس کے مطابق کام کے لئے وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ تمام معاملہ اجتہادی ہوتا ہے اس لئے کہ وحی کا سلسلہ تو منقطع ہو چکا۔ نبوت تو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی۔ لہذا جو درد مند شخص احیاء دین اور اصلاح امت کے لئے اٹھتا ہے وہ اجتہادی طور پر کوشش کرتا ہے کہ بہتر سے بہتر طریق پر دین کی تجدید کا، اسلام کی سر بلندی کا، اقامت دین کا، امت کی اعتقاد کی عملی خرابیوں کی اصلاح کا کام کر دوں۔ اس کی تشخیص اور تجویز سے پورے اخلاص و خلوص اور نیک نیتی کے باوجود بھی اختلاف ممکن ہے۔ اس بات کو سامنے رکھئے اور آیت کے آخری حصے کو پڑھئے اور یہ نتیجہ اخذ کیجئے کہ ایسے اشخاص اور ایسی جماعتوں کو باہم دست و گریباں نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے اپنے طریقوں پر دین کی خدمت اور احیاء اسلام کے لئے خلوص و اخلاص کے ساتھ عمل پیرا رہیں لیکن ایک دوسرے پر الزام تراشی نہ کریں، ایک دوسرے کی ٹانگیں نہ گھسیٹیں، اپنے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جذبات پر دان نہ چڑھائیں بلکہ جہاں تک ہو سکے تعاون و اشتراک کا معاملہ رکھیں۔ ایک دوسرے کے خیر خواہ رہیں اور انداز وہ اختیار کریں جس کی طرف ہمیں اس آیت مبارکہ کے ان الفاظ میں رہنمائی مل رہی ہے کہ **اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ** اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے؛ **لَنَا أَعْمَالُنَا وَلكُمْ أَعْمَالُكُمْ** ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال؛ **لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ** ہمارے اور تمہارے مابین حجت، بحث و تمحیص اور مناظرہ کی کوئی ضرورت نہیں" **اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا**۔ اگر ہم مخلص ہیں اور اخلاص کے ساتھ کام کر رہے ہیں اور تم بھی مخلص ہو اور خلوص سے کام کر رہے ہو تو اللہ ایک دن ہمیں جمع کر دیگا منزل اگر ایک ہے تو لازماً سب ایک دن ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ میں اس کے لئے یہ مثال دیا کرتا ہوں کہ ۹ ذی الحجہ کو منی سے لاکھوں انسان چلتے ہیں؛ سب کو جانا عرفات ہے۔ قوف عرفہ کرنا ہے، وہی اصل حج ہے۔ عرفات جانے کے لئے ہزاروں قافلے بنے ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا جھنڈا علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔ اور اونچا رکھا جاتا ہے تاکہ اس قافلے کا کوئی آدمی ذرا ادھر ادھر ہو جائے تو اپنے جھنڈے کو دیکھ کر قریب آ جائے ورنہ بھٹ جائے گا اور دوبارہ ملنا مشکل

ہو جائے گا۔ اب یا تو ۱۰ ارذی الحجہ کو منیٰ میں ملاقات ہوگی یا تین چار دن بعد مکہ مکرمہ میں۔ لہذا لوگ قافلوں کی شکل میں چلتے ہیں لیکن منزل سب کی ایک۔ جن لوگوں کو حال ہی میں حج کی سعادت نصیب ہوئی ہو وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اب تو منیٰ سے عرفات کے لئے چھ بڑی کٹادہ سڑکیں ہیں۔ لیکن یہ سب سڑکیں قافلوں کو آخر کار عرفات پہنچائیں گی۔ سب قافلے وہاں جمع ہو جائیں گے۔ پس دین کی خدمت یا اقامت دین کی جدوجہد جو لوگ اور جو جماعتیں بھی خلوص و اخلاص کے ساتھ کر رہی ہیں اور ان کے طریق کار میں اختلاف ہے۔ طریق راستہ ہی کو کہتے ہیں۔ تو جیسے منیٰ سے عرفات کے لئے چھ طرائق یعنی راستے جارہے ہیں، اسی طرح ان لوگوں اور جماعتوں کے طریق کار بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ چونکہ یہ اجتہادی معاملہ ہے اب یہاں اور کہیں بھی نبوت نہیں ہے۔ لہذا طریق کار میں اختلاف ہو تو فکر مندی کی کوئی بات نہیں۔ اگر منزل ایک ہے تو قریب سے قریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔ اور آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں منزل پر پہنچ کر تو سب ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں گے۔ چلے اگر دنیا میں ہم قریب نہ بھی ہوئے تو ایک دن آنا ہے جب اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوگی: **اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا**

ذَٰلِیْہِ الْمَاصِیٰطِ۔ آخر لوٹنا تو وہیں ہے۔ وہیں پتہ چل جائے گا کہ کون کتنے پانی میں تھا! وہیں حقیقت کھل جائے گی کہ کس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹیاں بندھ گئی تھیں۔ کون جماعتی عصبیت جاہلیہ میں گرفتار ہو گیا تھا۔ کون خلوص کے ساتھ چل رہا تھا! کون کس شخصیت کی عقیدت کا غلام ہو گیا تھا! ہر ایک کی حقیقت کھل جائے گی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا ہو جائے گا کون مخلص تھا اور کون غیر مخلص! وہاں سب عیاں ہو جائے گا۔ جو مخلصین ہوں گے وہ باہم درگزر و شکر ہو جائیں گے۔

اس موقع پر میرا ذہن ایک واقعہ کی طرف منتقل ہوا ہے۔ سورہ حج میں الفاظ آئے ہیں: **وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْوَانًا عَلٰی سُرٍّ مُّتَّقِلِينَ** ۵ "اور ہم ان کے دلوں میں اگر ایک دوسرے کی طرف سے میل ہوا تو ہم اسے نکال دیں گے اور وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے" یہ اہل ایمان کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر داخل ہو جاؤ! **اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنٰیْنَ** ۵ تو اہل ایمان کے دلوں میں بر بنائے طبع بشری اپنے کسی بھائی کے بارے میں کوئی رنجش اور میل ہو گا تو

جنت میں اللہ اس کو دلوں سے نکال دے گا۔ جس واقعہ کی طرف میرا ذہن منتقل ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے اور معاویہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ایک دوسرے کی طرف سے دلوں میں میل تو آیا تھا۔ جب تلواریں نیاموں سے باہر آگئی تھیں۔ تو یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ دونوں کے دل ایک دوسرے سے آئینہ کی طرح صاف تھے۔ شکوہ، شکایت اور گلا ایک دوسرے سے پیدا ہوا اسی لئے حضرت علیؑ کہہ رہے ہیں کہ جنتی ہم دونوں ہیں۔ رنجش کی وجہ سے اس دنیا میں ہمارے دلوں میں جو میل آ گیا ہے، جو کہ ورت پیدا ہو گئی ہے، تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس رنجش کو صاف کر دے گا۔ اس کے لئے سورہ حجر کی حضرت علیؑ نے وہ آیت پڑھی جو میں نے آپ کو سنائی ہے۔

لہذا دنیا میں خلوص و اخلاص کے ساتھ دین کے لئے کام کرتے ہوئے ایک دوسرے سے گلے و شکوے ہو جاتے ہیں۔ اگر حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ کے مابین رنجش پیدا ہوئی، (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں تو ہم کیسے یہ دعویٰ کریں گے کہ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے کبھی کوئی میل آتا ہی نہیں، کوئی رنجش کبھی پیدا ہوتی ہی نہیں۔ لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ یہ تصور ذہن میں رکھا جائے کہ: **اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ طَلْنَا أَعْمَالَنَا وَلكُمْ أَعْمَالُكُمْ ط لا حِجَّتَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ط اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَالْبَيْرِ الْمَصِينِ ط** اس ضمن میں 'میں' میں ایک اور بات بھی کہا کرتا ہوں۔ ہم جمع نہ بھی ہوئے تو کوئی حرج نہیں۔ ہمارا کام تو جمع ہو جائے گا۔ آپ بھی محنت کر رہے ہیں دین کے لئے اور میں بھی دین ہی کے لئے محنت کر رہا ہوں تو ان محنتوں کے ثمرات کہاں جمع (CREDIT) ہوں گے؟ ظاہر بات ہے کہ دین کے کھاتے میں۔ فرض کیجئے کہ کوئی ایک شخص کسی ایک جماعت کے ذریعے سے دین کے قریب آجاتا ہے اور کوئی دوسرا شخص کسی دوسری جماعت کے ذریعے سے دین کے قریب آیا تو کام تو جمع ہو ہی گئے چاہے وہ قافلے جمع نہ ہوئے ہوں۔

میں نے آغاز ہی میں عرض کیا تھا کہ اقامت دین کے موضوع پر یہ تین **حاصل گفتگو** آیات اہم ترین ہیں۔ اس کے منافیین، مخالفین، مخالفت کی وجہ، تفرقہ کا سبب، ان سبب کا علاج، پھر جو دعویٰ ہو اس کا کردار، اس کو کون باتوں کو ملحوظ رکھنا ہے۔ ان تین آیات میں یہ تمام مضامین آگئے اور میں نے اپنی امکانی حد تک ان کے

تشریح و توضیح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود میں یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

آغاز میں میں نے اس سورہ مبارکہ کی نو آیات ۱۳ تا ۲۱ کی تلاوت کی تھی۔ اب چھ آیات باقی رہ گئی ہیں جن کا مختصر تشریح کے ساتھ ان شاء اللہ ہم مطالعہ کر لیں گے۔ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ اسی صبر و اطمینان اور توجہ کے ساتھ تشریف رکھیں جس کا اب تک آپ نے مظاہرہ کیا ہے تاکہ درس کا جو نصاب اس نشست کے لئے پیش نظر تھا وہ مکمل ہو جائے۔

خالفین و معاندین کے لیے انتباہ

فرمایا: وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُ "اور کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے پاس بھیجیے گئے ہیں اور حجت بانہی میں پڑے ہوئے ہیں"۔ حالانکہ اللہ کی پکار پر لبیک کہی جا چکی یہاں فی اللہ سے مراد فی دین اللہ ہے "ابھی تک جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں جھگڑوں ہی میں پڑے ہوئے ہیں" آگے بڑھنے سے قبل آیت کے اس حصہ کو وضاحت سے سمجھ لیجئے۔ دیکھئے جب کوئی نئی دعوت اٹھتی ہے تو کچھ لوگ تو اتنے ذہین ہوتے ہیں کہ وہ اس کو اس کی (FACE VALUE) پر قبول کر لیتے ہیں اور ان میں اتنی جرأت بھی ہوتی ہے کہ: عہد ہرچہ باد اباد۔ ماکشتی در آب انداختیم۔ اب جو ہو سو ہو، ہم نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ اب تیریں گے تو اس کے ساتھ اور دو ہیں گے تو اس کے ساتھ۔ لیکن سب لوگوں میں اتنی ہمت نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ جن کو حقیقت تو معلوم ہو جاتی ہے کہ بات صحیح ہے لیکن منجھار میں پھلانگ لگانے کے لئے جو ہمت درکار ہوتی ہے اس کا ان میں فقدان ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے ایک جنگل ہے۔ اس میں جانے کا کوئی راستہ ہونا تو درکنار کوئی پگڈنڈی بھی بنی ہوئی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں کوئی بڑی ہمت والا ہی ہوگا جو اس میں داخل ہوگا لیکن اگر کچھ لوگوں نے چل کر کوئی پگڈنڈی بنا دی ہو تو نسبتاً کم ہمت لوگ بھی اس پر چل پڑنے کا اپنے اندر حوصلہ پیدا کر لیں گے۔ چونکہ ان کو نظر آ رہا ہے کہ راستہ بنا ہوا ہے اور کچھ لوگ اس پر چل کر جنگل میں داخل ہو گئے ہیں اور پورے ہیں۔ یہی بات یہاں کہی جا رہی ہے: وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُ۔ اللہ کے دین کی دعوت پر لبیک کہے جانے کے بعد

بھی بعض لوگ دعوت کو قبول کرنے والوں سے حجت بازی کر رہے ہیں۔

میرے مطالعہ اور اندازے کے مطابق سورہ شوریٰ کے نزول کا زمانہ مکی دور کا آخری تیسرا حصہ یعنی سن اٹھ نبوی ہے۔ ظاہرات ہے کہ اس وقت تک بہت سے ایسے لوگ بھی ایمان لا چکے تھے جو قریش میں ایک باحیثیت مقام رکھتے تھے اور ایسے بھی جو دے ہوئے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ گویا کہ بہت سے لوگوں نے بیچ منجد ہار کو دکر دکھا دیا تھا۔ بہت سے لوگوں نے تشدد جھیل کر مصائب برداشت کر کے اور قربانیاں دے کر اعلیٰ مثالیں قائم کر دی تھیں۔ اس طرح ان لوگوں کے لئے جو کم ہمت تھے، پکڑنڈی بن گئی ہے۔ راستہ بن گیا ہے۔ اب ان کے لئے اس پر چلنا آسان ہو گیا ہے۔ جو اب بھی تعویق میں ہوں، لیت و لعل میں ہوں، جو اب بھی حجت بازی میں پڑے ہوں، معلوم ہوا کہ اب ان کا کوئی عذر اللہ تعالیٰ کی جناب میں لائق پذیرائی نہیں رہا۔ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ ان کی حجت، ان کی دلیل ان کے رب کے پاس بالکل باطل اور پادر ہو ہے: وَ عَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ اور ان پر اللہ کا شدید غضب نازل ہو کر رہے گا۔ ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ اس آیت میں ان کم ہمت لوگوں کے لئے بھی انتباہ ہے جو دعوت کو حق سمجھ لینے کے باوجود مشرکین و مخالفین کے تشدد اور تعدی کے خوف سے دعوت کو قبول کرنے میں بچپا رہے ہیں اور ان کے لئے بھی شدید وعید ہے کہ جن کے دل دعوت کی حقانیت تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ اپنے مفادات، اپنے تعصبات اور اپنی عصبیت کے باعث دعوت کو قبول کرنے کے بجائے اس کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں اور اس دعوت کو کچلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور ان کا ساتھ دے رہے ہیں جو صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ گویا وہ سرے سے دعوت کی حقانیت کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اس آیت میں تینوں قسم کے لوگ مخاطبین ہیں۔

الکتاب والمیزان = قرآن وسنت

اگلی آیت میں وہ مضمون آ رہا ہے جو میں نے لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ کی توجیہ و تشریح کے ضمن میں سورہ حدید کی ایک آیت کے حوالے سے بیان کیا تھا۔ میرے نزدیک سورہ شوریٰ

کئی سورتوں میں اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے جتنی مدنی سورتوں میں سورہ حدید — سورہ حدید میں رسولوں کی بعثت، ان کو بیانات عطا کرنے، ان کے ساتھ کتابیں اور میزان یعنی شریعت نازل فرمانے کی غرض و غایت ان الفاظ مبارکہ میں بیان فرمائی گئی تھی کہ: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ یہاں فرمایا:

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ ط

”اللہ ہی ہے وہ ذات جس نے حق کے ساتھ کتاب اتاری اور میزان بھی اتاری“

جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب تورات نازل ہوئی تو اس کے ساتھ شریعت موسوی اتری۔ ویسے ہی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا تو اس کے ساتھ میزان یعنی شریعت یا دین الحق نازل ہوا۔ یہی بات اس آیت مبارکہ کی ابتداء میں ایک دوسرے اسلوب سے فرمائی جو سورہ توبہ، سورہ فتح اور سورہ صافات میں بایں الفاظ وارد ہوئی۔ هُوَ الَّذِي اَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ — ”وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا الہدی اور دین الحق کے ساتھ“ — یہاں ”و“ واو عطف ہے۔ دین الحق، الہدی سے مختلف شے ہے، علیحدہ

چیز ہے۔ اس معنی میں کہ الہدی یعنی شرآن مجید میں علمی اور اصولی ہدایت ہے جبکہ سنت رسول علیٰ ساجہا الصلوٰۃ والسلام اس کی عملی تفسیر ہے، اس کا عملی مظاہرہ (DEMONSTRATION)

ہے۔ جب قرآن حکیم کے ساتھ سنت رسول جمع ہو جائے گی تو دین الحق بنے گا۔ وہ میزان یعنی شریعت سامنے آئے گی کہ کس کا کیا حق ہے اور کس کے کیا فرائض ہیں۔ کیا واجبات ہیں! اور طے ہو گا کہ اس پر لازم (WHAT IS DUE TO HIM & WHAT IS DUE FROM HIM).

کیا ہے اور اس کا حق کیا ہے۔ یہ ہے کتاب اور میزان جو اللہ نے نازل فرمائی —

اب غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے میزان کس لئے نازل فرمائی! ایسے ہی رکھی رہے غور طلب بات

یا اسمیں ناپا اور تولد جائے! میزان تو اس لئے اتاری گئی کہ نصب ہو۔ دین اس

لئے دیا گیا کہ قائم ہو۔ دین اگر قائم نہ ہو تو وہ دین ہے ہی نہیں پھر تو وہ مذہب بن گیا۔ وہ صرف

ایک عقیدہ اور ایک (CULT) بن کر رہ گیا وہ محض چند رسوم (RITUALS) کا مجموعہ بن

گیا۔ دین تو وہ ہے جو ایک نظام کی حیثیت سے بالفعل قائم و نافذ ہو۔ اس کو ایک حامدہ سی

مثال سے سمجھ لیجئے۔ انگریز کے دورِ غلامی میں جس نظام کی اصل حکمرانی تھی وہ "دینِ انگریز" تھا۔ تاجِ برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے مطابِعِ مطلق برطانوی پارلیمنٹ تھی۔ تمام فوجداری اور دیوانی قوانین اس کے بنائے ہوئے تھے اور ان کے مطابق ہی ملک کا نظام چل رہا تھا۔ البتہ دوسرے مذاہب کے ساتھ مسلمانوں کو بھی یہ آزادی حاصل تھی کہ نجی زندگی میں نمازیں پڑھ لو، روزے رکھ لو، حج کو چلے جاؤ، اپنے طور پر زکوٰۃ ادا کر دو۔ شادی بیاہ کی رسوم اپنے طور پر بجالاؤ۔ (PRIVATE) اور شخصی معاملات میں انگریز سرکار کو کوئی سروکار نہیں البتہ ملک کا نظام اور قانون (LAW OF THE LAND) انگریز کا بنایا ہوا راج و نافذ رہے گا۔ اسی صورتِ حال کے پیشِ نظر ہی علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا ہے

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

اب پھر آیتِ زیرِ درس پر توجہ مرکوز کیجئے۔ فرمایا:

اللَّهُ السَّذِيّ أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ذَا الْمِيزَانِ ط " اللہ ہے وہ جس نے

حق کے ساتھ اتاری ہے کتاب بھی اور میزان بھی۔" سورہ حدید میں بعثت رسول، انزالِ کتب و میزان کی جو غرض و غایت بیان فرمائی گئی تھی کہ: لِيَقْوَمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ط " تاکہ لوگ عدل و سبط پر قائم ہو جائیں" اس کو آیت کے اس چھتے کے ساتھ ذہن و قلب پر ثبت کر لیجئے تو اَقِصُوا السَّيِّئَاتِ اور وَ أَمْرًا لِيَأْخُذَ بِبَيْنِكُمْ کے جملہ مقتضیات و مستفہات واضح ہو کر آپ کے سامنے آجائیں گے۔

انجام سے متعلق تنبیہ

آگے چلئے۔ اسی آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا:

وَمَا يُذْرِبُكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝

"اور (اے نبی!) آپ کو کیا معلوم کہ قیامت قریب ہو اور سر پر آئی کھڑی ہو"

یہاں انداز مختلف ہے۔ اس میں انسانوں کی ایک فطری اور نفسیاتی کمزوری پر متنبہ کیا گیا ہے کہ یہ کہ حقیقت کو انہوں نے پہچان بھی لیا لیکن دل کے اندر جو چور ہے اور مفادات و لذاتِ دنیوی سے جو انس ہے اس کی وجہ سے تعویق و تاخیر کا معاملہ ہوتا ہے۔ سوچ کا انداز یہ ہو جاتا ہے کہ بات تو حق ہے قبول کرنی چاہئے اور ہم ضرور قبول کریں گے ذرا فلاں فلاں کاموں سے فارغ ہو جائیں پھر ہم بھی میدان میں کود پڑیں گے۔ بس یہ یہ ذمہ داریاں ہیں ان سے نمٹ لیں، ذرا بچیوں کے ہاتھ

پیسے کرنے ہیں ان سے عہدہ برآ ہو جائیں تو پھر ہم اقامت دین کی جدوجہد میں ہمہ وقت اور ہمہ تن لگ جائیں گے اور اپنی ساری توانائیاں اور اپنے تمام اوقات اللہ کی راہ میں لگا دیں گے۔ اس سے بڑا فریب اور دھوکہ کوئی نہیں اور دھوکہ کس کو دے دیں گے۔ حقیقی بات یہ ہے کہ اس سے بڑی خود فریبی اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ ہر کار دنیا کے تمام نہ کرد اپنی بچیوں سے فارغ ہوں گے تو آگے نوایاں اور پوتیاں ہونگیں۔ اپنی ذمہ داریوں سے فراغت کیسے ہوگی۔ نسل تو آگے پھیلے گی، بڑھے گی اور نہ معلوم کیا کیا معاشرتی پیچیدگیوں سے سابقہ پیش آگئے گا۔ اور جب آپ اپنے کاموں سے فارغ ہوں گے۔

(PROBLEMS)

— اول تو فراغت ملتی نہیں۔ لیکن فرض کیجئے کہ کسی نے سوچ رکھا ہو کہ ریٹائر ہو جاؤں پھر دین کے لئے کام کروں گا تو حکومت بھی اس وقت ریٹائر کرتی ہے جب صلاحیت و اہلیت برائے نام رہ جاتی ہے۔ ایسی حالت و کیفیت میں آپ دین کے لئے کریں گے کیا؟ اس لئے کہ حکومت نے ریٹائرمنٹ کی مدت خوب سوچ سمجھ کر رکھی ہے۔ توانائیاں تو خدمت سرکار میں ختم ہوئیں اب تو آپ کی حیثیت (SPENT UP FORCE) کی ہے۔ یہ ہیں وہ دھوکے اور فریب جو انسان کا نفس خود اسے دیتا ہے۔ سورہ حدید میں یہ مضمون اہل ایمان کے لئے مختص ہو کر آیا ہے۔ وہاں

فرمایا: **الْمَدْيَانِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ**

”کیا وقت آ نہیں گیا ہے اہل ایمان کے لئے کہ جھک جائیں ان کے دل اللہ کی یاد میں بھی اور اس حق کے سامنے بھی کہ جو نازل ہو گیا ہے۔“ یہ تاخیر اور تعویق۔ اور یہ بات کہ یہ کر لوں وہ کر لوں پھر دین کے کام میں لگ جاؤں گا۔ خود فریبی کے اس چکر سے کب نکلو گے! وہی بات نبی اکرم سے مخاطب ہو کر بطور واقعہ اور حقیقت فرمائی جا رہی ہے: **وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝** اور (اے نبی!) آپ کو کیا خبر کہ قیامت (فیصلہ کی گھڑی) قریب ہی آگئی ہو۔“

اچھی طرح ذہن میں رکھئے کہ ایک قیامت تو آخری قیامت ہے

اور ایک میری اور آپ کی انفرادی (INDIVIDUAL) قیامت

ہے۔ یعنی ”میری اور آپ کی موت“۔ وہ تو ہم سب کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ ہم میں سے

کون جانتا ہے کہ وہ کب آئے گی! جگر مراد آبادی مرحوم کا بڑا پیارا شعر ہے

اربابِ ستم کی خدمت میں اتنی ہی گزارش ہے میری

دنیا سے قیامت دور سہی دنیا کی قیامت دور نہیں

موت کی صورت میں ایک قیامت انسان پر اس دنیا میں بھی آتی ہے جسے ہم قیامت صغریٰ کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ "جو مر گیا اس کی قیامت تو قائم ہو گئی؛ مہلتِ عمر اور مہلتِ عمل ختم ہوئی۔ کیا معلوم وہ چھوٹی قیامت میرے سر پر منڈلا رہی ہو۔ مجھے لاہور جانا نصیب نہ ہو۔ کسے یقین ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ کل صبح طلوع ہونے والا سورج میں لازماً دیکھوں گا۔ اگر دل میں یقین ہو تو بہت بڑا دھوکہ ہے۔ فرمایا: وَمَا يَدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ "کس برتے پر کس امید میں تم یہ چیزیں مؤخر کر رہے ہو! اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرض ادا کرنے کی فکر کرو۔ اس کے لئے جدوجہد کرو۔ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔ اس کے لئے کمر بستہ ہو جاؤ۔ سرکبف ہو کر میدان میں نکلو۔ باطل سے بچہ آزمائی کے لئے تیار ہو کر آؤ۔ اُصْرَتْ لِاَعْدَالٍ بَيْنَكُمْ كَالْقَضَا خَاتَمُ النَّبِيِّنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ کے امتی کی حیثیت سے پورا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ نظم پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب یعنی قرآن مجید اور میزان یعنی شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حق کے ساتھ نازل کی ہے، اس پر اپنی نظام عدل و قسط قائم کرنے کی جدوجہد کرو ورنہ تم کو کیا پتہ کہ موت تمہارے سر ہانے گھڑی ہو، تم اسی تعویذ و تاخیر میں رہو اور مہلتِ عمر تمام ہو جائے۔ یہ جملہ مفہام اس آیت مبارکہ میں بیان ہوئے اَللّٰهُ الَّذِيْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝

آگے فرمایا:

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا
وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۝ الْاٰتِیْنَ الَّذِيْنَ يُمَارَوْنَ فِي السَّاعَةِ لَغِيۡ
ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۝

”اس قیامت کے دن کے لئے جلدی وہ لوگ مچاتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے مگر جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یقیناً اس کا واقع ہونا حق ہے۔ آگاہ رہو، خوب اچھی طرح سن رکھو جو لوگ اس گھڑی کے آنے میں شک میں ڈالنے والی بحثیں کرتے ہیں وہ گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔“

اس آیت میں نہایت جامعیت، بلاغت اور پیارے انداز میں قیامت کے بارے

میں منکرین اور مؤمنین کے طرز فکر اور عمل پر تبصرہ فرمایا گیا ہے۔

منکرین کی عجلتِ عذاب | کفار اور مستشرقین کی جھٹی اور ضد برائے ضد کے طور پر اس طرح کی باتیں کیا کرتے تھے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لے آؤ وہ

قیامت یا وہ عذاب جس کا تم ہمیں ڈراوا دیتے چلے آ رہے ہو۔ نقل کفر کفر نہ با شددہ کہا کرتے تھے کہ تمہیں یہ رٹ لگاتے ہوئے دس سال ہو گئے۔ آخر وہ گھڑی کب آئے گی؟ یہ سنتے سنتے ہمارے کان پک گئے ہیں۔ لے آؤ وہ عذاب جس کی دھمکیاں تم ہمیں دیتے چلے آ رہے ہو۔ یہاں تک کہ نقر بن حارث نامی ایک مشرک نے کھڑے ہو کر کہا تھا جس کا قرآن مجید میں سورہ انفال میں ذکر ہے: **وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ**

مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ أَوْ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ اور یاد کرو وہ بات جو ان کفار نے کہی تھی کہ پروردگار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو پیش کر رہے ہیں وہ اگر تیری طرف سے واقعی حق ہے اور سچی خبر ہے تو ہم پر تو آسمان سے پتھر برسادے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آئے یہ حال تھا ان کی ہٹ دھرمیوں اور ڈھٹائیوں کا۔ ایسی باتوں سے وہ اپنے عوام کو متاثر کرنا چاہتے تھے جن میں دعوتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام نفوذ کر رہی تھی بقول عر نظام کہنہ کے پاس انوار یہ معرض انقلاب میں ہے۔

مشرکین خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ ہمارے مفادات جو اس مشرکانہ نظام سے وابستہ ہیں بہت خطرہ میں آئے ہوئے ہیں۔ لہذا وہ اس قسم کی باتوں کے ذریعہ اپنے عوام پر اپنے خلوص کا اثر قائم کرتے تھے کہ ہمیں اس دعوتِ توحید کے غلط ہونے پر اتنا اعتماد ہے کہ ہم تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ دعوت جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کر رہے ہیں سچ ہے، حق ہے تو ہم پر عذاب آجائے۔ یہ تھا ان کا اندازہ اپنے عوام کو دعوت سے روکنے کے لئے۔ قرآن اس پر تبصرہ کرتا ہے کہ وہ تو قیامت اور یوم حساب پر یقین ہی نہیں رکھتے

تھے۔ اسی لئے عذاب اور قیامت کی جلدی چاہتے تھے۔ جس کے دل میں یقین ہو گا وہ ہرگز یہ بات زبان پر نہیں لاسکتا۔ یہی بات فرمائی ان الفاظ مبارکہ میں **يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا**۔ "اس کے لئے وہی لوگ جلدی مچاتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔

اس کے برعکس اہل ایمان کا یہ حال ہے کہ وہ قیامت کے تصور سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں: **وَالَّذِينَ**

اهل ایمان اور خوفِ قیامت

اَمَنُوا مُتَّقِينَ مِنْهَا — اہل ایمان کی اسی صفت کو سورہ انبیاء میں بایں الفاظ بیان فرمایا: وَالَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِنَ السَّاعَةِ مُتَّقُونَ ۝ جن کے قیامت کے خوف اور خشیت الہی کا نقشہ سورہ نور کی آیت نمبر ۳ کے آخر میں یوں کھینچا گیا: يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝ ”اہل ایمان اس دن کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں کہ جس دن دل الٹ جائیں گے اور نگاہیں الٹ جائیں گی“۔ قیامت کی ہولناکیوں اور محاسبہ آخری سے امت اور صحابہ کرامؓ میں سے فضیلت کے اعتبار سے بالترتیب اول، دوم اور سوم اور عشرہ مبشرہ میں شامل نفوس قدسی اس طرح ڈرتے رہتے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عالم تھا کہ آپؓ کہا کرتے تھے کہ ”کاش میں ایک سو کھانسی کا ہوتا جو جلا دیا جاتا ہے، ختم ہو جاتا ہے اس سے محاسبہ نہیں ہے۔ کاش میں درختوں پر چھپاتی ہوئی ایک چڑیا ہوتا جو آج سے کل نہیں ہوگی لیکن اس سے محاسبہ کوئی نہیں ہے“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے انتقال کے وقت کہہ رہے ہیں کہ ”کاش میں برابر سرابر پھوٹ جاؤں“۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وقت آخر اپنے والد کا سراپا ران پر رکھا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرا سر نیچے ڈال دو۔ انہوں نے پوچھا آپؓ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ یہ بچپنی کیوں ہے! آپؓ تو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپؓ کو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے جنت کی۔ تو جواب میں حضرت عمرؓ کہتے ہیں ”خدا کی قسم اگر میں برابر سرابر بھی چھوٹ گیا تو بہت بڑی کامیابی تصور کروں گا“۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی اشکوں سے تر ہو جاتی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپؓ دوزخ کے ذکر پر اتنے اشکبار نہیں ہوتے جتنے قبر پر ہوتے ہیں۔ آپؓ نے جواب میں کہا کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ”قبر پہلی منزل ہے اگر کوئی اس سے نجات پا گیا تو اس کے بعد آسانی ہے اور اگر اس سے ہی نجات نہ پائی تو اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سختی ہے“۔ مزید حضرت عثمانؓ اکثر اشکبار کہا کرتے تھے کہ ”اگر میں دوزخ اور جنت کے درمیان ہوں اور مجھے معلوم نہ ہو کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، میرے لئے ان میں سے کس کا حکم دیا جائے گا تو میں اس کا حال معلوم کرنے سے قبل راکھ ہو جانے

کو پسند کروں گا کہ مبادا میرے لئے دوزخ کا فیصلہ ہو جائے۔“

یہ ہے ان لوگوں کا حال جو اصل عارف ہیں، جو پہچاننے والے ہیں جو حقیقت کا علم رکھنے والے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جو کچھ میں جانتا ہوں اسے مسلمانو! اگر تم وہ جانتے تو تمہارے ہونٹوں پر کبھی مسکراہٹ تک نہ آتی۔ ادکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حقائق بڑے تلخ ہیں، جو ان سے غافل ہیں وہی ہیں جو اس دنیا میں قہقہے بھی لگا رہے ہیں اور محاسبہ آخروی سے بے نیاز ہو کر بے فکر سے زندگی بسر بھی کر رہے ہیں، دندناتے پھر رہے ہیں۔ انہیں پتہ نہیں ہے کہ موت کے بعد کیا بنتے والی ہے۔ موت کے اس پردے کے پیچھے کون سے ابدی دلائل خسرانے واسطہ پڑنے والا ہے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کے متعلق فرمایا: وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا۔ اہل ایمان تو قیامت کی گھڑی کے یقین سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ وَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُم مُّحْتَقِبُونَ۔ اور انہیں خوب معلوم ہے کہ وہ گھڑی آکر رہے گی۔ یہ یقینی حتمی اور قطعی بات ہے۔ اَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُبَارِزُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدَةٍ۔ آگاہ ہو جاؤ، خبردار ہو، اچھی طرح سن رکھو جو لوگ اس قیامت اور ساعت کے بارے میں جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں وہ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

ہیں۔ — !!

قبولِ حق میں ایک اہم رکاوٹ اور اس کا حل

میں نے عرض کیا تھا کہ توحیدِ علی کی معراج فریضہ اقامتِ دین کی ادائیگی کے لئے جدوجہد، محنت و کوشش اور جہاد و کشمکش ہے۔ اسی کے لئے تمام رسولوں کی بعثت ہوئی، کتابیں اور شریعتیں نازل ہوئیں اور اس موضوع پر سورہ شوریٰ کو ذرہ پر (چوٹی) کا مقام حاصل ہے۔ اس راہ کے چند موانعات کا ذکر بھی ہم پڑھ چکے ہیں ان کی وجہ بھی ہمارے سامنے آچکی ہیں۔ مشرکوں کو یہ دعوت کیوں ناگوار ہے: كَيْفَ يَمُوتُ الْمُشْرِكِينَ کے ضمن میں اس بات کو ہم نے سمجھ لیا ہے۔ اہل کتاب کی مخالفت و بُغْيًا بَيْنَهُمْ کی تشریح و توضیح کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے۔ حق کو اچھی طرح جاننا اور پہچان لینے کے باوجود تعویق و تاخیر اور لیت و لعل کے رویہ کے چند اسباب بھی ہمارے

سامنے آچکے ہیں۔ اب اگلی آیت میں ایک رکاوٹ کا براہِ راست تذکرہ نہیں ہے لیکن اس کے بین السطور وہ رکاوٹ منہ سے بول رہی ہے اور اس کا حل مثبت اسلوب میں سامنے لایا جا رہا ہے۔ فرمایا:

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ
 "اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔ جسے وہ چاہتا ہے سب کچھ دیتا ہے اور وہ بڑی قوت والا اور زبردست و غالب ہے۔"

دعوتِ توحید کو قبول کرنے اور اس کے لئے مجاہدہ کرنے میں ایک بڑی رکاوٹ معاش کا مسئلہ ہوتا ہے۔ تاویل خاص کے طور پر دیکھئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید پر جن سعید روحوں نے لٹیک کہا تھا ان پر جہاں مصائب و مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے وہاں ان کا معاشی مقاطعہ بھی کیا جا رہا تھا۔ لہذا اکثر لوگ دعوت کو حق سمجھتے ہوئے بھی اس کو قبول کرنے سے گریزاں تھے اس لئے کہ اگر معاشی مقاطعہ ہو گیا تو کہاں سے کھائیں گے اور اپنے بال بچوں کو کھلائیں گے۔ اس ماحول میں رکھی سوکھی روٹی کے بھی لالے پڑنے کا شدید اندیشہ لاحق رہتا تھا۔ تاویل عام کے لحاظ سے دیکھئے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ ہمیں خوب اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ اقامتِ دین کی جدوجہد فرض ہے: **أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ**۔ لیکن یہ قدم کیسے بڑھائیں، اندیشہ یہ لاحق ہے کہ کھائیں گے کیا؟ پہنیں گے کیا؟ معاش کا بندوبست کیسے ہوگا؟ اس طرف بڑھتا ہوں تو میرا کاروبار بٹھکتا ہے۔ سودی لین دین چھوڑ دوں تو اس کا مطلب ہے کہ بساطِ لپیٹ دوں۔ اگر رشوت لینا چھوڑتا ہوں تو اپنا معیار زندگی کیسے قائم رکھ سکوں گا، جس کا خوگر ہو چکا ہوں۔ میرے بیوی بچے تو پرائیڈوں کے عادی ہو چکے ہیں۔ اب ان کو سوکھی روٹی کیسے کھلاؤں گا! ان کو جو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلانے کے منصوبے ہیں ان پر عمل کیسے ہوگا۔ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ یہ ہے وہ سب سے بڑی رکاوٹ اور سب سے بڑا منحصر جس سے ایسا شخص دوچار ہوتا ہے جس پر حق واضح ہونے کے باوجود اس کی طرف پیش قدمی سے وہ ہچکچاتا ہے۔ اسی طرف حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ میں مختلف اسالیب سے توجہ دلائی گئی ہے۔ ایک وعظ میں آنحضرتؐ کے الفاظ آئے ہیں:

” کیوں فکر کرتے ہو کہ کیا کھاؤ گے اور کیا پیو گے۔ تم جنگل کی چڑیوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ نہ پل چلاتی ہیں، نہ بوتی ہیں، نہ کاتتی ہیں نہ کھتوں میں بھر کر رکھتی ہیں لیکن پھر بھی وہ صبح کو خالی پیٹ اپنے گھونسلوں سے نکلتی ہیں اور شام کو آسودہ ہو کر لوٹ آتی ہیں۔ اے بے یقینو! جو آسمانی باپان کو کھلاتا پلاتا ہے کیا وہ تمہیں نہیں کھلائے گا پلائے گا۔ تم کیوں اس فکر میں مبتلا ہو کہ کیا پہنو گے؟ جنگل کی سوسن کو نہیں دیکھتے وہ نہ بوتی ہے نہ کاتتی ہے نہ بنتی ہے پھر بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ جتنا شاندار لباس وہ پہنتی ہے سلیمان بھی اپنی ساری شان و شوکت کے باوجود ایسا ملبس نہ تھا۔ جو آسمانی باپ جنگل کی گھانس کو اتنا خوشنما لباس پہناتا ہے کیا وہ تمہیں نہ پہنائے گا؟“

یہ ہے توکل علی اللہ کا ایک انداز جو اب بھی محرف اناجیل میں موجود ہے۔ چونکہ نور تو ایک ہی ہے، مشکوٰۃ تو ایک ہی ہے، طاق تو ایک ہی ہے۔ جہاں یہ دیئے اور چراغ روشن ہیں۔ بعد میں تحریفات ہو گئیں یہ بات دوسری ہے۔ ورنہ تورات کا سرچشمہ کون سا ہے! تورات بھی اللہ ہی کی کتاب ہے۔ انجیل کا منبع کیا ہے! وہی اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ اللہ تبارک و سبحانہ ہی کے طاق کا انتہائی روشن چراغ۔ یہ قرآن مجید فرقان حمید ہے جس کو یہ خصوصی تحفظ حاصل ہے کہ اس میں لفظی تحریف نہیں ہو سکتی۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَٰخٰفِظُوْنَ بِرِزْقِ حَقِیْقِی اللّٰہِ ہِیَ ہ۔ یہی بات یہاں فرمائی: اللّٰہُ لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ یُرِزِقُہُنَّ بِرِزْقِہٖ وَہُوَ الْقَوِیُّ الْحَزِیْظُ۔ لطیف کے دو معنی ہیں اور دونوں یہاں بڑی بلاغت کے ساتھ آ رہے ہیں۔ ان کی وضاحت میں آگے کہہ دوں گا۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رزق اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ جیسے سورہ ہود میں فرمایا: وَمَا ہِیۡنَّ دَاۤءِبَاتٍ فِیۡ الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُہَا وَیَعْلَمُ مَسْتَقَرَّہَا وَوَسُوۡدَہَا وَہَا ہِیۡنَّ زَمِیۡنٌ مِّمَّنۡ یُّجۡلِیۡ وَہَا ہِیۡنَّ اَرْضٌ مِّمَّنۡ یُّرۡسِطُہَا وَہَا ہِیۡنَّ اَرْضٌ مِّمَّنۡ یُّرۡسِطُہَا وَہَا ہِیۡنَّ اَرْضٌ مِّمَّنۡ یُّرۡسِطُہَا۔ تمام مخلوق کا رزق اللہ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے لیکن تمہیں اعتماد

نہیں ہے۔ تمہیں یقین نہیں ہے۔ تم اللہ پر توکل نہیں کرتے۔ تمہیں اس پر بھروسہ نہیں ہے۔ تمہیں اپنے زورِ بازو پر بھروسہ ہے۔ تمہیں اپنے حساب کتاب پر زیادہ اعتماد ہے۔ اگر تمہاری تفصیلات بھری ہوئی ہیں تو تمہارے دل کو سکون ہے۔ تمہاری تجویزوں میں اگر مال ہے تو تمہیں اطمینان ہے۔ لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس پر تمہارا یقین نہیں ہے۔ — نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہد کی تعریف میں فرمایا ہے کہ
 الزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا كَيْسَتْ بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ وَلَا إِضَاعَةَ الْمَالِ وَلَكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا أَلَّا تَكُونَ بِمَا فِي يَدَيْكَ أَوْ تَتَّقِيَ بِمَا فِي يَدِي اللَّهِ — دنیا میں حقیقی زہد یہ نہیں ہے کہ دنیا کی چیزوں کو ترک کرو۔ حلال کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لو۔ مال ضائع کرو۔ بلکہ حقیقی زہد تو یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اس پر تمہارا یقین ایمان اور اعتماد زیادہ قائم ہو جائے بہ نسبت اس کے جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔ لیکن اس کے برعکس ہمارا اعتماد اور بھروسہ تو اس پر ہے جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔ — یہاں فرمایا: **اللَّهُ لَطِيفٌ يَعْبَادُهُ** "اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے" — ہم لطف کرم بولتے ہیں جس کے معنی مہربانی اور نرمی کے ہیں تو اس لطف سے بھی لطیف بنا ہے۔ معنی ہونے مہربان۔ لطیف کے ایک معنی باریک بین کے بھی ہیں۔ اس معنی میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا جو ٹرا آتا ہے۔ اللطیف الخبیر۔ نہایت باریک بین اور باخبر۔ بڑی باریک شے کو بھی جاننے والا۔ یہاں دونوں معانی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ دوسرے یہ کہ بندوں کی جو ضروریات ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی (MINUTE DETAILS) کو بھی جانتا ہے۔ تمہیں پتہ نہیں کہ تمہیں کس چیز کی ضرورت پڑے گی۔ اللہ کو معلوم ہے۔ کون بچہ جانتا ہے کہ مجھے ماں کے پیٹ سے برآمد ہوتے ہی غذا کہاں سے ملے گی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی غذا کا انتظام پہلے سے کیا ہوا ہوتا ہے۔ پیدائش بعد میں ہوتی ہے اس کی غذا کا اہتمام پہلے سے کیا ہوا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری تمام ضروریات کا انتظام پہلے سے کیا ہوا ہے۔ لیکن یہ کہ تمہیں توکل نہیں ہے۔ جیسے حضرت مسیح کے وعظ میں الفاظ آئے ہیں "لیکن تم یقین نہیں کرتے۔ تم کو توکل نہیں ہے۔ تم انہی اندیشوں میں رہتے ہو کہ کیا کھائیں گے اور کیا پہنیں گے؛ ان ہی اندیشوں کو دور کیا جا رہا ہے: **اللَّهُ لَطِيفٌ يَعْبَادُهُ يُؤْتِزُقُ**

مَنْ يَشَاءُ — سورہ طلاق میں یہی بات بڑے پیارے اور اطمینان بخش الفاظ میں فرمائی گئی ہے: وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ط إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ط اور جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کر لے گا تو اللہ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا اور وہاں سے اس کی ضروریات پوری کرے گا جہاں اسے گمان تک نہ گیا ہو۔ اور جو اللہ پر توکل کرے تو اس کے لئے اللہ کافی ہے۔ بلاشبہ بالتحقیق اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے: لہذا اس تبارک و تعالیٰ کی ذات پر توکل تو کرو، اس کے راستہ پر آؤ تو سہی — وہ تھوڑا سا امتحان بھی لے گا کہ واقعی توکل ہے یا جھوٹ موٹ کا توکل کر کے آیا ہے۔ واقعی ہم پر اعتماد ہے یا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ وہ تھوڑا سا امتحان لے کر اور ٹھوک بجا کر ضرور دیکھتا ہے۔ پھر جو اپنے آپ کو بالکل اس کے حوالے کر دے تو وہ اس کی دستگیری فرماتا ہے۔ غور کیجئے کسی شریف النفس اور بامردت انسان کے حوالے اگر آپ اپنے آپ کو کر دیں تو وہ کبھی آپ کو بے سہارا نہیں چھوڑے گا تو کیا اللہ آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا؟ جس کی شان اسی سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۲۳ کے آخر میں یہ بیان ہوئی ہے: إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ط بالتحقیق بلاشبہ اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور قدر دان ہے: ”سورہ تغابن کی آیت نمبر ۱ کے آخر میں فرمایا: وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ط۔“ اور اللہ بڑا قدر دان، بڑا بردبار ہے۔ اور سورہ حدید میں فرمایا: هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ ”تم جہاں کہیں بھی ہو گے وہ تمہارے ساتھ ہے۔“ وہ تم سے زیادہ تمہاری ضروریات کو جاننے والا ہے۔ وہ تم سے زیادہ تمہاری مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔ تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم کبھی کبھی اپنے لئے خیر مانگتے مانگتے شرمناک بیٹھے ہو: وَيَذْعُ الْإِنْسَانَ بِالْشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ط انسان اپنے خیال میں خیر مانگ رہا ہے حقیقت میں اپنے لئے شرمناک رہا ہے۔ اس لئے کہ اسے معلوم نہیں ہے کہ جو چیز مانگ رہا ہوں وہ میرے حق میں خیر نہیں ہے شر ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ وہ ٹھیلی ہے جو تم مانگ رہے حالانکہ وہ سانپ ہے۔ وہ تمہیں مچھلی نظر آئی ہے حقیقت میں وہ سانپ ہے۔ وہ تمہارے ہاتھ نہ لگی تو تم دل گرفتہ ہو گئے کہ اتنی دیر بعد ایک مچھلی نظر آئی تھی وہ بھی نکل گئی مجھ پر یہ کتنا ظلم ہو گیا، تمہیں کیا معلوم کہ اس کو کپڑے لیتے تو ہلاکت سے دوچار ہوتے۔ یہی

بات تو سورہ کہف میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کے واقعہ میں بیان ہوئی ہے۔ حضرت خضرؑ نے جب مسکینوں کی کشتی میں عیب پیدا کر دیا تو حضرت موسیٰؑ کو جو جلال آتا تھا اور انہوں نے اعتراض کیا تھا اَخْرَجْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ لیکن سوچئے کہ اس کشتی کے مالکوں نے یہی سوچا ہوگا کہ ہم غریبوں کے پاس روزی کمانے کا یہی ایک ذریعہ تھا، اس میں بھی خرابی پیدا ہو گئی۔ جب حضرت موسیٰؑ کو تشویش ہوئی تو کشتی کے مالکوں کو کیوں نہ ہوئی ہوگی۔ لیکن حضرت خضرؑ نے اللہ کے حکم سے اس کا تختہ اس لئے اکھڑا تھا کہ اگر یہ عیب پیدا نہ ہوا ہوتا تو بادشاہ نے کشتی ضبط کر لینی تھی۔ وہاں پوری کشتی جا رہی تھی یہاں تو صرف ایک تختہ اکھڑا ہے جس کی واپس جا کر مرمت ہو جائے گی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پوری کشتی گئی تھی لیکن یہ حقائق کسی کو معلوم نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضرت خضرؑ کو اس پر مطلع کیا تھا۔ یہی ہے اصل میں ظاہر و باطن کا فرق۔ فرمایا: **اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ**۔ وہ قوی ہے۔ قدرت و قوت والا ہے۔ توانا ہے۔ وہ زبردست اور غالب ہے۔ وہ جو چاہے کر گزرے۔ اس کو روکنے والا کوئی نہیں۔ اس کے خزانوں میں کمی نہیں ہے۔ وہ جس کو جتنا چاہے دے دے۔ **يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ** اس کے فیصلے اور اس کے ارادے کے آگے کوئی رکاوٹ بننے والا نہیں ہے۔

مکافات و مجازات کا قانون الہی

آگے چلئے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ۝

تم میں سے جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے ہم دنیا ہی میں دے دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

یہ بڑا پیارا اور اعلیٰ قانون ہے۔ یہاں یہ مختصر طور پر آیا ہے سورہ بنی اسرائیل کے

دوسرے رکوع میں اس موضوع کا نقطہ عروج (CLIMAX) بیان ہوا ہے۔ ہر مضمون قرآن مجید میں کہیں نہ کہیں اپنی آخری شان میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں دیکھئے فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ "جو کوئی طالب ہو آخرت کی کھیتی کا۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ فیصلہ کیجئے کہ آپ آخرت کے طالب ہیں یا دنیا کے طالب ہیں۔ آپ کا مقصود و مطلوب آخرت ہے یا دنیا۔ عقبتی چاہئے یا دنیا چاہئے فیصلہ کیجئے شعوری طور پر فیصلہ ہو پھر اس پر ڈٹ جائیے۔ یہ نہ ہو کہ دنیا ذرا ہاتھ سے جاتی دکھائی دی تو دل پڑ مردہ ہو گیا اور طبیعت مضحک ہو گئی۔ اگر تم فیصلہ کر چکے ہو کہ تمہاری مراد آخرت ہے تو اگر دنیا میں کمی آرہی ہے تو تمہیں کوئی پریشانی اور پشیمانی نہیں ہونی چاہئے۔ آدمی طے کرے کہ اولیت کس شے کو حاصل ہے، مقدم کیا ہے مؤخر کیا ہے۔ یہ فیصلہ کرے پھر اس پر جم جائے مستقیم ہو جائے۔ اسی فیصلے کو ارادہ کہا گیا ہے۔ اسی لفظ ارادہ سے لفظ "مرید" بنتا ہے۔ اراد، يُرِيدُ، اِرَادَةٌ اور اسی سے اسم فاعل مرید۔ ارادہ کرنے والا۔ اب یا تو کوئی مرید ہے آخرت کا یا کوئی مرید ہے دنیا کا۔ فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ۔ "جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طلب گار ہے اس کا ارادہ کر لے تو اس کی کھیتی میں ہم برکت دیتے رہتے ہیں۔" اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں جو نیک اعمال انسان آگے بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں پروان چڑھاتا ہے پالتا ہے پوستا ہے انہیں ترقی دیتا ہے۔ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا۔ اور جو کوئی طالب بن جاتا ہے دنیا کی کھیتی کا۔ جس کا مقصود و مطلوب دنیا بن گئی۔ نُؤْتِيهِ مِنْهَا۔ ہم اسے دے دیتے ہیں اس میں سے۔ ہم یہ نہیں کرتے کہ جو ہر حال دنیا ہی کا طالب بن گیا ہے۔ جس کی مراد دنیا ہی ہو گئی ہے اسے ہم دنیا سے بھی محروم کر دیں۔ لہذا دنیا میں سے اُسے ہم کچھ دے دلا دیتے ہیں۔ وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ أُصَيْبٍ۔ پھر ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ تم یہ چاہو کہ یہ بھی ملے اور وہ بھی ملے دو دو اور وہ بھی چڑھی۔ یہ مشکل ہے۔ طے کر دو کہ کیا اصل مطلوب و مقصود اور مراد ہے۔! آخرت کے طلب گار ہو تو آخرت کی کھیتی میں برکتیں ہی برکتیں ہیں۔ بڑھوتری ہی بڑھوتری ہے لیکن اگر تم طالب دنیا بن گئے ہو تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں سے تمہیں کچھ نہ کچھ دے دلا دے گا لیکن آخرت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ مختصر

تشریح و توضیح ہے۔ اس آیت مبارکہ کی کہ مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ لَصِيبٍ ط

طلب کے مطابق دوجداگانہ انجام

مناسب ہوگا کہ لگے ہاتھوں میں سورہ بنی اسرائیل کی وہ آیات بھی آپ کو سنائی
دوں جو میرے نزدیک اس موضوع پر قرآن مجید کا ذرہ سناں یعنی چوٹی ہیں۔ یہ
آیات نمبر ۱۸ اور ۱۹ ہیں فرمایا:

وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ يُرِيدُ
ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا قَدْ حُورِّا ۝ وَمَنْ
أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ
سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝

عجلت کہتے ہیں جلدی کو۔ دنیا کے فوائد اور اس کی لذات چونکہ نقد ہیں، موجود ہیں،
سامنے ہیں لہذا قرآن اس کو عاجلہ سے منسوب کرتا ہے۔ دنیا عاجلہ ہے۔ فرمایا: مَنْ كَانَ
يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ۔ جسے یہ جلدی والی نعمتیں مطلوب ہیں، یہاں کا عیش، یہاں کا آرام،
یہاں کی عزت، یہاں کی دولت، یہاں کی شہرت، یہاں کی ثروت، یہاں کی وجاہت، یہاں
کا اقتدار جسے چاہیے۔ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ يُرِيدُ۔ ہم جلدی سے
دیدیتے ہیں اس میں سے یعنی دنیا میں سے جو ہم چاہیں اور جس کے لئے چاہیں، یہاں
ایک بات مکمل ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ یہ فروری نہیں ہے کہ آپ دنیا کے طالب نہیں۔
تو جو آپ چاہیں وہ آپ کو مل جائے۔ پھر تو یہاں ہر شخص کو ڈرتی ہوتا۔ یہاں تو بہت
سے ایسے ہیں جو ساری عمر جو تیاں پٹخارتے دنیا کے پیچھے پھرتے رہتے ہیں پھر بھی اس دنیا
سے بہت تھوڑا ہی ان کے ہاتھ لگتا ہے۔ اصل فیصلہ و اختیار تو اللہ تعالیٰ کے اپنے
ہاتھ میں ہے۔ لہذا فرمایا کہ جو کوئی اس عاجلہ کا طلب گار بن جائے گا تو عَجَلْنَا لَهُ
فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ يُرِيدُ۔ ہم اسے یہیں جلدی دے دیتے ہیں اس دنیا میں جو کچھ
چاہیں اور جتنا چاہیں، ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا قَدْ حُورِّا ط

”پھر ہم اس کے لئے جہنم کا ٹھکانا مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ جموں کا جلنے گا۔ ملامت و مذمت زدہ ہو کر اور دھکے دیئے جا کر“ — آیت نمبر سترہ میں دنیا یعنی عاجلہ کے خواہش مندوں اور طلب گاروں کو جس انجام کا اسے آخرت میں دوچار ہونا پڑے گا اس کا بیان ختم ہوا۔ اب اگلی آیت میں ان لوگوں کے انجام کو بیان کیا جا رہا ہے جو اس دنیا میں عاجلہ کے بجائے آخرت کے طلب گار ہوں گے۔ یہاں آپ دیکھیں گے کہ دو شرطیں بیان ہو رہی ہیں۔ فرمایا: **وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا**۔ اور جو آخرت کا طلب گار بن جائے اس کا خواہش مند ہو اور وہ اس کے لئے محنت کرے۔ دو ڈر دھوپ کرے جیسی کہ اس کے لئے محنت اور تگ و دو کرنی چاہئے، یعنی اگر نہ بانی کلامی آخرت کے طلب گار بن کر بیٹھ جاؤ گے تو وہ تمہاری سچی طلب نہیں ہوگی۔ آخرت کے سچے اور حقیقی طالب ہو تو اس کے حصول کے لئے محنت کرو۔ ایسی محنت جیسی کہ اس کے لئے ضروری ہے۔ دنیا کا جو طالب ہوتا ہے کیا اسے بغیر دنیا کے دنیا مل جاتی ہے! صبح سے شام تک کمر توڑ دینے والی مشقت آدمی کرتا ہے تب جا کر کہیں دنیا ملتی ہے۔ اگر آخرت کی حقیقی طلب ہے تو اسی کی مطابقت سے محنت و مشقت اور سچی و جہد بھی کرنی پڑے گی۔ آگے فرمایا: **وَ هُوَ مُؤْمِنٌ** اور وہ ہو صاحبِ ایمان — توحید کے التزام اور شرک سے بالکل اجتناب کے ساتھ اللہ پر ایمان رکھتا ہو۔ ان تمام احوال آخرت پر یقین قلبی رکھتا ہو جن کی خبریں قرآن مجید اور صحیح احادیث میں آئی ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم النبیین والمرسلین کی حیثیت سے دل سے تصدیق کرتا ہو۔ تو ایسے شخص کے لئے خوش خبری ہے اس انجام کی کہ: **فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا** تو ایسے شخص کی محنت مشکور ہو کر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی قدر فرمائے گا۔ ان کا مقصود و مطلوب ان کو مل جائے گا۔ اللہ کی رضا ان کو حاصل ہوگی اور آخرت میں ان کے لئے راحت عمدہ رزق اور نعمتوں سے مالا مال جنت ہوگی: **فَرُوحٌ وَ رِجَاجٌ وَ جَنَّاتٌ نَّعِيمٌ**۔ پس سورہ بنی اسرائیل کی یہ دو آیتیں بہت اہم ہیں اس موضوع پر جو یہاں سورہ شوریٰ میں اس آیت میں بیان ہوا۔ البتہ ترتیب بدلی ہوئی ہے۔ یہاں پہلے دنیا پھر آخرت کا بیان ہوا جبکہ سورہ شوریٰ میں پہلے آخرت کا پھر دنیا کا اور آخرت میں بے نصیبی کا ذکر ہوا۔ فرمایا: **مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَ**

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ فِيهَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ لَصِيبٍ ۝

مشرکین کے پاس کوئی شریعت اور دین نہیں ہوتا

الحمد للہ ہم اب آخری آیت پر پہنچ گئے۔ میں آج اس آیت تک آپ حضرات کو ضرور پہنچانا چاہتا تھا۔ چونکہ گفتگو کا آغاز "شَرَعَ لَكُمْ" سے ہوا تھا۔ اس آیت کے پہلے حصہ میں بھی یہی مضمون ایک دوسری اہم بات کی وضاحت کے لئے آ رہا ہے اور اس کا آیت نمبر ۱۱ سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ فرمایا:

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنَ بِهِ اللَّهُ

کیا ان لوگوں کے لئے (اللہ کے) کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے از قسم دین از قسم نظام حیات اور دستور زندگی کوئی ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے ایسی شریعت دی ہے جس کا اللہ نے حکم یا اذن نہیں دیا۔؟

آیت کے حصہ کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہوگی۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی اور اسی توحید پر مبنی دین قائم کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ آپ کے منیٰ طبین جو اب مخالفین بن گئے ہیں، وہ کون ہیں؟ ایک طرف مشرکین

ایک طرف اہل کتاب۔ اہل کتاب کے بارے میں تو گفتگو تفصیل سے ہو چکی۔ البتہ

مشرکین کے بارے میں بات کا ایک حصہ چھوڑ دیا گیا تھا وہ یہاں کی جا رہی ہے اور

ان سے بھی گفتگو کی تکمیل یہاں ہو رہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ دنیا میں شرک کے نظام میں یہ

بات ملے گی کہ ہر نظام شرک میں کچھ دیویاں، کچھ دیوتا، کچھ چھوٹے خدا تو بنا دیئے جاتے

ہیں لیکن آج تک سی دیوی یا دیوتا کا بھیجا ہوا کوئی صحیفہ، کوئی شریعت کوئی کتاب کہیں

نہیں ہے۔ وہ بہت سی دیویوں اور دیوتاؤں کو پوج رہے ہیں لیکن کیا وہ اس کے

مدعی ہیں کہ ہمارے پاس فلاں دیوی یا دیوتا کا دیا ہوا یہ صحیفہ ہے۔ ہندوؤں سے پوچھ

دیکھئے وہ کسی دیوی دیوتا سے کوئی صحیفہ منسوب کر ہی نہیں سکتے۔ اس لئے کہ اس کا سرے

سے وجود ہے ہی نہیں۔ عرب کے مشرکین لات، منات، عزیٰ، ہبل اور نہ معلوم

کن کن ناموں کے بتوں کو پوجتے تھے لیکن ان بتوں نے انہیں کوئی شریعت دی تھی؟

کوئی قانون دیا تھا؟ کوئی نظام دیا تھا؟ کچھ بھی نہیں۔ نہ وہ اس کے مدعی تھے۔

ثابت یہ ہوا کہ تمام اصنام مشرکین کے اپنے ذہنوں کے تراشے ہوئے تھے۔ اگر ان کی کوئی حقیقت ہوتی تو وہ کوئی نہ کوئی شریعت دیتے۔ کوئی قانون دیتے کوئی ضابطہ دیتے کچھ اصول دیتے۔ کسی شے کو حلال ٹھہراتے اور کسی کو حرام۔ اگر واقعی کسی میں الوہیت ہو تو وہ دین دے گا۔ حقیقت ان کی کوئی نہیں۔ اسی لئے یہاں استغفار میں انداز میں فرمایا
 اٰهٰلَہُمْ شُرَکَکُوْا اَشْرَعُوْا اَللّٰہُمَّ مِنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْ بِہِ اللّٰہُ ط کیا ہیں ان کے کوئی ایسے شریک جنہوں نے ان کے لئے وہ شریعت دی ہو، جنہوں نے ان کے لئے وہ نظام تجویز کیا ہو جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا؟

موجودہ مشرکانہ و مبتدعانہ افعال پر انطباق

اب آپ غور کیجئے ہمارے یہاں بھی جن جن کو پوجا جا رہے ہیں کیا ان کی طرف سے کوئی ہدایت ہے، کوئی صحیفہ ہے، کوئی شریعت ہے۔ کیا انہوں نے وصیت کی تھی کہ ہماری قبروں کو عبادت کا ہیں بنا لینا۔ کچھ بھی تو نہیں۔ یہ سب صرف اسلئے ایجاد کر لیا گیا کہ: **ہُوَ اَوَّلُ شَفَعَاتٍ عِنْدَ اللّٰہِ** یا یہ کہ **لِیَقْرَبُوْنَا اِلٰی اللّٰہِ زُلْفٰی**۔ اسی کے پیش نظر ان کے مزاروں پر چڑھاؤ چڑھائے جاتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے لئے وسیلہ بن جائیں گے۔ یہ ہمارے لئے سفارشی بن جائیں گے۔ یہ وہاں ہمارا بیڑہ پار لگوادیں گے۔ یہ سب کچھ کیا ہے! ان کو قرآن امانی کہتا ہے **تِلْکَ اٰمَانِیَّتُہُمْ**۔ یہ ان کی تمنائیں ہیں اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خود کو مسلمان کہنے کے باوجود خود دین پر عمل کریں نہیں اور دل میں ان تمناؤں اور آرزوؤں کی پرورش کرتے رہیں کہ فلاں فلاں اولیاء اللہ ہماری شفاعت کریں گے چونکہ ہم نے ان کے مزاروں کی۔ ان کے مقبروں کی، ان کی درگاہوں کی، ان کے سجادہ نشینوں کی بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ نذرانے پیش کئے ہیں۔ چڑھاؤ چڑھائے ہیں۔ ان کی نیا نہ دی ہے۔ یہ سب کچھ اس دین اور شریعت کے منافی ہے جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا ہے۔ اس خیال است و حال است و جنوں یہ بے موضوع اور مضمون آیت کے اس

مشرکین دین سے تہی دست ہوتے ہیں | حصّۃ کا کہ شرک کے قائل لوگوں کے پاس کوئی شریعت نہیں، کوئی کتاب نہیں، کوئی صحیفہ نہیں، ان کے پاس کوئی نظام نہیں

اس لئے کہ شرک جن ہستیوں کو الوہیت میں شریک ٹھہراتا ہے ان کی کوئی حقیقت ہے ہی نہیں۔ اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ۔ کیا ہیں ان کے ایسے شرکار؟ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ۔ جنہوں نے ان کے لئے دین میں سے کچھ دیا ہو۔ کوئی ضابطہ، کوئی قانون، کوئی دستور، کوئی شریعت انہیں دی ہو۔ یہی تو ہیں موجودہ عیسائیت کے متعلق کہا کرتا ہوں کہ یہ دین نہیں ہے محض عقیدہ (DOGMA) بن کر رہ گئی ہے۔ کسی مشرکانہ نظام میں پوجا پاٹ کے کچھ ضابطے اگر ہیں تو وہ پجاریوں اور پنڈتوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ کم از کم ان کو اتنا (CREDIT) ضرور ملتا ہے کہ انہوں نے جھوٹوں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ ہمارے فلاں دیوی یا دیوتا کا نازل کردہ ہے۔ یا پوجا پاٹ کے فلاں طور طریقے فلاں فلاں دیوی یا دیوتا کے مقرر کردہ ہیں۔ ہندوستان یا قبل ظہور اسلام عرب میں کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ فلاں صحیفہ فلاں دیوی دیوتا یا فلاں بت کا نازل کردہ ہے۔ یہ بات ہے جو آیت زیر درس میں بیان ہو رہی ہے۔ اس کے تقابل میں لائے آیت مبارکہ کے اس حصہ کو جس کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں کہ: **اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ**۔ اللہ تو وہ ہستی ہے کہ جس نے حق کے ساتھ کتاب اتاری اور میزان اتاری۔ تمہیں نظام دیا، تمہیں شریعت دی، تمہیں قانون دیا، تمہیں ایک نظام عدل اجتماعی عطا فرمایا۔ اس اللہ کے مقابلہ میں تم جن کو شریک ٹھہرا رہے ہو، ان کی طرف سے دی ہوئی کوئی شریعت، کوئی نظام، کوئی ہدایت سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔! یہ ہوا مفہوم و مطلب آیت کے اس حصہ کا: **اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ**۔

اجلِ مسمیٰ کے ضابطہ کا اعادہ

آگے چلے فرمایا:

رَلَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَضْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

”اگر آخری فیصلہ کے لئے نہ ہو چکا ہوتا تو ان کا قضیہ چکا دیا گیا ہوتا اور یقیناً ان ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے“

اب ان مشرکوں کے متعلق اسی سنت اللہ کے بیان کا اعادہ ہو رہا ہے جو اہل کتاب کے بارے میں بایں الفاظ فرمایا گیا تھا، جس کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں: **وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَهْلِ مِثْقَالِ تُفْحَمٍ لَّقَضَيْنَا بِهِمُ اللَّحْمَ الَّذِي تَعَالَىٰ نَسِئًا**۔

دنیا میں پیدا ہونے والے تمام انسانوں کے لئے جہاں ایک مہلت عمر اور مہلت عمل مقرر کر رکھی ہے، وہاں اس دنیا کے آخری انجام یعنی الساعة (قیامت) کے لئے بھی اپنے علم ازلی میں ایک وقت طے کیا ہوا ہے۔ اس کا علم اس نے کسی کو نہیں دیا: **لَيْسَ لَكُ عَنِ السَّاعَةِ آيَانٌ مِّنْ سَمْعِهَا هَٰ فِيْمَا أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا هَٰ إِلَىٰ رَبِّكَ مِّنْتَهُمَا هَٰ**۔

”اے نبی! یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کی گھڑی کب آکر ٹھہرے گی؟ آپ کا کیا کام کہ اس کا وقت بتائیں۔ اس کا علم تو اللہ پر ہی ختم ہے۔“ اور جیسے فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ** ”قیامت کی گھڑی کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے“ لہذا یہاں مشرکوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر آخری گھڑی کا پہلے سے وقت اللہ کے علم میں طے ہو چکا ہوتا تو تمہارا بھی قضیہ چکا دیا جاتا۔ یہ بات پیش نظر ہے کہ قرآن مجید کے اصطلاح میں اکثر و بیشتر ظلم کا لفظ شرک اور ظالمین کا لفظ مشرکین کے لئے آتا ہے۔

جیسے: **إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ**۔

درس کا خلاصہ

اختتام سے قبل میں چاہوں گا کہ آج ان آیات کے مطالعہ سے جو ہم باتیں ہم سامنے آئی ہیں، ان کو بطور خلاصہ آپ کے سامنے انتہائی اختصار کے ساتھ رکھ دوں۔

اقامتِ دین کا حکم ہمارے سامنے سورہ شوریٰ کی عظیم ترین آیت نمبر ۳۱ کے ذریعہ آیا: **أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ**۔ اس امر کی تاکید بھی آئی کہ اقامتِ دین کے بارے میں تفہیم میں نہ پڑنا: **وَلَا تَتَّقُوا قَوْمًا فِيهِ**۔ مزید برآں اس درس کے ذریعے ہمارے سامنے امور آئے کہ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں دو گروہ تھے مشرکین اور اہل کتاب۔ ان دونوں کا طرزِ عمل پھر ان دونوں کے بارے میں حضور کے لئے رہنما بھی ہمارے سامنے آئی۔ پھر حضور کو اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی کے لئے کمر بستہ ہو کر حکم۔ اپنے موقف پر جم جانے، ڈٹ جانے اور مستقیم ہو جانے کی تاکید۔ حضور

اس امر کا اعلان کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے مابین نظامِ عدل و قسط قائم کروں :
 وَ أَمَرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ - بھی ہمارے سامنے آیا۔ ان تمام امور کے پرہیزے
 میں تاقیامِ قیامت اہل ایمان کے لئے رہنمائی اور ہدایت آئی ہے کہ ہمارے آخری رسولؐ
 کے امتی ہونے کی حیثیت سے اقامتِ دینِ عدل و قسط پر یعنی نظامِ اجتماعی اور اجتماعی
 توحید کا قیام و نفاذ ہر تدعیٰ ایمان پر لازم ہے، واجب ہے، فرض ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ
 کی توفیق سے اس کام کے لئے جدوجہد کا بیڑا اٹھالیں ان کو ان آیات سے مکمل رہنمائی حاصل
 ہو سکتی ہے۔ جس عظیم کام کے لئے اللہ کے رسول مبعوث ہوتے رہے، ان کو بینات عطا
 ہوتی رہیں، ان کو کتب سماوی اور شریعت الہیہ عطا ہوتی رہی کہ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ
 — نبوت و رسالت کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتمام و اكمال اور اختتام کے بعد
 اب یہ کام امتِ مسلمہ کے ذمہ ہے۔ جو لوگ مہاجِ نبوت کے مطابق فریضہ اقامتِ دین
 کے لئے گمراہیوں میں ان کے لئے ان آیات میں تمام اصول عطا کر دیئے گئے ہیں۔

میں نے ارادہ کیا تھا کہ آج ان شاء اللہ آیت نمبر ۱۳ سے آیت نمبر ۲۱ تک کل
 نو آیات کا مطالعہ مکمل ہو جائے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل سے مجھے ہمت
 دی کہ جیسے بھی ہو سکا میں نے بیان مکمل کر لیا اور آپ کو بھی ہمت دی کہ آپ نے نہایت
 سکون اور مبروثبات کے ساتھ یہ ساری باتیں سن لیں۔ میں اس بات کا پھر اعادہ کرتا ہوں
 کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کا جو بھی حقیر سافہم مجھے عطا فرمایا ہے اور مجھے مطالعہ قرآن مجید
 کا جو موقع مرحمت فرمایا ہے، اس کی رو سے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ میرے
 نزدیک اقامتِ دین کے موضوع پر سورہ شوریٰ کی آیت ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ قرآن مجید کی اہم
 ترین آیات ہیں۔ آج کا یہ اجتماع دعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ کل انشاء اللہ
 ہم اسی سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۳۶ سے آیت نمبر ۵۰ تک کا مطالعہ کریں گے۔

أَتُوبُ قَوْلِي هَذَا وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَ لَكُمْ وَ لِسَائِرِ الْمُسْلِمِينَ
 وَ الْمُسْلِمَاتِ وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ !

توسیع عملی

درس شانسی سورہ شوری

از آیات ۳۶ تا ۵۰

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ
 اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٣٦﴾ وَ
 الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْأَثْمِ وَالْفَوَاحِشِ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ
 يَغْفِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۖ وَ
 أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ إِذَا
 أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٣٩﴾ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا
 فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾
 وَلَمَنْ اتَّصَرَ بِعَدُوِّهِ فَاتَّقِ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤١﴾
 السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ
 الْحَقِّ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ
 لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿٤٣﴾ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَّائٍ ۖ مَنْ

بَعْدَهُ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ
 مِّنْ سَبِيلٍ ۗ وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشِيعِينَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُونَ
 مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخُسْرَيْنَ الَّذِينَ خَسِرُوا
 أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ۝
 وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَمَنْ يُضِلِلِ
 اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ۗ ۝ اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ
 لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ مَا لَكُم مِّنْ مَّجَاءٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُم مِّنْ تَكْبِيرٍ ۝
 فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ
 وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَفَرِحَ بِهَا وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ
 بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ ۝ ۝ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ
 الْأَرْضِ يُخْلِقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنْ أَرَادَ أَنْ يُنْفِثَ لِمَنْ يَشَاءُ
 الذُّكُورَ ۗ أَوْ يَزْوَجَهُمْ ذُكْرًا أَوْ إِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ
 عَلِيمٌ قَدِيرٌ ۝

مندرجہ بالا آیات کی تلاوت اور ادعیہ مسنونہ کے بعد فرمایا:

کل ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورہ شوریٰ کی نو آیات از ۱۳ تا ۲۱
 کا مطالعہ مکمل کر لیا تھا۔ آج اسی سورہ مبارکہ کی پندرہ آیات از ۳۶ تا ۵۰ کا مطالعہ
 پیش نظر ہے۔ میری کوشش ہوگی ان آیات کا مطالعہ آج کی نشست میں مکمل ہو جائے
 لیکن کوشش میری ہوگی۔ اس کو کامیاب فرمانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے: اَلَسَعَىٰ
 مِنَّا دَالِئَاتِنَا مِنَ اللَّهِ۔

مجھے یہ احساس ہے اور جس طرح میرا دل کٹ رہا ہے کہ ہم نے سورہ شوریٰ کے
 بہت سی آیات کو اس دقت چھوڑ دیا انہیں مطالعہ میں شامل نہیں کیا۔ ابتدائی بارہ

آیات پھر درمیان میں آیات ۲۲ سے ۳۵ تک پھر آخری تین آیات ۵۱ تا ۵۲ زبیر درس نہ اُسکیں۔ اس کی وجہ آپ کے علم میں ہے کہ اعلان یہی کیا گیا تھا کہ سورہ شوری اقامت دین کے موضوع پر قرآن مجید کا ذرہٴ سنام ہے، اس کی چوٹی ہے اور ہم اس سورت کے انہی مقامات کا مطالعہ کریں گے جو خاص طور پر اس موضوع سے متعلق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنی تقریر میں مکی سورتوں کے مضامین کے بارے میں چند عمومی باتیں عرض کر دی تھیں۔ چند چھوٹی چھوٹی سورتوں کو چھوڑ کر بقیہ مکی سورتوں میں جو حجم کے اعتبار سے بڑی ہیں چند مضامین تو سب میں مشترک ہیں۔ جیسے ایمانیاتِ ثلاثہ، توحید کا بیان، آخرت کا بیان اور اس کے ذیل میں جنت و دوزخ کا ذکر، یوم قیامت کے شدائد و مصائب کا ذکر، رسالت کا بیان اور اس ضمن میں قصص الانبیاء و انباء الرسل۔ یوں سمجھ لیجئے کہ چند مستثنیات کے سوا کوئی مکی سورت ہو نہیں سکتی جو ان مضامین سے خالی ہو۔ بعض دلائل، بعض استشادات اور استدلالات وہ ہیں جو مشترک ہیں اور بار بار دہرا دہرا کر آئے ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا تھا کہ بنیادی اخلاقیات کا ذکر بھی آپ کو اکثر مکی سورتوں میں ملے گا۔ ان میں شریعت کے احکام نہیں ہیں۔ البتہ بنیادی اخلاقیات کی تعلیم ہے۔ ویسے یہ کہ ہر سورت کا اپنا ایک رنگ بھی ہے، کسی میں توحید کا رنگ زیادہ نمایاں اور غالب ہے، کسی میں رسالت کا مضمون تفصیل سے بیان ہوا ہے، کسی میں آخرت کا ذکر زیادہ شرح و بسط کے ساتھ آیا ہے۔ یہ باتیں میں ابتدائی تقریر میں آپ کے سامنے عرض کر چکا ہوں۔

اس سورہ کا دوسرا اہم موضوع | اس سورہ مبارکہ میں دو خصوصی مضامین آئے ہیں۔ حکمت دین کے اعتبار سے ایک بڑا اہم مضمون بھی

اس میں وارد ہوا ہے۔ میں نے اس پر گفتگو نہیں کی ہے۔ اس مضمون کے اعتبار سے بھی سورہ شوری قرآن مجید کی اہم ترین سورت ہے۔ وہ موضوع ہے "حقیقت وحی اور اقسام وحی"۔ حروف مقطعات کے بعد یہ سورت شروع ہی ہوتی ہے وحی کے ذکر سے: كَذَلِكَ يُوحِيٓ اِلَيْكَ وَاِلَى السَّٰدِثِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اسی طرح اللہ العزیز الحکیم وحی کرتا ہے آپ کی طرف اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اسی طرح آپ سے پہلے انبیاء و رسل کی طرف وحی کرتا رہا ہے۔

وہی ذاتِ واحد ہے جو محبوبِ برحق ہے، زبردست و غالب انتہائی حکمت والا ہے۔
 پھر اختتام پر جو تین آیات وارد ہوئی ہیں انکے متعلق جان لیجئے کہ وہ اس موضوع پر
 نہایت اہم ہیں کہ حقیقت وحی، اقسام وحی اور حقیقت ایمان کیا ہے! ایمان کا نفع و حشر
 کیا ہے! وحی کے آغاز سے پہلے نبی کا ایمان کس نوعیت کا تھا! وحی کے آغاز کے
 بعد اس میں کس چیز کا اضافہ ہوا۔! حکمتِ دین کے اعتبار سے یہ بہت اہم موضوع
 ہے۔ اور اس موضوع پر بھی سورہ شوریٰ میرے مطالعہ کی رو سے قرآن مجید کا ذرہ
 سنا ہے۔ لیکن ان تین دنوں کے درس میں اس موضوع کو میں نے نہیں چھیڑا۔ بہر حال یہ
 موضوع اپنی جگہ بہت اہم ہے اور میں یہ بھی عرض کر دوں کہ مجھے اس سے ایک خصوصی
 دلچسپی بھی ہے۔ اپنے اپنے ذوق کے مطابق کسی کو کسی خاص موضوع سے طبعاً مناسبت
 ہوتی ہے تو حقیقت و اقسام وحی وہ موضوع ہے جس سے مجھے خصوصی شغف ہے اور جسے
 میرے ذہن سے مناسبت ہے۔ لیکن میں نے اسے جان بوجھ کر چھوڑا ہے۔ اللہ کو منظور
 ہوا تو پھر کبھی اس موضوع پر درس ہوگا۔ میں نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ میں نے محسوس
 کیا۔ میرا دل کٹ رہا ہے تو میں نے سمجھا کہ آپ میں سے بھی بہت سے حضرات کو یہ بات
 گراں گزری ہوگی کہ اس سورہ مبارکہ کی جو ترتیب ہے اس کو ہم نے کیوں چھوڑا۔! یہ اس
 لئے ہوا کہ اس مرتبہ میں چاہتا تھا کہ دوسرے خاص موضوع یعنی انفرادی سطح پر توحیدِ عملی
 اور اجتماعی طور پر اس توحیدِ عملی کا اقامتِ دین کی صورت میں ظہور سے متعلق آیات کا سلسلہ وار
 مطالعہ کر لیں۔

میں نے کل عرض کیا تھا کہ اقامتِ دین کے موضوع
 سورہ کی اہم ترین آیات | پر تین آیات از ۱۳ تا ۱۵ اہم ترین آیات ہیں۔ از آدم
 تا ایں دم دین ایک ہی رہا ہے۔ اس میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا ہے۔ حضرت نوح کا
 جناب محمد کا حضرات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین ایک
 ہی ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کو قائم کرو۔ میں کل عرض کر چکا ہوں کہ دونوں
 مفہوم ہیں اَقِیْمُوا الدِّیْنَ کے۔ دین قائم ہے تو اسے قائم رکھو، اگر قائم نہیں ہے تو اس
 کو قائم کرو۔ میں نے مثال دی تھی کہ خیمہ کھڑا ہے تو اسے سنبھالے رکھو کہ گرنے جائے۔
 اگر گر گیا ہے تو اس کو کھڑا کرو۔ دونوں ترجمے درست ہیں۔ ان آیات کو ایک مرتبہ

پھر سن لیجئے تاکہ ان کی تشریح و توضیح میں میں نے جو کچھ کل عرض کیا تھا اس سے آپ کا ذہنی
رشتہ قائم ہو جائے۔ فرمایا:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا
إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا
الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ط كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ
إِلَيْهِ ط اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ
يُنَيبُ ط وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ
بِغَيَابَتِهِمْ ط وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ
مُّسَمًّى لَفُضِّبَ بَيْنَهُمْ ط وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكُتُبَ مِنْ
بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرْتَبِطٌ فَلِذَلِكَ فَادْعُ وَ
اسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ط وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ط وَقُلْ آمَنْتُ
بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ط وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ط اللَّهُ
رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ط لَنَا أَعْمَالُنَا وَلكُمْ أَعْمَالُكُمْ ط لَأُحْجَتِ
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ط اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ط وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ط

یہ تین آیات جن کے متعلق میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ میرے مطالعہ کے مطابق
اقامتِ دین کے موضوع پر قرآن مجید کا ذرہ سناں ہے۔ اس کی چوٹی ہے۔ کل ہم نے
انہی کے ساتھ چھ آیات مزید پڑھی تھیں۔ آج آغاز میں جن آیات کی میں نے تلاوت
کی تھی آج ہم اللہ کی توفیق کے بھروسے پر ان کا مطالعہ مکمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے اوصاف

اس میں سب سے پہلے تو اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے اوصاف
سامنے لائے جا رہے ہیں کہ ان کو کن اوصاف سے متصف ہونا چاہیے۔ کیا یہ ہر
کہ وہ کام ہے! کیا اپنی سیرت و کردار کے داغ لے کر بھی کوئی شخص اس میدان
میں آ کر سکتا ہے۔!! یا یہ کہ جس کی نیت ہے کہ وہ یہ فرضیہ انجام دے کیا وہ اس کے
لئے بھی تیار ہے کہ ان اوصاف کو بھی اپنے اندر پیدا کرے۔!

جماعتوں کے لئے عذر کا عذر

آگے بڑھنے سے قبل میں چاہوں گا کہ ایک بات کی طرف مختصراً اشارہ کر دوں وہ یہ کہ ہم میں سے اکثر لوگ اس عذر کا سہارا لیتے ہیں کہ ملک میں بہت سی جماعتیں دین کا کام کرنے کی مدعی ہیں، اب کس کا ساتھ دیں! میں نے کل عرض کیا تھا کہ جس طرح ایک پرانے مرض کے علاج کے لئے چار حاذق طبیبوں اور ڈاکٹروں کی پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ تشخیص اور تجویز میں اختلاف ہو سکتا ہے، اسی طرح اسیاتے دین اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے بھی تشخیص اور طریق کار میں فرق ہو سکتا ہے جو فی الواقعہ موجود ہے۔ لیکن اس سے ہمارا فرض تو ساقط نہیں ہو جاتا۔ کھلے دل کے ساتھ ان جماعتوں کا جائزہ لیجئے، ان کی تشخیص اور طریق کار پر غور و خوض کیجئے پھر جس جماعت پر دل ٹھک جائے پورے خلوص کے ساتھ اس میں شامل ہو جائیے۔ آپ ان شاء اللہ ماجور ہوں گے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ کسی شخص کو ایک جوتا خریدنا ہوتا ہے۔ تو وہ کتنی دوکانوں کا چکر لگاتا ہے کتنے بوتے دیکھتا ہے۔ پھر ایک پسند کر لیتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس نتیجہ پر پہنچ جائے کہ توحید عملی اختیار کرنا اور اقامتِ دین کے لئے جدوجہد کرنا اس پر لازم ہے، واجب ہے، فرض ہے تو وہ دین کے لئے کام کرنے والی جماعتوں کا بغور مطالعہ کرے گا اور جس پر اس کا دل ٹھک جائے گا اس کے ساتھ لگ جائے گا۔ جماعتوں کی کثرت کا عذر درحقیقت دین کے کام سے فراریت ہے، شیطان کا فریب ہے۔ بالکل بے وزن ہے اور عام معنوں میں عذر لنگ ہے۔ دین کا کام کیجئے اور کیسے ہو کر کیجئے۔ اپنی اصلاح کو مقدم رکھئے جس جماعت پر دل ٹھک جائے اس میں پوری دل جمعی کے ساتھ شامل ہو جائیے۔ اللہ کے ہاں آپ اپنے خلوص و اخلاص کے باعث ماجور ہونگے۔

معاشری خوف

آج کی زیرِ درس آیات میں سے پہلی آیت میں جو مضمون آ رہا ہے، سب سے پہلے اس کا جوڑ اس بات سے ملا لیجئے جو کل زیر گفتگو آیا تھا۔ میں نے کل عرض کیا تھا کہ اس راہ پر آنے کے لئے انسان کو یہ اندیشہ سب سے زیادہ روکتا ہے کہ کیا کھائیں گے کیا پیئیں گے؛ رزق کا معاملہ اس راہ کی بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔ کل ہم نے پڑھا تھا: **اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ** وہ کیوں فکر کرتے ہو! اللہ اپنے بندوں پر بہت بہربان ہے، وہ تعجب سے بہت باریک بین ہے، وہ تمہاری ضرورتوں کو تم سے بڑھ کر جاننے والا ہے۔ وہ القوی ہے العزیز ہے۔ البتہ طے کرنے

کی بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنی جگہ شعوری طور پر فیصلہ کرے کہ اس کا مطلوب دنیا ہے یا آخرت! فیصلہ کن بات یہ ہے۔ میں آج اس کی طرف توجہ دلاؤں گا کہ ہر شخص اپنے گریبان میں جھانکے تو اَلَا مَا شَاءَ اللہ ہمارا یہ حال ہے کہ رجحان کچھ ادھر ہے کچھ ادھر۔ آخر دین کا دل میں شغف ہے، اس کی طرف کشش ہے تب ہی تو آپ یہاں درس سننے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ یہ مجمع عام لوگوں پر تو مشتمل نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سردی کی راتوں میں دور دور سے چل کر بھی آئے ہیں اور قریب و جوار سے بھی۔ صرف اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب حمید کا درس سنیں پس معلوم ہوا کہ دین سے شغف اور اس کی جانب کشش تو ہے۔ اس کے لئے کام کرنے کی طرف طبیعت راغب اور مائل بھی ہے۔ لیکن جب دنیا کا معاملہ آتا ہے تو دل ڈولنے لگتا ہے۔ قدم ڈگمگانے لگتے ہیں۔ آدمی سوچتا ہے کہ ادھر جاؤں یا ادھر جاؤں۔

ایکاں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے کفر کعبہ سے چھپے ہے کلیا میرے آگے

یہ وہ کیفیت ہے جس میں ہم میں سے اکثر مبتلا ہیں۔

فرصت کا انتظار | کبھی کبھی ہم اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں کہ فلاں فلاں فہمہ دریاں ہیں ذرا ان سے نمٹ لیں پھر ہمہ وقت دین کے کام میں لگ جائیں گے۔ کل میں عرض کر چکا کہ اس سے بڑی خود فریبی اور کوئی نہیں ہے۔ اگر آپ دنیا کے کاموں سے ریٹائر ہو کر دین کے کاموں میں لگیں گے تو اس وقت حال یہ ہوگا کہ تو انانیاں اور صلاحیتیں ہی نہیں فہم میں بھی اضمحلال و اختلال آچکا ہوگا یا انیوالا ہوگا۔ ایک ارذل العمر بھی ہوتی ہے جس کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے: **لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا**۔ اکثر بڑے بڑے عالم و فاضل بھی ایک عمر کو پہنچ کر فہم سے بھی خالی ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ دین کے لئے کام کرنے کا اصل وقت تو وہ ہے جب جسم میں تو انائی و قوت اور فہم و علم میں صلاحیت موجود ہو۔

محاسبہ آخری | یہ حدیث میں بارہا سنا چکا ہوں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عدالتِ آخری میں ہر انسان کو کن کن باتوں کا حساب

دینا ہوگا: **لَنْ تَزُولَ تَدَمَانِ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يَسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ**۔ ابن آدم کے قدم اس کپڑے سے ہرگز ہل نہیں سکیں گے جہاں وہ اپنے

رب کے سامنے قیامت کے دن کھڑا ہوگا جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کا حساب نہ لے لیا جائے۔ عَنْ عُمَيْرَةَ فِيهَا اَفْنَاءُ۔ پوری عمر کا حساب کہ اسے کہاں فنا کیا۔ کہاں کھپایا! — ہم نے تمہیں ستر اسی برس دیئے تھے۔ یہ کہاں گنوائے! وَعَنْ شَبَابِہِ فِيهَا اَبْلَاہُ۔ خاص طور پر شباب کا دور، جوانی کا دور، سنگوں کا دور، قوتوں کا تو اناٹیوں کا دلوں کا دور جب کہ جسم میں جان ہوتی ہے۔ جب کہ تو اٹے جسمانی چاق و چوبند ہوتے ہیں۔ پوچھا جائے گا کہ وہ جوانی کے دن کہاں کھپائے اور گنوائے! عمر کے بارے میں دو سوال۔ یہی دو سوال میری موجودہ گفتگو سے متعلق ہیں۔ لیکن جب حدیث کا ذکر آگیا ہے تو پوری سن لیجئے! مال کے متعلق دو سوال: وَعَنْ مَالِہِ مِنْ اَيْنِ اَكْتَسَبَہُ وَفِيہَا النِّفَہُ۔ مال کما یا کہاں سے تھا، حلال سے یا حرام سے۔ خرچ کہاں کیا تھا! ادائے حقوق میں، دین کی خدمت میں یا عیاشیوں اور اللوں تلوں میں! اور آخری سوال جو درس قرآن کی ہر مجلس میں شرکت کے بعد اور کٹھن ہو جاتا ہے۔ اگر دین کے لئے کچھ کرنے کی نیت نہیں ہے تو یہ نفع کا نہیں گھاٹے کا سودا ہے۔ اگر کچھ کرنے کا ارادہ ہے تو یہ نفع کا سودا ہے۔ گھاٹے کا سودا کیوں ہے! اس لئے کہ آخری سوال ہوگا: وَعَمَّا عَمِلَ فِيہَا عَلْمَہُ اور جو علم حاصل ہوا تھا اس پر عمل کتنا کیا! آپ نے ایک آیت مزید سمجھ لی اور آپ کے علم میں اضافہ ہو گیا تو آیا اس کے متناسب عمل بھی بڑھا یا نہیں بڑھا! اس کا حساب دینا ہوگا! — یہ ہیں پانچ سوالات جو ہر ابن آدم سے کئے جائیں گے۔ میں نے اس حدیث کو اس وقت اس لئے بیان کیا کہ یہاں بفضلہ تعالیٰ جو نوجوان شریک ہیں ان کو معلوم ہو جائے کہ شباب اور جوانی کے متعلق آخرت میں جو اب دہی کرنی ہوگی کہ اس کو کون کاموں میں لگایا اور کھپایا۔!!

آخرت اور دنیا کے طلبگاروں کے علیحدہ علیحدہ نتائج!

کل کے مطالعہ میں ہم نے پڑھا تھا: مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِہِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِہِ مِنْہَا وَ مَالِہُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ تَصِیْبٍ۔ جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہوگا ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کرتے رہیں گے اس کو پروان چڑھاتے رہیں گے اور جو دنیا کی کھیتی

کا خواہش مند ہے اسے ہم اسی میں سے کچھ دے دلا دیں گے۔ لیکن پھر اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔“ طے کرنے کی بات یہ ہے کہ آپ کا اصل مقصود و مطلوب کیا ہے؟ مقدم کیا ہے موخر کیا ہے؟ آخرت یا دنیا۔ اسی کے مطابق آخرت میں نتائج مرتب ہوں گے۔ اسی مضمون سے آج کے درس کا جوڑ ملا لیجئے۔ اس کے ساتھ ہی بتدریج ہمارے سامنے وہ اوصاف بھی آئیں گے جو توحید عملی اور اقامتِ دین کے لئے مطلوب ہیں، فرمایا:

فَمَا أُذِقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فِي مَتَاعِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا -
جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی میں برتنے
کا سامان ہے۔“

اس آیت کے پہلے حصے میں دنیا کے سر و سامان کی اصل حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔ یہاں شئیٰ بنگرہ ہے۔ نگرہ تفخیم کے لئے بھی آتا ہے۔ خواہ بڑی سے بڑی چیز دے دی گئی ہو۔ چاہے قارون کا سا خزانہ دے دیا گیا ہو۔ اس دنیا میں کچھ بھی دے دیا گیا ہو اس کے متعلق جان لو کہ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ وہ اس فانی دنیا کے برتنے کا سامان ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ میری ملکیت ہے، تم سمجھتے ہو کہ میری جائیداد ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ اموال و اسباب دنیا تم کو دوام بخش دیں گے۔ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۗ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۗ — حالانکہ یہ سب عارضی اور فانی ہیں یاد کیجئے کہ میں نے کل عرض کیا تھا کہ مدنی سورتوں میں سورہ شوریٰ کے ہم وزن اور مماثل مضامین سورہ حدید میں آئے ہیں۔ مکی سورتوں میں جو مقام سورہ شوریٰ کا ہے، مدنی سورتوں میں وہی مقام سورہ حدید کا ہے۔ اس میں بھی اس حقیقت کو کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ اس دنیا کی زندگی کی حقیقت ہے کیا؟ جس پر تم ریجھے ہوئے ہو۔ فرمایا:

إِغْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ ۗ وَ لَهْوٌ وَ زِينَةٌ ۗ وَ تَفَاخُرٌ مِّنْ بَيْنِكُمْ ۗ وَ تَكَاثُرٌ ۗ فِي الْأَمْوَالِ ۗ وَ الْأَوْلَادِ ۗ وَ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهَيِّجُ فَتْرَتَهُ ۗ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ۗ وَ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۗ لَّا وَ مَعِينَةَ ۗ مِنَ اللَّهِ ۗ وَ رِضْوَانًا ۗ وَ

مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْخُرُودِ ۝

یہ دنیا کی زندگی دھوکے کی ٹٹی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس کا ایک حصہ تو کھیل کوڑیوں
بچپن کا گزر جاتا ہے۔ ذرا بڑے ہوئے تو کھیل کو دھوکے کی آمیزش شامل اور کچھ
سنسنی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ دلعب و لہو ہے۔ ذرا اور بڑھے تو بناؤ سنگھار اور
ٹیپ ٹاپ کی فکر لاحق ہو جاتی ہے۔ اچھے سے اچھا لباس ہو، بالکل فیشن کے مطابق
ہو اس سے کہیں بھی ذرا فرق ہو تو آپ کا دل میلا ہو جائے گا۔ اسے یہاں 'زینت'
کہا گیا ہے۔ اس سے ذرا آگے بڑھے تو دوسروں کے مقابلے میں فخر پیدا ہو جاتا ہے
اپنی دولت پر، اپنی نسل پر، اپنی وجاہت و شوکت پر۔ اسے یہاں 'تفاخر بئینکم' فرمایا گیا
۔ اس سے ذرا آگے بڑھے جب ادھیڑ مری کو پہنچے، بڑھاپے کی سرحد شروع ہوئی تو انسان

بڑا واقعیت و حقیقت پسند (REALISTIC) ہو جاتا ہے۔ اب تو خوب دولت
چاہیے، صاحبِ حیثیت اولاد کی بہتات چاہیے۔ اسے یہاں فرمایا گیا: لَتَكَاثُرُ فِي
الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ۔ میں کہا کرتا ہوں کہ جوانی کا دور وہ ہوتا ہے کہ مونچھ نیچی نہ ہو
چاہے سب کچھ چلا جائے۔ اس وقت انسان کو اپنی عزت کا اتنا پاس ہوتا ہے۔ اور
بڑھاپے میں آپ کو نظر آجائے گا کہ اسی شخص کا یہ حال ہوتا ہے کہ مونچھ نیچی ہی نہیں
مونڈنے کی نوبت آجائے تو آجائے دولت ہاتھ سے نہ جائے۔ انسان کے یہ مختلف
عواطف و میلانات ہوتے ہیں زندگی کے مختلف ادوار میں۔ آخر کار ہوتا کیا ہے کہ
انسان کا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ اس کی رُوح عالم بالا کی طرف کوچ کر جاتی
ہے اور یومِ آخرت یعنی فیصلہ کے دن کا انتظار کرتی ہے۔ اس کی یہاں مثال دی جیسے
بارش کے بعد اس سے اُگنے والے نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہو جاتے ہیں۔
کھیتی پک کر زرد ہو جاتی ہے پھر بھس بن کر رہ جاتی ہے۔ یہ ہیں تمہاری دنیا کی
زندگی کے مراحل و مدارج۔

دوایہ نجات | رہی آخرت کی زندگی تو اس میں دو قسم کے انجام ہیں: وَفِي الْآخِرَةِ

عَذَابٌ شَدِيدٌ يَأْتُو دَرْدَنًا كَعَذَابِ هَيْبَةٍ شَدِيدَةٍ
یا: وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ ۗ يَا آلِهَةَ كِتَابِهِ مَغْفِرَةٌ هِيَ وَأَرْضٌ رَّضَا هِيَ۔
تذبذب خسارہ کا سودا ہے | اس آخرت کو سامنے رکھو گے تو یہ دنیا کی زندگی ایک

دھوکہ اور فریب کی ٹٹی کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہی بات یہاں فرمائی جا رہی ہے: فَمَا
 اُوتِيتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ جُو کچھ تمہیں دیا گیا ہے
 بڑی سے بڑی چیز جو تمہیں دی گئی ہے تو جان لو کہ یہ اس دنیا کی برتنے کی چیز ہے۔
 ملکیت نہیں ہے۔ کسی اور کے لئے یہیں رہ جائے گی ویسے نفس حقیقت الامری تو یہ
 ہے: لِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ آخر کار پوری نوع انسانی رختِ سفر
 باندھے گی اور وراثت صرف اللہ ہی کے لئے رہ جائے گی۔ جب تک سوچ کا یہ انداز
 نہیں ہو گا جان لیجئے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کی وادی میں قدم رکھنا گویا نا سمجھی کی
 بات ہو جائے گی۔ اس صورت میں تو انسان قدم قدم پر ٹھٹھکے گا جس طرح گاڑی چلتے
 چلتے رک جاتی ہے (KNOCKING) کرتی ہے، اسی طرح کا معاملہ ایسے انسان کے ساتھ ہو گا جو
 یک سو نہیں ہے۔ وہ ایک قدم آگے بڑھائے گا تو دو قدم پیچھے ہٹے گا۔ ذرا آگے
 بڑھنے کو دل چاہے گا تو دنیا پیچھے کھینچے گی۔ وہ حال ہو گا جس کا نقشہ سورہ نسا میں
 کھینچا ہے: مَذٰبِذٌ بَيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۗ لَا اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَا اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ
 یہ منافقین کفر و ایمان کے درمیان ڈانوا ڈول ہو کر رہ جاتے ہیں۔ تذبذب میں گرفتار
 ہو جاتے ہیں کہ ہدایت کے راستہ پر چلیں یا نہ چلیں۔ اسی کا نقشہ سورہ حج میں اس
 طرح کھینچا گیا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّبِعُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۗ كَچھ لوگ ایسے
 ہیں جو اللہ کی بندگی اور پرستش کرتا تو چاہتے ہیں لیکن کنارے کنارے رہ کر۔ منجد ہار
 میں کو دنا نہیں چاہتے۔ وہاں خطرہ ہے، اندیشہ ہے۔ اللہ کی راہ میں کنارے کنارے
 چلنا چاہتے ہیں۔ لٰكِنۡ فَاِنۡ اَصَابَكَ خَيْرٌ مِّنۡ اِلۡمَآنٍ بِهٖ ۗ اِگرنیر و خیریت
 ہو، مالِ غنیمت مل رہا ہو، دولت بھی آرہی ہو تو مطمئن ہیں۔ وَاِنۡ اَصَابَكَ فِتْنَةٌ
 اِنۡقَلَبۡ عَلٰى وُجُوۡهِہٗ ۗ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ط۔ اور اگر آزمائش آگئی، کوئی
 کٹھن وقت آگیا، قربانی کا مرحلہ آگیا، مال دینا پڑے یا جان کے لئے خطرہ آجائے تو
 وہ اندر سے منہ گر پڑتے ہیں۔ یہ ہے دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا، نقصان، خسار۔
 ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيۡنُ ۗ اور درحقیقت یہی ہے اصل خسران۔

عزم مصمم درکار ہے | مذکورہ بالا کردار آپ کو اپنے معاشرے میں انتہائی کثرت سے ملے گا جو
 یک سو نہیں ہوا ہے۔ ایسے لوگ خال خال ہوں گے جو ط

کر لیں کہ میں تو دراصل طالبِ آخرت ہوں۔ دنیا ملتی ہے بلے، نہیں ملتی نہ ملے، جتنی بلے میرے رب کی عطا ہے لیکن دنیا کسی درجے میں بھی میرے لئے مطلوب و مقصود کا درجہ نہیں رکھتی۔ دنیا کے لئے سارے عزائم، توقعات (AMBITIONS) ختم کر کے جو شخص اس وادی میں آئے گا وہ ٹھیک ٹھاک چلے گا۔ لہذا جو بھی توحیدِ عملی کو انفرادی و اجتماعی زندگی میں نافذ کرنے کی جدوجہد کرنے کا ارادہ کرے اس کا پہلا قدم اور اس میں پہلا وصف یہ ہونا چاہیے کہ اس کا ایک شعوری اور سوچا سمجھا فیصلہ ہو، عزم مصمم (DETERMINATION) ہو کہ میرے نزدیک دنیا کی زندگی اس کا مال و متاع، اس کا ساز و سامانِ آخرت کے مقابلہ میں قطعی بیسج ہے۔ میری نظر میں اس کی پرکاش کے برابر بھی وقعت نہیں ہے۔ اقبال مرحوم کا بڑا پیارا شعر ہے

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بستانِ وہم و گماں لا الہ الا اللہ
ترجیحات کا مسئلہ | یہی دو چیزیں ہی تو آدمی کو روکتی ہیں۔ سورہ توبہ کی اس آیت کو ذہن میں لائیے، فرمایا:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تُرَضُّونَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ٥

” (اے نبی!) ان سے کہہ دیجئے اگر تمہیں اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی، اپنی بیویاں، اپنے رشتہ دار، اپنے وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں، کماٹے ہیں اور اپنے وہ کاروبار جو بڑی محنت سے تم نے جمانے ہیں جن کے کساد کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور اپنے وہ مکان جو تم نے بڑے ارمانوں اور چاؤ کے ساتھ بنائے ہیں۔ اگر یہ چیزیں تمہیں محبوب تر ہیں اللہ سے، اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو جاؤ انتظار کرو، گوگو کی کیفیت میں مبتلا رہو۔ (عام فہم زبان میں کہا جائے گا کہ جاؤ دفع ہو جاؤ)۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔ اور اللہ ایسے

فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا

جب تک آدمی یہ طے نہ کر لے کہ اس کی ترجیحات کیا ہیں! کام نہیں بنتا۔ اس آیت مبارکہ کی رو سے ہر شخص اپنے دل میں ایک میزان ایک ترازو نصب کرے پھر ایک پلٹے میں آٹھ محبتیں ڈالے اور ایک پلٹے میں تین۔ آٹھ محبتوں میں سے پانچ کا تعلق ہے رشتہ و پیوند سے۔ باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں اور عزیز و اقارب۔ یہ ہیں رشتہ و پیوند۔ اور وہ مال جو کمائے اور جمع کئے اور وہ کاروبار جو محنت سے جمائے اور چمکائے اور وہ بلڈنگیں جو بڑے شوق سے تعمیر کرائیں۔ یہ تین محبتیں ہیں مال و دولت دنیا سے

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند

بستانِ وہم و گماں لا الہ الا اللہ
جب تک آدمی ان باتوں کو نہیں توڑے گا اس وقت تک وہ یہ شعوری فیصلہ نہیں کر سکے گا کہ یہ سب کچھ اس فانی دنیا کا عارضی کھیل اور کھلونے ہیں اور میں دنیا کا طالب ہوں۔ بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں۔ میں دنیا میں ایک اجنبی اور مسافر کی حیثیت سے رہ رہا ہوں۔ مجھے اس دنیا کی (AMBITION) نہیں ہے۔

جو شعوری طور پر یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ میں تو آخرت و عاقبت کو اپنی منزل سمجھ کر اللہ کے دین کی سر بلندی کے لئے اپنی جدوجہد کا آغاز کر رہا ہوں تو ایسا شخص پھر اللہ کی راہ میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ آدمی رشتہ و پیوند اور مال و دولت دنیا کی آٹھ محبتوں کے مقابلے میں تین محبتیں 'اللہ کی محبت' اس کے رسول کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت ڈالے۔ اگر یہ پلٹا جھک جائے تو فحوا المراد لیکن اگر آٹھ محبتیں بھاری پڑ جائیں تو اللہ کی طرف سے جھٹکی ہے: فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ كَاطٍ اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ فاسق قرار دیتا ہے: وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۵

بہتر اور باقی رہنے والی دولت

اب پھر زیر مطالعہ آیت کی طرف رجوع کیجئے! فرمایا: فَمَا أُوْتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ محض چند روزہ زندگی کا برتنے کا ساز و سامان ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی۔ دنیا کا یہ ساز و سامان یا تو آپ کی زندگی میں ہی چلا جائے گا یا یہاں رہ جائے گا اور

آپ یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ بہر حال ایک نہ ایک دن توجدائی ہوگی۔ جیسے سورۃ قیامہ میں فرمایا: وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالتَّقَاتِ السَّاقِ بِالسَّاقِ ۝ نزع کے وقت انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ اب توجدائی ہے اور جب پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جاتی ہے تو اس وقت انسان یقیناً سوچتا ہوگا کہ چاہے ساری دولت چلی جائے لیکن میں یہاں رہ جاؤں۔ لیکن بہر حال اس دنیا سے جدائی انسان کا مقدر ہے۔ یہاں کی دولت اسے یہیں چھوڑنی ہے۔ رہنے والی دولت وہ ہے جو اللہ کے پاس ہے، وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ ذَالِقِي لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ پر توکل و اعتماد کیا، اللہ کے پاس بہت عمدہ اور باقی رہنے والا اجر ہے۔

یہاں دو باتیں فرمائیں 'ایمان اور اپنے رب پر توکل' | **توکل ایمان کا ثمرہ ہے** | جان لیجئے کہ ایمان کا سب سے بڑا ثمرہ توکل ہے۔

یہ یقین کہ میرے لئے کچھ نہیں ہوگا جب تک کہ اللہ کی توفیق شامل نہ ہو۔ اقامتِ دین کی جدوجہد کی راہ میں قدم بڑھانے والوں میں یہ دوسرا وصف ہونا ضروری ہے۔ اگر اپنی ذہانت، اپنی فطانت، اپنی صلاحیت، اپنی منصوبہ بندی، اپنے زورِ بازو پر تکیہ ہے تو سمجھ لیجئے کہ قدم رکھنے سے پہلے ہی ناکام ہو گئے۔ اپنی قوت کی نفی کرنا یہ ہوگا کہ میرے لئے کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں تو اللہ کی توفیق، اللہ کی تائید، اللہ کی نصرت کے بھروسہ پر اس راہ میں قدم رکھ رہا ہوں۔ توکل اس کی ذات پر ہے، اپنی ذات پر نہیں اپنے علم پر نہیں، اپنے فہم پر نہیں، اپنی محنت پر نہیں، اپنی مشقت پر نہیں، اپنی کوشش پر نہیں۔ کسی شے پر کوئی بھروسہ نہ ہو، صرف اللہ پر ہو۔ یہ بھی جان لیجئے کہ توکل کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہوتا جب تک کسی کام کے لئے دنیا میں جن مادی اسباب کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ سب آپ کے پاس ہوں اور پھر بھی آپ کو یہ یقین نہ ہو کہ ان سے کچھ ہوگا۔ بلکہ یقین یہ ہو کہ ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا۔ دیا سلائی آپ کے پاس ہے اور سوکھا کاغذ بھی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ دنیا کا جو قانون طبی ہے اور جو عادی اسباب ہیں وہ رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ آپ چسپ سے کاغذ کو جلا سکتے ہیں لیکن پھر بھی آپ کو یقین رہے کہ میں نہیں جلا سکتا اگر اللہ نہ چاہے۔ اور اگر اللہ چاہے تو دیا سلائی کے بغیر بھی کاغذ جل جائیگا۔

یہ یقین اگر نہیں ہے تو ایمان نہیں ہے۔ پھر تو ایمان ہے مادی اسباب و وسائل پر جن پر آپ کا اعتماد، تکیہ اور توکل ہے۔ انہی پر آپ کا ایمان ہے۔ اگر مادی اسباب و وسائل پر آپ کو بھروسہ اور توکل ہے۔ تو درحقیقت آپ مومن بالمادہ ہیں۔ آپ کا ایمان ہے مادہ پر اور مادی عادی اور طبعی قوانین پر۔ جب کہ توحید یہ ہے: **اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ** — اللہ ہی وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں کوئی کار ساز نہیں لہذا اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔ "عربی زبان میں حرف جار علی عموماً لزوم کے لئے آتا ہے۔ اور جیسے فرمایا: **وَأَنْزَلْنَا مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ** جو اللہ ہی پر بھروسہ کرے تو اس کے لئے اللہ کافی ہے۔ وہ ایسے راستے سے رزق دے گا جدر انسان کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ اگر قلبی اطمینان کی یہ کیفیت نہ ہو تو پھر ایمان کہاں ہے۔ توحید کہاں رہی!

آیت کے مفہایم کا حاصل اس پہلی آیت میں جو باتیں ہمارے سامنے لائی گئیں ان میں ایک تو یہ ہے کہ دنیا کی نگاہوں میں

کوئی وقعت نہ ہو دوسرے یہ کہ ایمان بالآخرۃ اتنا مستحضر ہو کہ اصل منزل آخرت ہی ہو جائے۔ اور دنیا کا سارا ساز و سامان صرف برتنے کی ایک چیز نظر آئے۔ استعمال کی چیز ہے اس لئے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تیسری یہ کہ اللہ ہی پر توکل قائم ہو چکا ہو۔ اللہ ہی کی رضا اور خوشنودی ہمارا مطلوب و مقصود اور نصب العین بن جائے۔ نصب العین کے لفظ پر مجھے یاد آیا کہ لاہور میں ہماری تنظیم اسلامی کے اجتماع میں حال ہی میں بعض باتیں میں نے واضح کیں۔ جن میں ایک خاص جماعت کی ایک غلطی کی نشاندہی بھی کی تھی کہ جہاں تک نصب العین کے لفظ کا تعلق ہے اول تو یہ قرآن و حدیث کا لفظ نہیں۔ دوسرے یہ کہ دین کا کام کرنے کے لئے ہمیں ہر اس اصطلاح سے بچنا چاہئے جو کتاب و سنت سے ماخوذ نہ ہو۔ ہمیں اصطلاحات قرآن و حدیث کی اختیار کرنی چاہئیں مثلاً تصوف ہے۔ جبکہ اس کے لئے قرآن اور حدیث میں 'احسان' کی اصطلاح موجود ہے تو اس سے بچئے اور وہ لفظ استعمال کیجئے جو قرآن و حدیث کا ہے تصوف کا لفظ مجہول النسب ہے۔ آج تک طے ہی نہیں ہو سکا کہ یہ لفظ کس زبان کا ہے اور کس لفظ سے بنا ہے۔ تصوف ہے

جو مفہوم مراد لیا جاتا ہے اس سے کہیں بہتر طور پر یہ مفہوم 'احسان' ادا کرتا ہے۔
 تو اسی کو کیوں نہ اختیار کیا جائے۔ اسی طرح سے نصب العین کتاب و سنت کی اصطلاح
 نہیں۔ اس کو ترک کر دینا مناسب ہوگا۔ دوسرے یہ کہنا کہ ایک بندہ مومن کا نصب العین
 آخرت میں اللہ کی رضا اور دنیا میں اقامتِ دین ہے، یہ بہت بڑی غلطی ہے نصب العین
 کے درجہ میں سوائے اللہ کی رضا اور آخر کی فلاح کے دنیا کی کوئی چیز نہیں ہونی چاہئے
 تب نقطہ نظر درست ہوگا۔ اقامتِ دین کے لئے جدوجہد فرض ہے۔ کسی کام کا فرض
 ہونا اور ہے، جیسے نماز بھی فرض ہے روزہ بھی فرض ہے۔ صاحبِ نصاب پر زکوٰۃ ادا
 صاحبِ استطاعت پر حج فرض ہے۔ احساسِ فرض آپ کو آمادہ کرے کہ آپ ان فرض
 کو بجالائیں اور اقامتِ دین کی جدوجہد میں تن من دھن لگائیں۔ لیکن ان میں سے
 کسی چیز کو نصب العین کے درجے میں نہ لے آئیے۔ ایک چیز کو نمایاں کر کے آگے لے آنا
 ترجیح بلا مرجح ہے۔ لہذا اصل بات یہ ہے کہ اللہ نے جو فرائض عائد کر دیئے ہیں ہمیں
 ان کو ادا کرنے کے لئے جو بھی ہمارے پاس استعداد و صلاحیت ہے اسے بروئے کار
 لانا ہے۔ یہ نہ ہو کہ دنیا میں دنیا کی کوئی شے آپ کی نگاہوں میں نصب العین کی حیثیت سے
 کھپ جائے اور وہ آپ کو کھینچ رہی ہو یہ سامنے کی کشش بسا اوقات بڑی غلطیوں کا
 ارتکاب کر دیتی ہے۔ عجلت بھی سوار ہو جاتی ہے۔ سیدھے راستے سے نہیں پہنچ پاتے تو

(SHORT CUT) اختیار کیا جاتا ہے اور انسان (BY HOOK & CROOK)

اپنے نصب العین تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ لفظ نصب العین ہی استعمال کرنا ہو تو
 ہمارا نصب العین آخرت میں اللہ کی رضا کے سوا اور کچھ نہیں ہونا چاہئے۔ ماں اللہ کی رضا
 کے حصول کے لئے اس کی طرف سے عائد شدہ فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ بردار ہونا
 اور۔ مطالباتِ دین پورے کرنے کے لئے محنت اور سعی کرنا۔ بالکل دوسری بات ہے۔

نہایت اہم ہدایات و تعلیمات !!

اب اگلی آیت پر نظر مرکوز کیجئے۔ نہایت اہم باتیں بیان ہو رہی ہیں۔ فرمایا:-
 وَالَّذِينَ يَحْتَنِبُونَ كَبِيرَ الشُّرِّ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ
 لَيَغْفِرُونَ ۝

” اور وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں سے پہلو تہی کرتے ہیں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں، اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔“

اس آیت مبارکہ پر بڑے غور و خوض اور تدبیر کی ضرورت ہے۔ پہلی آیت میں تین باتیں آئی تھیں۔ تین اوصاف آئے تھے۔ دنیا کی بے مائیگی اور بے ثباتی کا یقین، آخرت کی چیزوں کا خیر اور ایشی ہونے پر یقین ہونا۔ اللہ پر ایمان اور توکل ہونا۔ یہاں بھی تین باتیں آئی ہیں۔ تین ہی اوصاف آئے ہیں۔ کبیرہ گناہوں سے اجتناب۔ فحاشی سے پرہیز۔ غصہ کی حالت میں عفو و مغفرت۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اس ترتیب کا اصل حسن کیا ہے! ان میں باہمی ربط و تعلق کیا ہے!

اس ضمن میں آج میں آپ کو ایک اہم ترین بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ قرآن مجید میں تین مقامات پر یہ مضمون

کب آڑ سے اجتناب

آیا ہے کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے صغیرہ گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ آگے بڑھنے سے پہلے لفظ اجتناب کو بھی سمجھ لیجئے۔ یہ لفظ باب افتحاح میں جناب سے ہے۔ جناب پہلو کو کہتے ہیں۔ اجتناب کے معنی ہوں گے پہلو تہی کر دامن بچانا۔ بچ نکلنا۔ چھوڑ دینا۔ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کا ذکر قرآن مجید میں مقامات پر کیوں اور کس لئے ہے؟ اس سبب کو میں آج سمجھانا چاہتا ہوں۔ دیکھئے کہ ایک مزاج تو وہ ہوتا ہے کہ اصلاح ذات کے لئے آدمی بہت حساس ہو گیا۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی نہ رہے۔ ہت سے ہلکا داغ بھی سیرت و کردار پر نہ رہے۔ ایسے شخص کی ساری عمر اسی ادھیڑ بن میں نگ جائے گی۔ پھر وہ تلاش کر کے اور خوردہ لگا لگا کے دامن کے داغ دیکھنے اور انہیں دھونے میں ساری زندگی بتا دے گا۔ پھر کوئی نہ کوئی داغ رہ جائے گا۔ کوئی شخص کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں آج کامل ہو گیا۔ جس دن اس نے یہ کہا وہ دن اس کی بربادی کا ہے۔ کیسے کامل ہو سکتا ہے! کوئی کوئی بشری اور طبعی کمزوری، کوئی نہ کوئی خطا لگی رہے گی۔ اور وہ زندگی بھر اسی تلاش میں اور اس کو دگر کرنے میں لگا رہے گا۔ لہذا ایسا شخص کبھی بھی اقامت دین کی جدوجہد میں وادی میں قدم نہیں رکھ سکے گا۔ بلکہ اس طرف اس کا دھیان بھی نہیں جائے گا کہ یہ فراموشی میں شامل ہے۔ انسان کے ذہن پر جب مبالغہ کے درجہ میں محض اپنی اصلاح

سیرت کی سحت کی دھن سوار ہو جاتی ہے تو اس کے نتیجہ میں رہبانیت وجود میں آجاتی ہے۔

خانقاہ ایک - (INSTITUTION) بن جاتی ہے۔ پھر سہی کام نسل بعد نسل ہوتا چلا جاتا ہے کہ دامن پر کوئی چھوٹا سا دھبہ، کوئی چھوٹا سا داغ نہ رہ جائے۔ اس وقت کے لاہور کی ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ وہاں ایک بزرگ ہیں۔ میں ان کا ان کے خلوص و نیک نیتی کی وجہ سے احترام کرتا ہوں۔ ان کا اور ان کے مریدین کا یہ عالم ہے کہ نہ تو گوشت کھاتے ہیں کہ پتہ نہیں کہ ذبح کرنے والے نے صحیح ذبح کیا یا نہیں کیا! اس اندیشے کے باعث گوشت نہیں کھاتے پھل نہیں کھاتے اس لئے کہ باغ عام طور پر ٹھیکے پر دیئے جاتے ہیں اور ٹھیکہ پر باغ دینا حرام ہے۔ نہ سبزیاں کھاتے ہیں چونکہ ان میں بھی ٹھیکہ شامل ہوتا ہے۔ لے دے کر چند دالوں اور روٹی پر گزارہ ہوتا ہے۔ پتہ نہیں کہ کس دلیل سے انہوں نے دالوں اور گیہوں کو حلال کیا ہوا ہے! مجھے تو یہ ڈر ہے کہ اگر میں ان کو جا کر بتا دوں کہ حضرت! یہ جو گندم اور دالیں ہیں، ان کے ایک ایک دانے میں سود پورست ہے۔ کھاد کی جتنی بھی فیکسٹریاں ہیں کیا وہ سودی سراب سے قائم نہیں ہیں! کیا کھاد کے بغیر گندم اور دالوں کا کوئی دانہ وجود میں آتا ہے! جس میں سود چاہا ہے۔ آپ خود سوچئے کہ انسان اس طرح کا تقویٰ اپنے اوپر مسلط کر لے تو اس پر زندگی اجیرن ہو جائیگی۔ وہ کام کیا کرے گا۔ یہ ہوتا ہے وہ انتہا پسندانہ اور متشددانہ انداز کہ انسان اپنے دامن کے داغ دھبے ہی دھو تارہ جاتا ہے۔ دین کے لئے کوئی مثبت کام نہیں کر سکتا۔ باطل کو چھوڑ ملی رہتی ہے کہ اس کو کوئی للکارتا ہی نہیں۔ اس کے لئے میدان کھلا ہے۔ اسی لئے تین جگہ قرآن میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ موٹی موٹی جو چیزیں ہم نے بتائی ہیں انہیں چھوڑ دو تو چھوٹی چھوٹی خطائیں ہم معاف کر دیں گے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اسے کھلا ٹینس سمجھ لیں اور صغائر کرتے چلے جائیں! معاذ اللہ۔ میں آپ کو جو بات سمجھانا چاہ رہا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ یہ جو انداز نکر ہے کہ مجاہدہ مع النفس ہی ہوتا چلا جائے۔ اسی میں ساری عمر بیت جائے اور طاغوت کو میدان میں للکارنے کی کبھی نوبت ہی نہ آئے۔ دین پامال ہوا ہو اس کا اتہزا ہو رہا ہو، تمسخر ہو رہا ہو، شاعر دین کا مذاق اڑایا جا رہا ہو لیکن حمیت دینی اور غیرت ایمانی جوش میں نہ آئے۔ غم و غصہ کی حرارت پیدا نہ ہو۔ باطل اور طاغوتی نظام کو بدلنے کا کوئی داعیہ نہ ابھرے۔ پر معصیت ماحول میں انفرادی زہد و تقویٰ ہی کو کافی سمجھ

جائے تو یہ درحقیقت منطقی نتیجہ بن جاتا ہے اس تشددانہ اور انتہا پسندانہ نقطہ نظر کا، کہ آدمی اپنی ذاتی اصلاح اور تقویٰ میں اتنا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اسے احساس تک نہیں ہوتا کہ اللہ کا دین کس غربت اور کمپرسی میں ہے۔

یہاں فرمایا: وَالَّذِينَ يَحْتَنِبُونَ كَبِيرَ الذَّمِّ۔ وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں سے محتنب رہتے ہیں۔ میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ یہ مضمون قرآن مجید میں تین جگہ آیا ہے۔ ایک تو یہ مقام ہے۔ دوسرا سورہ نساء میں وارد ہوا ہے، اس کی آیت نمبر ۳۱ میں فرمایا گیا: اِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نَكْفُرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مَدْخَلًا كَرِيمًا۔ اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے باز رہو گے، ان سے محتنب رہو گے اپنا پہلو بچائے رکھو گے ان سے اپنا دامن پاک رکھو گے جن سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ۔ تو جو اور خطاں ہوں گی، فرو گذاشتیں ہوں گی، برائیاں اور غلطیاں ہوں گی، انہیں ہم دھو دیں گے۔ ہم

لے اس موقع پر یہ حدیث بھی پیش نظر رہے جو مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تالیف "خطبات الاحکام" میں امام بیہقیؒ کے حوالے سے نقل کی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ادعى الله عز وجل الى جبرئيل عليه	کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم
السلام ان اقلب مدينة كذا و	فرمایا کہ فلاں فلاں بستیوں کو ان کے
كذا باهلها۔ قال فقال يا رب	رہنے والوں سمیت الٹ دو۔ حضور نے
ان فيها عيذك فلا نالم ليعصك	فرمایا کہ اس پر جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ
طرفة عين قال فقال اقلبها	"پروردگاہ! ان میں تیرا فلاں بندہ
عليه وعليهم فان وجهه لم	بھی ہے جس نے چشم زدنی کی مدت بھی
يتعرفني ساعة قط	تیری معصیت میں بسر نہیں کی" انھوں نے

نے فرمایا کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ الٹ ڈالو انہیں پہلے اس پر پھر دوسروں پر اس لئے کہ اس کے چہرے کی رنگت کبھی میری ہیبت و حمیت کی وجہ سے متغیر نہیں ہوئی۔

(مرتب)

انہیں ساف کر دیں گے۔ ہم انہیں تمہارے نامہ اعمال میں سے ساقط کر دیں گے تُكْفِرًا
 عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ۔ اور ہم تمہیں داخل کریں گے بڑی عزت اور اکرام والی جگہ میں۔ وَ
 نُدْخِلُكُمْ مَدْخَلًا كَرِيمًا ط۔ یہاں بھی دیکھئے کبائر سے مجتنب رہنے
 کا ذکر آیا ہے۔ سورہ شوریٰ سے آگے آپ چلیں گے تو لکیات کا جو سلسلہ آئے گا
 اس میں سورہ نجم بھی ہے۔ اس میں بھی فرمایا گیا: الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْأَثْمِ
 وَالْفَوَاحِشِ إِلَّا اللَّمَمَ ط جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بھائی، کھلے کھلے قبیح افعال
 سے مجتنب رہتے ہیں سوائے چھوٹے چھوٹے قصوروں کے۔ غیر ارادی طور پر کوئی خطا اور
 لغزش ہوگئی، کہیں پیر بھسل گیا، کبھی دل میں وسوسہ آگیا۔ کسی وقت کوئی غلطی صادر ہوگئی
 تو جان لو کہ: إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ط هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ
 الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجْنَتُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ فَلا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ
 هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى ۝ (آیت ۳۲) بلاشبہ (اے نبی) آپ کا رب واسع المغفرة
 ہے، وہ بہت معاف فرمانے والا ہے۔ اس کی مغفرت نہایت وسیع ہے اور اے
 لوگو! وہ تمہیں اس وقت سے خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین میں سے اٹھایا
 اور وہ تمہیں خوب جانتا ہے جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں جنین کی شکل میں تھے۔ لہذا
 اپنے نفس کے تزکیہ اور پاکی کا دعویٰ نہ کرو۔ اللہ پر اپنے تقویٰ کو نہ بھگارو۔ اپنی پاکدامنی
 کا رعب نہ گاتھو۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کس کے دل میں واقعی حقیقی تقویٰ ہے۔
 یہ بڑا تیکھا انداز ہے خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جو بار بار سے بار بار پھلنیوں سے
 چھاننے پر آجاتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس فضا میں سانس لینا بھی اس کے بغیر
 ممکن نہیں کہ آپ سود (INHALE) کریں۔ سو اس طرح اس فضا میں پوست
 ہے کہ وہ سانس کے ذریعے جسم میں لازماً پہنچتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث
 ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ کوئی سود کھائے یا نہ کھائے اس کے غبار سے نہیں بچ
 سکے گا۔ (ادعما قال) جیسے کبھی (DUST SUSPENSION) ہو جائے، فضا
 غبار آلود ہو جائے تو خواہی نہ خواہی سانس کے ذریعہ خاک اندر جائے گی کہ نہیں!
 اسی طرح سے ہمارے موجودہ اقتصادی و معاشیاتی نظام میں سود پوست اور
 رچا بسا ہوا ہے۔

اصل ضرورت کیا ہے؟ پر معصیت اور طاغوتی ماحول میں اصل ضرورت اس بات کی ہے

کہ کبائٹ سے بچو، ان سے بالکل اجتناب کرو۔ ساتھ ہی صفائے سے بھی بچنے کی فکر ہو اور اس نظام کو بدلنے کی کوشش کرو۔ باطل سے بچہ آزمائی کیلئے میدان عمل میں نکلو، منظم و متحد ہو کر اسے لٹکارو۔ خود بھی موحد بنو اور نظام کو موحد بنانے کے لئے تن من دھن لگا دو اور اگر ضرورت متقاضی ہو تو اللہ کی راہ میں اپنی گردن کٹا کر سرخرو ہو جاؤ۔ دین کا اصل مطالبہ یہ ہے۔ اصل ضرورت یہ ہے۔ اس کا برعکس پہلو یہ ہے کہ توحیدِ عملی کے ذرہ سنام یعنی اقامتِ دین کی جدوجہد سے تو کتنی کتراؤ۔ اور اپنے دامن کے داغ دھبے ہی دھوتے رہو، ایک دفعہ کافی نہ سمجھو تو پھر دھوؤ، پھر دھوؤ۔ اس طرح تو اس نظام کو بدلنے کی طرف کبھی توجہ نہیں ہوگی۔ تم داغ دھبوں کو دھونے سے فارغ ہی نہیں ہو سکو گے کہ اس میدان میں آؤ اور باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے لٹکارو۔ یہ ہے اس جگہ پر اس اندازِ بیان کا اصل مطلب:

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِدَ الشَّهْرِ وَالْفَوَاحِشَ

فواحش سے بچنے کی علیحدہ تاکید | البتہ یہاں ایک بات نوٹ کیجئے وہ یہ کہ فواحش کا کبائٹ سے علیحدہ خصوصی ذکر

کیوں کیا گیا ہے اور فواحش یعنی بے حیائی کی تمام باتوں سے بچنے کی تاکید علیحدہ کیوں کی گئی ہے! اس لئے کہ انسانی سیرت و کردار بلکہ پورے تمدن کے بگاڑ کے لئے سب سے بڑا اندیشہ Sex یعنی انسان کا جنسی جذبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید مرد و زن کی شرم گاہ کو فرج کہتا ہے۔ فرج کے معنی ہیں "اندیشہ کی جگہ"۔ خطرہ کا مقام، آپ کو معلوم ہے کہ پچھلے زمانے میں شہر کے گرداگرد بڑی مضبوط فصیل بنائی جاتی تھی۔ دشمنوں کے حملوں سے شہر کے لئے یہ فصیل پناہ گاہ کا کام دیتی تھی۔ اگر کہیں فصیل میں دراڑ پڑ گئی تو یہ اندیشہ کی جگہ ہے۔ دشمن اس کے ذریعہ شہر میں گھس سکتا ہے۔ اس دراڑ کو عربی میں فرج کہتے ہیں۔ اسی طریقہ سے انسان کی سیرت و کردار کے لئے سب سے زیادہ اندیشہ والی چیز درحقیقت فرج ہے۔ عصمت و عفت کا معاملہ۔ اس کی حفاظت کی قرآن مجید میں بہت زیادہ تاکید ہے۔ چنانچہ آپ دیکھئے،

سورہ مومنوں کی آیت ۵ تا ۷ اور سورہ معارج کی آیات ۲۹ تا ۳۱ میں جو ہمارے منتخب نصاب میں بھی شامل ہیں) ایک شوٹے کے بغیر بالکل یکساں الفاظ آئے ہیں۔ فرمایا: وَالَّذِينَ هُمْ لِأُوجُوهِهِمْ حَافِظُونَ ۗ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلْكُومِينَ ۗ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۗ ”وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملکِ یمن ہیں۔ ان پر ہرگز طاعت نہیں۔ البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہے تو وہی لوگ زیادتی کرنے والے حد سے گزرنے والے ہیں۔“ لہذا جہاں کبائٹہ سے بچنا لازم اور ضروری ہے وہاں فواحش سے بچنا بھی لازم اور ضروری ہے۔ چونکہ شیطان کا یہ بڑا کاری وار ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ اس نے یہی حربہ پہلے انسانی جوڑے حضرت آدم و حضرت حوا پر جنت میں آزمایا تھا: يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا ط ”اے بنی آدم! ہوشیار رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اس طرح فتنہ میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اتر دے تھے تاکہ ان کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھول دے“ ابھی اللہ تعالیٰ نے اس جوڑے کو رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں کیا تھا۔ لیکن شیطان نے قسمیں کھا کر انے دونوں کو یقین دلایا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور ان دونوں کو پھسلا کر اس درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کر لیا جس سے منع کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں ان سے جنت کا لباس اتر گیا اور ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے۔ آج پوری دنیا اسی فحاشی

حاشیہ صفحہ گذشتہ

۱۔ اسی لئے ایک حدیث میں حیا کو ایمان کا ایک شعبہ اور ایک دوسری حدیث میں حیا کو نصفِ ایمان کہا گیا ہے۔ الحیا شعبۃ من الایمان اور الحیا نصف الایمان۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ تم مجھے دو جہڑوں کے درمیان والی چیز یعنی زبانی اور دو ٹانگوں کے درمیان والی چیز یعنی شرم گاہ کی ضمانت دے دو یعنی اس کو اللہ کی مرضی کے خلاف استعمال نہیں کرو گے تو میں تم کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ (مرتب)

بے حیائی، عریانی کی زد میں ہے۔ مادہ پرستی کے شرک کے ساتھ ساتھ عریانی و بے حیائی و جالی فتنوں میں بڑے موثر فتن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ اعراف میں حرام چیزوں میں نوحش کو مقدم کیا گیا۔ فرمایا: قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَجِيءَ الْفَوَاحِشِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَّنَ..... " (اے نبی، کھد کھپے میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ بے شرمی بے حیائی کے کام ہیں، خواہ کھلے ہوں یا چھپے"..... اس آیت میں آگے دوسری حرام چیزوں کا ذکر ہے۔ آیت نمبر ۳۳ ہے۔ گھر جا کر پوری آیت ضرور پڑھ لیں۔

فرائض کا ترک کر دیتا بھی کبائر میں شامل ہے | کبیرہ گناہوں میں شرک تو وہ گناہ ہے، جس کی کسی

طور پر معافی نہیں ہے : إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ۔ باقی کبیرہ گناہوں میں سے چند کا میں ذکر کئے دیتا ہوں۔ فرائض کو ترک کر دینا، کبائر میں شمار ہو جائے گا۔ نماز چھوڑی، یہ کبیرہ گناہ ہے۔ بغیر شرعی عذر کے روزہ نہیں رکھا، یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اگر آپ صاحب نصاب ہیں اور زکوٰۃ نہیں دے رہے اور صاحب استطاعت ہوتے ہوئے بھی حج کرنے کی کوشش نہیں کر رہے، یہ دونوں کبیرہ گناہ ہیں۔ اقامتِ دین کی جدوجہد فرض ہے۔ بالخصوص جن پر اس کی جدوجہد کا فرض ہونا واضح ہو جائے ان کا اس کو ترک کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ قتلِ ناحق ہے۔ سود کا لین دین ہے، زنا ہے، جن چیزوں اور جن کاموں کو کتاب و سنت نے واضح نصوص کے ذریعہ حرام قرار دیا ہے ان میں سے کوئی چیز استعمال یا کوئی کام کرنا تمام فقہی مکاتب فکر میں ان کو کبائر میں شمار کیا گیا ہے۔ ان سب سے ایک مسلمان کو بالکل تہ اجتناب کرنا لازم ہے۔ ان سے وہ اپنا دامن بچائے اور باقی کی اصلاح کی بھی کوشش کرتا رہے۔ اس بات کا منتظر نہ رہے کہ میں جب اپنی کامل اصلاح کر لوں گا تب میں دعوت و تبلیغ اور اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے میدان میں آؤنگا۔ ایسی صورت میں مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیدیجئے کہ کبھی بھی اس کی نوبت نہیں آئے گی مہلتِ عمر بویں ہی تمام ہو جائے گی۔ قرآن مجید کی دعوت تو یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اپنا دامن پاک کر کے میدان میں آؤ۔ باطل کو لٹکاؤ۔ اقامتِ دین کی جدوجہد میں شامل ہو جاؤ۔ اللہ فحاشی کی ہر شکل اور ہر نوع سے بچو۔ یہ سب سے زیادہ اندیشہ کی بات ہے۔ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْأَثْمِ وَالْفَوَاحِشِ كَابِيَانِ يَهَا ختم ہوا اب اس آیت کے آخری حصہ

کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حالتِ غصہ میں نسبِ احسن رو یہ فرمایا: وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ

تیسری ہدایت اور تعلیم اس بات کی دی جا رہی ہے

کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں میں یہ وصف ہونا چاہیے کہ وہ کوئی کام غصہ کی حالت میں نہ کریں۔ بات آگے جا کر مزید واضح ہوگی، یہ بات نہیں ہے کہ انسان میں

غصہ نہ ہو۔ غصہ ہونا بھی ضروری ہے۔ حمیت ہونی بھی ضروری ہے۔ غیرت ہونا بھی

ضروری ہے۔ انتقام کا جذبہ ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ بات آگے آئے گی۔ اس لئے کہ ایک

تصور ہے۔ خالقِ ہی تصور، بدھ مت کے بھکشوؤں کا تصور، گوتم بدھ کا دیا ہوا اہنسا

کا تصور۔ اسلام میں مستقل بالذات یہ تصورات نہیں ہیں۔ اسلام میں تو اللہ کے لئے اور

اللہ کے دین کا بول بالا کرنے کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا چوٹی کی نیکی ہے: وَالصَّابِرِينَ

فِي الْبِاسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ط۔ اور جیسے سورہ صف میں فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَانَتْهُمْ بَنِيَانٍ مَّرْصُوعًا

قرآن بالکل مختلف قسم کے انسانے بنانا چاہتا ہے۔ یہ بدھ مت کے بھکشو نہیں ہیں، یہ

خانقاہی مزاج کی شخصیتیں نہیں ہیں بلکہ ان کا مزاج کچھ اور ہے۔ آج کے درس سے

اس مزاج کو سمجھئے جو اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے درکار ہے۔ وہ کیا ہے!

غصہ آئے لیکن حالتِ غصہ میں کوئی اقدام نہ ہو۔ ہوا تو معاملہ غلط ہو جائے گا غصہ

آئے تو معاف کرو۔ ہاں سوچ سمجھ کر جسے کہا جائے گا (COOL MINDEDNESS)

کے تخت اگر کوئی سخت قدم بھی اٹھانا پڑے تو اٹھانا ہوگا۔ میں آپ کو یاد دلاتا ہوں

کہ کتنا بڑا قدم اٹھایا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ حالانکہ ان سے بڑھ کر رحیم شفیق

رؤف اور دود انسانوں میں کون ہوگا۔! جو رحمۃ للعالمین بن کر آئے ہیں۔ جن کے

متعلق قرآن گواہی دیتا ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ۔ اے نبی یہ

تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں بہت ہی نرم خو ہیں۔ لیکن وہی محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جنہوں نے دین کے لئے یہ بھی کیا ہے کہ یہودیوں کے قبیلہ

کے جتنے بھی جوان مرد تھے ان کو اپنے سامنے ذبح کر دیا۔ بنو قریظہ کا یہ معاملہ

ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ اس قبیلہ کی اللہ نے مرثا ماردی تھی کہ ہتھیار ڈالنے کے بعد

اپنا معاملہ نبی اکرمؐ جیسے رؤف وودود اور رحیم وشفیق ذات کے سپرد کرنے کے بجائے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بنانے پر اصرار کیا چونکہ نبی اکرمؐ کے مدینہ ورود مسعود سے قبل اس قبیلے کے ان سے حلیفانہ تعلقات تھے لہذا امید تھی کہ وہ ان کا لحاظ رکھیں گے۔ حضرت سعدؓ نے عین یہودیوں کی اپنی شریعت کے مطابق یہ فیصلہ دیا کہ جو قرظیہ کے تمام جو ان مرد قتل کئے جائیں اور بقیہ لوگوں کو غلام بنالیا جائے۔ فیصلہ تو ان کا تھا لیکن وہ (EXECUTE) تو ان حضور کے حکم پر ہوا۔

حجرت للعلمین نے یہ فیصلہ نافذ فرمایا لیکن اپنے لئے نہیں دین اللہ کے غلبہ کے لئے۔ اقامت دین کی جدوجہد میں وہ موقع بھی آیا کہ بدر کے اسیروں کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے پیش کی تھی کہ ان میں سے اپنے قریب ترین عزیز کو ہر مومن اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے اکابر صحابہؓ کی رائے کے مطابق ان اسیروں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ لیکن بعد میں سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تصویب فرمائی۔ بہر حال انقلابی عمل میں ایسے مواقع آتے ہیں کہ سختی بھی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن ایک سے جذبات میں آکر سختی کر جانا۔ یہ درست نہیں ہے۔ غصہ آیا ہو اور اس حالت میں آپ کوئی اقدام کر بیٹھیں تو اکثر غلط قدم اٹھا بیٹھیں گے۔ لہذا غصہ میں تو معاف کر دینا ہی افضل و احسن ہے۔ جیسے مومنین صادقین کے اوصاف میں فرمایا:

وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط۔ "یہ لوگ وہ ہیں جو غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہوتے ہیں"۔ اس آیت میں اقامت دین کی جدوجہد اور توحید عملی کے عاملین کا تیسرا وصف بیان فرمایا کہ "اور جب انہیں غصہ آجائے تو معاف کر دیتے ہیں، درگزر سے کام لیتے ہیں؛ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ۝

اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے مزید مطلوبہ اوصاف
 آگے چلئے۔ اس میں آپ دیکھیں گے کہ اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے لئے چار مزید اوصاف کا بیان آ رہا ہے۔ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُورٰى
 بَيْنَهُمْ وَاَمْرًا رَّزَقْنَاهُمْ يَنْفِقُوْنَ ۝

”اور جو لوگ اپنے رب کے حکم پر لبیک کہتے ہیں، اس کا حکم مانتے ہیں۔ اور نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے معاملات باہم مشورے سے چلاتے ہیں اور جو کچھ بھی رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں“

استجابت: قبول کرنا۔ لبیک کہنا | اجابت اور استجابت کا لفظ ہم کل کے درس میں اس آیت میں پڑھ چکے ہیں: **وَالَّذِينَ يُجَاجِدُونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُمْ**۔ میں نے اس کے مفہوم کو مزید واضح کرنے کے لئے آپ کو سورہ بقرہ کی یہ آیت بھی سنائی تھی: **وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي**۔ اجابت اور استجابت ہم معنی الفاظ ہیں۔ اجابت قبولیت کو کہتے ہیں۔ فارسی کا بڑا پیارا شعر ہے جو میں نے چھٹی جماعت کے کورس میں پڑھا تھا۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن

اجابت از در حق بہر استقبال می آید!

اس کا ترجمہ بھی شعر ہی میں ہے۔

ڈرو مظلوم کی آہوں سے جب اٹھتی ہیں سینوں میں

قبولیت ہے کرتی خیر مقدم چرخ سے آکر!

تو اجابت اور استجابت کے معنی قبولیت کے ہیں۔ سورہ بقرہ کی آیت سے صاف واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ دو طرفہ معاملہ ہے۔ فرمایا گیا: **أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ** ”میں تو ہر پکارنے والے کی پکار سنتا اور قبول کرتا ہوں۔ جب بھی اور جہاں بھی وہ مجھے پکارے“ میں نے کوئی خاص وقت مقرر کیا ہوا نہیں ہے۔ کہ بس صرف اس میں انٹردیو ہو سکتا ہے یا درخواست سنی جاسکتی ہے یا پیش کی جاسکتی ہے۔ لیکن ایک شرط ہے: **فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَ لْيُؤْمِنُوا بِي** ”پس میرے بندوں کو بھی تو چاہیے کہ میرا حکم مانیں۔ میری پکار پر لبیک کہیں، میری ہدایات کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں“۔ یک طرفہ ٹریفک نہیں چل سکتا کہ اپنی باتیں تو مجھ سے منوائیں اور میری نہ سنیں۔ اب یہاں دیکھئے فرمایا: **وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ**۔ ”جن لوگوں نے اپنے رب کی پکار پر لبیک کہا، اسے قبول کر لیا“ غور طلب بات یہ ہے کہ وہ کونسی پکار ہے جس کا حوالہ یہاں دیا گیا ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں

ایک بندہ مومن نے اللہ تعالیٰ سے جو عہدِ بندگی استوار کیا ہوا ہے سجدے میں جا کر گویا وہ اس عہد کو از سر نو تازہ کرتا ہے۔ علامہ اقبال کا یہ شعر بھی خوب ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے !!

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

مومن اس دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے بلند تر ہو کر زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا اصل تعلق صرف اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس نماز اللہ سے تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ چنانچہ یہاں بطور وصف فرمایا: **وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ**۔

شورائیت آگے چلے اس آیت میں تیسرا وصف بیان ہو رہا ہو: **وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ** اب جو اقامت دین کی جدوجہد کرنی ہے، کفر سے ٹکرانا ہے، باطل کا استیصال کرنا ہے۔ حق کا بول بالا کرنا ہے، غلبہ دین کے فریضہ کو انجام دینا ہے۔ اس کے لئے ایک شرط لازم یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس کام کے لئے جمع ہوئے ہوں، منظم ہوتے ہوں، وہ باہمی مشورے کا نظام قائم کریں۔ **وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ**۔ کسی میں اتانیت نہ آنے پائے۔ اس میں کوئی **TOTALITARIANISM** نہ ہو کہ بس میں مختار کل ہوں۔ یہ اگر ہو سکتی تھی جو انبیاء و رسل کے لئے ہو سکتی تھی۔ جن کا تعلق تاریخی کے ذریعہ اللہ سے بندھا ہوا ہوتا تھا۔ جب رسولوں نے یہ نہیں کیا تو ہاشما کس قطار و شمار میں ہو سکتے ہیں، آپ خود سوچیے۔ سورہ آل عمران میں فرمایا: **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ** (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے ان ساتھیوں سے مشورہ لے لیا کیجئے۔ ان کو بھی مشورے میں شریک کر لیا کیجئے۔ **فِي مَارَحْمَتِي مِنَ اللَّهِ لَئِن ت لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ نَفَا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نُفِضُوهَا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ** **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ** فَاذَاعَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ۔ مشورے کے بعد جو آپ فیصلہ کر لیں تو اس پر اللہ پر توکل کرتے ہوئے عمل کریں۔ پھر یہ نہیں ہونا چاہیے کہ فیصلہ بدل دیا جائے۔ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ دعوتِ توحیدِ علی کے داعی اور تحریکِ اسلامی کے قائد کے لئے عزیمت لازمی ہے۔ مشورہ فرد کرے پھر فیصلہ کرے۔ لیکن جب فیصلہ کر لیا جائے تو معاملہ اللہ کے حوالہ کر دیا جائے: **فَاذَاعَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ**۔ اسی کی مثال ہمیں غزوہ احد کے واقعہ میں ملتی ہے کہ نبی اکرم نے مشورہ کیا ہے کہ دشمن مدینہ پر چڑھائی کے لئے آرہا ہے کیا کرنا چاہیے! حضور کی اپنی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں محصور ہو کر مدافعت کی جائے جیسے قریباً دو سال بعد غزوہ احزاب کے موقع پر ہوا تھا۔

عجیب بات یہ ہے کہ عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین کی رائے بھی یہی تھی۔ رائے میں تو اتفاق ہو سکتا ہے۔ چاہے کوئی شخص نیک نیتی سے رائے دے رہا ہو یا بد نیتی سے۔ لیکن کچھ مسلمانوں نے خاص طور پر انہوں نے جو غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے یا بعد میں اسلام لائے تھے جن میں جوش جہاد بہت تھا، اصرار کیا کہ ہم قلعہ بند ہو کر مدافعت کیوں کریں؟ ہمیں تو شہادت مطلوب ہے شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشورِ گشائی!

تو کیوں نہ میدان میں جا کر کفر سے مقابلہ کریں! نبی اکرمؐ نے اپنے چند ساتھیوں کا جب یہ جوش و خروش دیکھا تو فیصلہ فرما دیا کہ ٹھیک ہے میدان ہی میں مقابلہ ہوگا۔ اس کے بعد آپؐ حضرت عائشہ کے حجرہ میں تشریف لے گئے اور باہر داروہ ہوئے تو زہرہ پہنی ہوئی اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ یہ بڑی غیر معمولی بات تھی، آپؐ نے کبھی یہ صورت اختیار نہیں کی تھی۔ اب ان ساتھیوں کو احساس ہوا جن کا میدان میں مقابلہ کرنے پر اصرار تھا کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ کوئی خاص بات ہے جو حضورؐ زہرہ پہن کر تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے کہا حضورؐ ہم اپنی بات واپس لیتے ہیں۔ اب جو بھی آپؐ کا فیصلہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا کسی نبی کے لئے یہ زیبا نہیں ہے، اس کے شایانِ شان نہیں ہے کہ ہتھیار لگا کر تاروے۔ حضورؐ نے میدان ہی میں چلنے کا فیصلہ برقرار رکھا۔ توکل تو اللہ پر ہے ہوگا وہی جو تاروے چاہے گا۔ وہ چاہے تو ہماری غلطیوں کو بھی CONDONE کر دے، ان کی تلافی فرما دے۔ بلکہ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ غلطی آپ کے حق میں مفید ہو جاتی ہے فیصلہ تو اس کا ہوتا ہے۔ یہ بات ہے جو یہاں فرمائی گئی کہ اے نبی یہ تو اللہ کا بڑا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ آپؐ اپنے ساتھیوں کے حق میں بہت نرم خو ہیں: فَيَا رَحْمَتِي مِنَ اللَّهِ لِيُنْتَ لَهُمْ۔ اگر آپؐ تند خو ہوتے: وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظًا لَلْقَلْبِ۔ لَا نَفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ یہ آپ کے ارد گرد سے منتشر ہو جاتے۔ اقبال نے کہا ہے

کوئی کارواں سے چھوٹا کوئی بدگماں حرم سے

کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دلِ نوازی

کسی قافلہ کو لے کر چلنے کے لئے قائد میں خوئے دلِ نوازی بھی فروری اور جناب محمد رسول اللہ

میں یہ وصف اپنے عروج پر تھا کہ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ حضورؐ کی سب سے زیادہ عنایت میری طرف ہے سب سے زیادہ توجہ میری جانب ہے۔ تو فرمایا اگر خدا نخواستہ آپ کا طرزِ عمل یہ ہوتا کہ آپؐ تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ سب ساتھی اور ادھر بھڑچکے ہوتے، منتشر ہو چکے ہوتے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ ان کی خطاؤں سے درگزر کیا کیجئے۔ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ اور اللہ سے بھی ان کے لئے استغفار کیا کیجئے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہا کیجئے۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ اور جب آپ فیصلہ کر لیں تو پھر اللہ پر توکل کیجئے۔ آیات زیر درس میں فرمایا: وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنِهِمْ۔ یہ اس لئے کہ ایک قافلہ، ایک جماعت، ایک تنظیم کے ہم مقصد ساتھیوں میں ایک دوسرے کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی اور یک جہتی ہونی لازم ہے۔ وہ پیدا نہیں ہوگی اگر مشورہ نہ ہو۔ اور جیسا کہ میں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ مشورہ لیا کیجئے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ تاہم دیگر اہل چہ رسد! دوسرا کون کہہ سکتا ہے کہ میں مشورہ سے مستغنی ہوں۔ لہذا ہمیشہ ہمیش کے لئے طے فرما دیا گیا: وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنِهِمْ۔

الفاق کا وصف | اب اس آیت کے آخر میں اقامتِ دین کا فریضہ انجام دینے والوں کا چوتھا وصف بیان ہو رہا ہے۔ فرمایا: وَصِيًّا رِزْقُهُمْ يُنْفِقُونَ ہم نے انہیں جو بھی رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں" آیت کے حصہ کی توضیح و تشریح سے قبل اب تک ہم نے جو مطالعہ کیا ہے، اس پر نگاہ بازگشت ڈال لیجئے۔ پہلی آیت میں تین اوصاف بیان ہوئے تھے۔ دنیا کو صرف برتنے کی چیز سمجھنا، نمبر ایک۔ آخرت کی زندگی ہی کو اصل خیر اور باقی رہنے والی شے جاننا، نمبر دو۔ اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرنا، نمبر تین۔ دوسری آیت میں بھی تین اوصاف آئے۔ کبیرہ گناہوں سے اجتناب، نمبر ایک۔ فواحش سے پرہیز، نمبر دو۔ نخصہ کی حالت میں عفو و درگزر سے کام لینا، نمبر تین۔ زیر درس آیت میں اب تک تین اوصاف ہمارے سامنے آئے ہیں۔ دعوتِ اقامتِ دین پر لبیک کہنا، نمبر ایک۔ نماز کو قائم رکھنا، نمبر دو۔ اور اپنے معاملات میں مشاورت کرنا، نمبر تین۔ گویا اب تک لو اوصاف ہمارے سامنے آچکے ہیں، اب دسواں وصف سامنے آ رہا ہے اور وہ ہے: وَصِيًّا رِزْقُهُمْ يُنْفِقُونَ ہم نے انہیں جو بھی رزق دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہاں تک دس اوصاف پورے ہوتے ہیں۔

چونکہ اکثر لوگ بنیادی باتوں سے واقف نہیں ہیں اس لئے ان کے ذہن کی رسائی یہاں پر خرچ کرنے دُیْنَفِقُونَ، کے اصل اور حقیقی مفہوم تک نہیں ہو پاتی۔ دیکھئے خرچ تو سب ہی لوگ کرتے ہیں۔ دوات ہے، کمائی ہے، وہ اُثر خرچ کرنے کے لئے ہی ہوتی ہے۔

بخیل سے بخیل آدمی بھی آخر کچھ نہ کچھ خرچ کرتے ہیں۔ بنیوں کو بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ خاص طور پر اپنی بیٹیوں کی شادی کے مواقع پر تو وہ دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ مکان بناتے ہیں تو بھی دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ ایک ہے اپنی ذات پر، اپنی ضروریات پر خرچ کرنا۔ وہ یہاں مراد نہیں ہو سکتا، چونکہ اس مقصد کے لئے تو سب ہی خرچ کرتے ہیں۔ یہاں اصل مراد ہوگی۔ اللہ کے لئے خرچ کرنا۔ پھر اللہ کے لئے خرچ کرنے کی بھی تین مدیں ہیں۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ اللہ کو راضی کرنے کے لئے آپ اپنا مال خرچ کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ایک مد ہے ذوی القربی، یتامی، مساکین، فقراء، بیوگان، مسافروں کی مدد کرنا۔ ساتلوں کو دینا۔ جو مقرض ہوں۔ ان کو قرض سے نجات دلانا، جو غلامی کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہوں ان کی گردنیں چھڑا دینا۔ جیسا کہ آیت بر سورہ بقرہ کی، اذین آیتنا میں فرمایا: ذَاتِ الْمَالِ عَلَىٰ حَبِيبِهِ۔ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ۔ اس مد کو قرآن مجید کی اصطلاح میں صدقات و خیراتِ نافلہ کہا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کو بھی اس میں شامل کر لیجئے وہ فرض ہے اور یہ دوسری مد ہے۔ اس کی مدات اکثر تو یہی ہیں جو آیت بر میں بیان ہوئیں۔ کچھ کا ان میں اضافہ ہے۔ ایک تیسری مد ہے اور وہ ہے اللہ کے دین کے لئے خرچ کرنا۔ دین کی دعوت و تبلیغ اور نشر و اشاعت میں پیسہ لگانا۔ اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے اپنا مال خرچ کرنا۔ اگر بالسیف قتال فی سبیل اللہ کا مرحلہ آجائے تو اس کے لئے سر و سامان، اسلحہ وغیرہ کی فراہمی میں دل کھول کر پیسہ خرچ کرنا۔ یہاں درحقیقت یہ تیسری مد مراد ہے۔ چونکہ سیاق میں اقیما الدین کا حکم آچکا ہے۔ اس لئے کہ اقامتِ دین کا فرضیہ کیسے انجام پائے گا۔ اگر مال خرچ نہیں کریں گے۔ اب یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں جہاد کا ذکر آیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ وہاں مال کا ذکر مقدم ہوگا۔ جیسے سورہ حجرات میں سچے مومنین کے اوصاف بیان ہوئے: اِنَّهَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ تَتَذَكَّرُوْنَ اَللّٰهُمَّ وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اُوْلٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ

سورہ صف میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَهْلُ اَوْلِيَاءِكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابِ الْيَوْمِ تُوْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ط

سورہ توبہ میں فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا

وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأَعْظَمَ دَرَجَاتٍ عِنْدَ اللَّهِ
 — جہاد میں مال خرچ ہوتا ہے بلکہ دعوت و تبلیغ کے مرحلہ پر تو مال ہی خرچ ہوگا۔ آگے
 جا کر اقامت دین کی جدوجہد میں وہ مرحلہ بھی آسکتا ہے کہ نقد جان، ستمیلی پر رکھو اور میدان
 میں آ جاؤ۔ کفن سر سے باندھو اور باطل کے مقابلہ میں نکلو۔ اس مرحلہ کے متعلق نبی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ کی راہ میں شہادت کی تمنا ہر دل میں ہونی لازم ہے۔
 اگر یہ آرزو بھی دل میں نہ ہو"۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مرحلہ آپ کی زندگی میں درپیش نہ ہو۔
 اقامت دین کی جدوجہد آپ نے شروع کی ہے لیکن قتال باسیف کا مرحلہ آپ کی زندگی
 میں نہیں آیا تو کوئی بات نہیں مگر نیت، ارادہ اور تمنا و آرزو دن میں رہے۔ اللہ کی
 راہ میں شہادت کی تمنا سے جو سینہ خالی ہے اس کے بارے میں حضور نے فرمایا: فَقَدْ
 مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِّنَ النِّفَاقِ۔ ایسے شخص کی موت ایک قسم کے نفاق پر آئی۔ وہ ایک
 نوع کے نفاق پر مرا۔ پس جان لیجئے کہ اللہ کے دین کے لئے مال خرچ کرنے کے لئے
 اصطلاح آتی ہے، انفاق فی سبیل اللہ۔ یہاں بھی یہی اصطلاح استعمال ہوئی۔
 وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ہ ایک اور بات بھی اس مقام پر سمجھ لیجئے۔ رزق کا اطلاق
 صرف مال یا فروریات زندگی پر نہیں ہوتا بلکہ توانائیوں، صلاحیتوں اور قوتوں پر بھی ہوتا
 ہے۔ اسی طرح 'انفاق' بھی جامع اصطلاح ہے۔ اس کا اطلاق اللہ کی راہ میں مال
 خرچ کرنے کے ساتھ اپنی توانائیاں، صلاحیتیں اور قوتیں صرف کرنے پر بھی ہوگا۔
 اس آیت میں چار اوصاف بیان ہوئے۔ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ، وہ لوگ
 جنہوں نے اپنے رب کی پکار پر لبیک کہا۔ وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ، اور اللہ سے اپنے
 تعلق کو قائم رکھنے کے لئے نماز کو قائم رکھا۔ وَاَسْرَوْهُمُ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ، جماعتی زندگی
 کے اندر ہم خیالی اور باہمی اعتماد کی فضا برقرار رکھنے کے لئے باہمی مشورے کے نظام اور اس
 کی روح کو قائم کیا۔ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ط۔ اور جو کچھ بھی رزق اللہ نے ان کو
 دیا ہے اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

بدلہ اور قصاص کے حکم و عبرت اور عفو کا محل و مقام

اب آگے پانچ آیات آ رہی ہیں، وہ ایک ہی موضوع اور مضمون سے متعلق ہیں، اس

کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ یہاں پر یہ مضمون بڑا عجیب ہے۔ عام طور پر تو قابل مدح و تعریف بات سمجھی جاتی ہے عفو و درگزر، معافی۔

یہاں اس کے برعکس معاملہ آرہا ہے فرمایا: **وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ** اور وہ لوگ کہ جن پر جب زیادتی

کی جائے تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔ مقابلہ کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں بالکل ہی رنگ بدل گیا۔ یہاں بددھمت کے بھکشیوں والا رنگ نہیں ہے۔ یہاں تو رنگ کچھ اور ہے۔ یہاں تو بطور وصف بتایا جا رہا ہے کہ وہ لوگ جن پر زیادتی ہو، وہ ایسے بے غیرت و بے حمیت نہیں ہیں

اور نہ ہی ایسے نرم چارہ ہیں کہ جو چاہے ان کے ساتھ زیادتی اور ظلم کا معاملہ کر جائے اور وہ بیٹھے رہ جائیں۔ **هُم يَنْتَصِرُونَ**۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت

ہے۔ جان لیجئے کہ ہمارے دین کا مزاج یہ ہے کہ وہ پورے نظام اجتماعی کو درست کرنا چاہتا ہے۔ لہذا دنیا میں جب بھی نظام عدل و قسط قائم ہو گا تو وہ کامیابی سے چل ہی نہیں

سکتا جب تک کہ مجرموں، ظالموں، زیادتی کرنے والوں کو سزا نہ دی جائے۔ عدل و قسط کا تقاضا یہی ہے۔ عفو اور معافی کی بنیاد پر کوئی اجتماعی نظام نہیں چل سکتا۔ عفو اور معافی کی

بنیاد پر انسان کی اپنی ذاتی روحانیت میں ترقی ہو سکتی ہے۔ بلندی ہو سکتی ہے۔ ایک شخص انتقام اور بدلہ لینے پر قادر ہے لیکن پھر بھی وہ معاف کرے تو یقیناً اس کی روحانی

ترقی ہوگی۔ لیکن اجتماعی نظام اس اصول پر نہیں چلے گا۔ یہ دو چیزیں بظاہر متضاد ہیں، ان پر غور کیجئے۔ قرآن مجید ایک طرف انتہائی زور دیتا ہے کہ معاف کرو، درگزر کرو: **إِنْ تَبْذُرُوا خَيْرًا أَدْتُخْضِعُوا أَوْ تَعْفُوا عَنِّمْ سَوْفَ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا قَدِيرًا** اگر تم ظالم

دباظن میں بھلائی ہی کئے جاؤ یا کم از کم بُرائی سے درگزر کرو (تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے چونکہ اللہ بھی تو بڑا معاف کرنے والا ہے حالانکہ وہ سزا دینے پر قدرت رکھتا ہے۔ ایک مقام پر

فرمایا: **وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ** اگر تم معاف کر دیا کرو، اگر تم درگزر کر دیا کرو، اگر تم بخش دیا کرو تو اللہ بھی تو غفور رحیم ہے۔ اس سے زیادہ

زور دار اپیل کوئی اور ہو سکتی ہے کہ تمہیں بھی احتیاج ہے کہ نہیں کہ تمہیں بھی اللہ معاف کرے۔ لہذا تم بھی اپنے بھائیوں کو معاف کرو، انسانوں سے درگزر کرو، اللہ تم سے درگزر کرے گا۔

اس سے زیادہ زور دار عفو کی ترغیب کا اور کوئی انداز نہیں ہو سکتا۔ اب سورہ بقرہ کی یہ

آیت ذہن میں لائیے: **وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يٰۤاُولِيَ الْاَلْبَابِ**۔ دہو شمنند
 تمہارے لئے زندگی قصاص میں ہے بدلے میں ہے۔ دنیا کا نظام بگڑ جائے گا اگر عفو ہی عفو
 ہو۔ مجرموں کے حوصلے بڑھتے چلے جائیں گے۔ ایک مجرم کو معاف کر دیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اگلے
 پر ہاتھ اٹھائے۔ اور اگر اسے بدلہ ملے جو تورات کا قانون ہے جسے قرآن مجید نے کھول دیا
 ہے۔ سورہ مائدہ میں فرمایا: **وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيمَا اَنَّا النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ
 وَالْاَلْفَ بِالْاَلْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصًا** اور
 ہم نے تورات میں یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے
 آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے
 بدلے برابر کا بدلہ۔ اس قانون پر عمل ہو تو مفسدوں اور شریکوں کے ہوش ٹھکانے
 آجائیں گے۔ ایک کو سزا مل جائے گی تو ہزاروں کی آنکھیں کھل جائیں گی، ان کو عبرت حاصل ہو جائے
 گی۔ یہ ہے نظام کو درست کرنے کی فرورت۔ چونکہ یہ سورہ اقامت دین کی سورہ ہے۔ لہذا یہاں
 نظام کو صحیح و درست رکھنے کے اصول بتائے گئے ہیں۔ جہاں صرف دعوت و تبلیغ کی بات ہوگی وہاں
 بتایا جائے گا کہ معاف کرو، لوگ تمہیں گالیاں دیں تم انہیں دعائیں دو۔ لوگ تم پر پتھراؤ کریں تم
 ان کی خدمت میں پھول پیش کرو۔ ایک مرحلہ یہ بھی ہوتا ہے، اس کا موقع، اور وقت بھی ہے۔
 اور ایک مرحلہ وہ ہے کہ نظام عدل و قسط قائم کرنے کے لئے باضابطہ میدان میں آکر مقابلہ
 کرو۔ وہ نظام قائم ہوگا تو اس میں تعزیرات بھی ہیں، حدود بھی ہیں، سزائیں بھی ہیں، بدلے
 بھی ہیں، جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت خلافت کے بعد جو پہلا خطبہ دیا اس
 میں یہ الفاظ آتے ہیں ”لوگو! تم میں سے ہر قوی میرے نزدیک ضعیف ہوگا جب تک کہ
 اس سے حق وصول نہ کر لوں اور ہر ضعیف میرے نزدیک قوی رہے گا جب تک کہ اس کا
 حقوق نہ دلوں“ اسلام کے نظام عدل و قسط میں قصاص اور بدلے کے قوانین کی اس قدر اہمیت
 اہمیت ہے۔ غور کیجئے کہ یہ سورہ مبارکہ مکی ہے اور مکی دور میں تو بدلے اور انتقام کے
 اجازت نامی نہیں تھی۔ پھر یہ مضمون یہاں کیوں آ رہا ہے؟ میرا سوال سمجھ میں آگیا ہوگا۔ یہ
 مضمون یہاں اس لئے آ رہا ہے کہ پیش نظر یہ رہے کہ نظام یہی قائم کرنا ہے کہ بدلہ لینا ہے۔
 اس وقت ہاتھ بندھے ہوئے ہیں بندھے رہیں لیکن اندر ہی اندر لاوا کھولتا رہے کہ جب
 بھی ہاتھ کھول دیئے جائیں گے تو یہ جماعت میدان میں آکر باطل کو لٹکانے کے لئے

تیار و مستعد ہوں۔ اور اگر ان کو بنا ہی دیا جائے بدھمت کے بھکشو۔ تو وہ میدان میں آنے کا حوصلہ کیسے کریں گے! پھر ان کا مزاج ان خطوط پر پرورش ہی کہاں پائے گا۔ یہاں تو ضرورت اس امر کی ہے کہ سینوں میں آگ سلگتی رہے: وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ۔ رکے ہوئے اس لئے ہیں کہ ابھی اس کی اجازت نہیں ہے۔ یہ ڈسپن کی انتہا ہے کہ ماریں کھاؤ لیکن مدافعت میں بھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ لیکن نہ سمجھو کہ بدلہ ہے ہی نہیں، بدلہ ہے مگر یہ کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے

ابھی نہ چھپر محبت کے راگ اے مطرب۔ ابھی حیات کا ماحول سازگار نہیں

اور علامہ اقبال نے کہا ہے

نالہ ہے بلبل شوریدہ تراخام ابھی اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

لاوا اندر ہی اندر پکتا رہا حتیٰ کہ وہ وقت آیا جب ہاتھ کھول دیئے گئے۔ اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ "آج سے انہیں اجازت دی جا رہی ہے جن پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے" اب ان کو اجازت ہے کہ وہ جنگ کریں، بدلہ لیں اور بالیقین اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ "مزاج تو بن گیا تھا۔ یہ بات ہے اس آیت کے پیش منظر میں: وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ۝

اگے چلئے فرمایا: وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ج۔ اور برائی کا بدلہ تو برائی ہی ہے، ویسی ہی برائی، وہی بات

سورہ مائدہ کی آیت کے حوالے سے میں نے آپ کو بتائی تھی کہ آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور جیسا زخم لگایا گیا ویسا ہی زخم۔ یہ ہے قصاص کا قانون۔ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ج۔ یہاں جو دوسرا سَيِّئَةٍ ہے وہ بیان کے لئے ہے وہ برائی ہے ہی نہیں۔ بدلے میں اگر کسی کا دانت توڑا جائے تو یہ برائی نہیں ہے لیکن چونکہ ظاہری مشارکت ہے دونوں کاموں کی شکل ایک ہی ہے کسی نے کسی کا دانت توڑا اس نے قصاص میں اس کا بھی دانت توڑ دیا تو درحقیقت یہ سَيِّئَةٍ نہیں ہے۔ اس فعل کی ظاہری مشارکت کی وجہ سے لفظ سَيِّئَةٍ استعمال ہوا۔

اسی آیت میں آگے فرمایا: فَسَنُ عَذَابًا وَأَصْلَحَ فَأَجْرٌ عَلَىٰ اللَّهِ عَفْوٌ كِتَابٌ غَيْبٌ۔ اہاں جو برائی کا بدلہ برائی سے لینے پر قادر ہونے کے باوجود معاف کر دے

اور اصلاح کی کوشش کرتا رہے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ انفرادی سطح پر واقعتاً یہ عمل روحانی ترقی کا ذریعہ بنتا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ یقیناً اللہ تعالیٰ کو ظالم لوگ پسند نہیں ہیں۔ برائی کا بدلہ لینے اور برائی کی سزا دینے کا ضابطہ اس کی شانِ عدل کا مظہر ہے۔

آگے چلئے، اگلی آیت میں فرمایا: وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ
 ظَلَمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَأْعَلِيهِمْ مِنَ السَّبِيلِ ۝
 اور جو کوئی اپنے اور پر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیتا ہے اس پر ملامت کا کوئی راستہ نہیں ہے۔
 یہاں پھر دیکھئے کہ رہبانیت اور بددھمت کے بھکشوں کے تصور کو جڑ سے کاٹا جا رہا
 ہے۔ اگر کوئی بدلہ لے رہا ہے تو کوئی برائی نہیں ہے۔ اسے کسی قسم کی ملامت نہیں کی جا سکتی
 کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ فرور معاف کر دے اور بدلہ نہ لے یہ اچھا کام نہیں ہے نہیں!
 بدلہ اس کا حق ہے جس کے ساتھ برائی کی جائے۔ وہی بات جو sex کے بارے میں
 سورہ مومنوں اور سورہ معارج میں کہی گئی تھی کہ جو لوگ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر
 اندر رہیں۔ اپنی جنسی خواہش اور اس کے داعیہ کو جائز طریقہ سے پورا کریں تو ان کے لئے
 کوئی ملامت نہیں: وَالَّذِينَ هُمْ لِأَنفُسِهِمْ حَفِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ
 أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ یہ جنس فی نفسہ کوئی شہ نہیں ہے،
 یہ جذبہ اللہ نے رکھا ہے، یہ داعیہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں ودلعت کیا ہے۔ بقائے
 نسل اس کی غایت ہے۔ فی نفسہ یہ شہ نہیں ہے۔ اگر جائز راستے سے انسان اس جذبہ کی
 تسکین کرتا ہے تو اس پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ یہ انداز اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ بعض
 مذاہب بالخصوص عیسائیت میں نکاح اور گھر گریہستی کو گھٹیا درجہ کا کام سمجھا جاتا ہے۔
 وہی بات یہاں فرمائی گئی ہے کہ جس پر ظلم ہوا ہے وہ اگر بدلہ لے رہا ہے تو کسی ملامت کا
 کوئی مقام نہیں ہے: وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظَلَمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَأْعَلِيهِمْ مِنَ
 السَّبِيلِ ۝

لامت کے مستوجب ظالم ہیں | اب اگلی آیت پڑھئے، فرمایا: إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى
 الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ
 بِغَيْرِ الْحَقِّ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ "ہاں ملامت کے مستوجب اور

مستحق تو وہ لوگ ہیں اور بکڑ تو ان کی ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور جو زمین پر ناحق اپنا علو، اپنا اقتدار چاہتے ہیں اور سرکشی کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے۔“

صبر اور عفو کی تلقین | اگلی آیت میں فرمایا: **وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ**۔ البتہ جو شخص صبر کرے، جھیلے، برداشت کرے

تحمل اختیار کرے اور معاف کر دے تو یہ نہایت باہمت کاموں سے ہے۔ اب دیکھئے یہ پانچ آیات ۳۹ تا ۴۳ کس موضوع پر ہیں! بدلہ اور بدلہ کی اہمیت اس کا مقام مدح میں ذکر کیا جانا۔ اس کے خلاف جو تصورات و تخیلات ہیں، ان کی مذمت۔ یہ نہ سمجھو کہ بدلہ لینے والا کوئی گھٹیا کام کرتا ہے۔ یہ اس کا حق ہے اس پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص بدلے کی قدرت رکھتے ہوئے معاف کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ اللہ اس کو بہتر بدلہ دے گا۔

یہ تمام باتیں اس سورہء مبارکہ میں اس لئے بیان ہوئیں کہ ہوا کا رخ پہچان لیا ہوا کا رخ جائے اور اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ توحیدِ علی کی یہ دعوت کس رخ پر آگے بڑھے گی

جو نظام قائم کرنا اس کا ہدف ہے، وہ کوئی راہِ سبناہ نظام نہیں ہے بلکہ وہ پورا نظامِ نبوی بر عدل و قسط نظام ہے۔ وہ آیت ہم کل پڑھ چکے ہیں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوا یا گیا: **رَأْمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ**۔ مجھے حکم ہوا ہے تمہارے مابین عدل کروں۔ وہ آیت بھی ہم کل پڑھ چکے ہیں: **اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ**۔ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب بھی نازل کی اور میزان بھی نازل کی۔ اس میزانِ عدل کو نصب کرو اس کی رُو سے جو مستوجب سزا ہے اسے سزا دو۔

اب چند آیات میں زیادہ تشریح کے بغیر پڑھ رہا ہوں۔ ہدایت و عدالت کا ضابطہ ان کے بعد چار آیتیں ہیں کہ جن پر ہمیں کچھ زیادہ وقت

لگانا ہوگا۔ فرمایا: **وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ دَرَجَةٍ يَنْبَغِي لَهَا** اور جسے اللہ ہی گمراہ کر دے پھر اس کے بعد اس کا کوئی دوست، ساتھی اور مددگار نہیں بن سکتا ہے۔ یہاں ”اللہ ہی گمراہ کر دے“ کا کیا مطلب ہے! جس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے ہر شے ہو جائے۔ اللہ گمراہ نہیں کیا کرتا۔ انسان خود گمراہ ہوتا ہے۔ ہدایت بھی اللہ تعالیٰ زبردستی

نہیں دیتا۔ ہدایت کے طالب کو اللہ ہدایت دیتا ہے۔ جو گمراہ ہے اور وہ اپنی ضلالت اور کجی کی وجہ سے ایک انتہا تک پہنچ گیا ہے تو وہاں جا کر اس کے دل پر اللہ بھی آخری مہر تصدیق ثبت فرما دیتا ہے کہ اب یہ جائے جدھر گیا۔ تَوَلَّىٰ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ ط۔
 وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ اب اس نے جو راستہ اختیار کیا ہم نے بھی اس کو اسی کے حوالے کیا اب یہ POINT OF NO RETURN کو پہنچ چکا ہے کہ اس کی واپسی کا کوئی امکان ہی نہیں۔
 خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ط۔ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کوئی سیدھے راستے پر نہیں لاسکتا۔ اس میں حضور کے لئے دلجوئی ہے کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ غمگین نہ ہوں۔ آپ تشویش نہ رکھیں کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لارہے۔ ان میں سے بہت سے وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہر لگ چکی۔ لہذا اب وہ کسی صورت میں بھی پلٹنے والے نہیں۔

اسی آیت میں آگے فرمایا: وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ حَسْرًا ۝ اَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَاتٌ مِّنْ قَبْلِهِ لَئِيْلًا ۝ اَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَنْبِيَاءُ مِّنْ قَبْلِهِ هَلْ اَتَوْا بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِهِ فَجَاءَهُمْ بِآيَاتٍ فَهُمْ لَا يَخْتَفُونَ ط۔
حسرت بھرا انجام | اَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَنْبِيَاءُ مِّنْ قَبْلِهِ هَلْ اَتَوْا بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِهِ فَهُمْ لَا يَخْتَفُونَ ط۔
 دیکھو گے جب یہ عذاب دیکھیں گے۔ جہنم جب ان کے سامنے آجائے گی تو یہ کہیں گے کہ ہے کوئی راستہ ٹوٹ جانے کا۔ ہے کوئی شکل کہ ہم دنیا میں پھر واپس پہنچ جائیں۔ کوئی اور ایک Chance ملنے کی کوئی صورت ہے کہ نہیں! "هَلْ اَتَوْا بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِهِ ط۔"

اگلی آیت میں فرمایا: وَتَرَاهُمْ يَعْزُضُونَ عَلَيْهِمْ اُخْسِعِينَ مِّنَ الَّذِي يَنْظُرُونَ مِّنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ ط۔ ایسے لوگوں کا الفاظ میں نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ "اور تم دیکھو گے ان کو وہ جہنم کی آگ پر پیش کئے جائیں گے۔ ذلت ان پر مسلط ہو چکی ہوگی۔ نگاہیں ان کی زمین پر گڑھی ہوں گی۔ ان کو نظر آ رہا ہوگا اپنا انجام۔ یہ ہے وہ جہنم جس میں ہم جھونکے جانے والے ہیں۔ جو ذلت و پشیمانی اور رسوائی ان پر پھٹی ہوئی ہوگی اس کی وجہ سے ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ اُخْسِعِينَ مِّنَ الَّذِي يَنْظُرُونَ مِّنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ ط۔ مجرم ضمیر انسان کو آپ نے کبھی دیکھا ہو تو آپ کو تجربہ ہوگا کہ انسان آنکھ اٹھا کر اور آنکھ ملا کر کبھی نہیں دیکھتا وہ آنکھوں کے کونوں سے دیکھتا ہے۔ لہذا یہ ظالم جہنم کو نگاہ کے گوشے سے دیکھ رہے ہوں گے ان میں اتنی جرأت نہیں ہوگی کہ نگاہ بھر کر دیکھ سکیں کہ اب یہ جہنم ہی ہمیشہ کے لئے ہمارا اللجا و ماوی ہے۔

اہل ایمان کی طرف سے اظہارِ تأسف | اسی آیت میں آگے فرمایا: وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا
إِنَّ الْخٰسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَ

أَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ | اور اہل ایمان کہیں گے۔ ان کے اس کہنے میں تأسف کا انداز ہوگا۔
— کہ یہ لوگ ہیں اصل خسارے میں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو قیامت
کے دن خسارے میں مبتلا کیا۔ یعنی دنیا میں تو ہمیں طعنے ملتے تھے۔ تمہاری امت ماری گئی ہے
تم دیوانے ہو۔ تم FANATIC ہو گئے ہو۔ تمہیں اپنے مستقبل کا کوئی خیال نہیں ہے۔
تمہیں اپنے نفع نقصان کی کوئی فکر نہیں ہے۔ یہ طعنے آج بھی ان لوگوں کو ملتے ہیں جو دین
پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کو بھی یہ طعنے ملتے تھے: غَرَّهُمُ لَأْوٍ وَنِيهِمُ

مَنَافِقِينَ مَدِينَةَ مَخْصِيْنَ مَوْمِنِيْنَ كَے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ان کے دین نے ان کی امت
ماری ہے۔ ان کو دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے۔ انہیں اپنے نفع نقصان کی فکر ہی نہیں۔ ان
کا دماغ خراب ہوا ہے۔ یہ چلے ہیں قیصرِ روم کے ساتھ جنگ کرنے! طر بازی بازی باریش
بابا ہم بازی۔ اب تک تو چلو عرب کے اندر ہی جنگ تھی۔ ایک کے مقابلے میں تین۔ بدر
میں یہی تناسب تھا۔ احد میں بھی ابتداء میں ایک اور تین کی نسبت تھی۔ بعد میں جب میں المنافقین
عبداللہ ابن ابی اپنے آدمی لے کر واپس آگیا تو ایک اور چار کی نسبت رہ گئی۔ ابھی تک تو
زیادہ سے زیادہ ایک اور دس کا تناسب رہا ہوگا۔ اس سے زیادہ تو نہیں۔ کہاں سلطنت
روما۔ وقت کی عظیم ترین مملکت۔ اسے حال ہی میں سلطنتِ کسری کے خلاف بہت بڑی فتح
حاصل ہوئی ہے۔ اور ان کا MORALE بہت اونچا ہے۔ منافقین کہا کرتے تھے کہ
ان کی تو عقلیں ماری گئی ہیں۔ انہیں کچھ نظر نہیں آ رہا۔ یہ اپنے دینی جوش میں اندھے ہو
گئے ہیں۔ غَرَّهُمُ لَأْوٍ وَنِيهِمُ۔ قیامت کے روز یہی مومنین کہیں گے کہ اصل میں
اندھے ہم نہیں یہ ہو گئے تھے۔ جیسے سورہ ن میں فرمایا: فَسْتَبْصِرُوْا وَيُبْصِرُوْنَ ۝
بِأَيْكُمْ الْمَفْتُوْنَ ۝ اے نبی عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے
کہ کون بچل گیا تھا۔ کون دیوانہ ہو گیا تھا اور تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون ہیں وہ لوگ
جو اس کے راستے سے بھٹک گئے اور کون ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں: إِنَّ رَبَّكَ هُوَ
أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ پس اہل ایمان
کہیں گے: إِنَّ الْخٰسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقْتَبِينَ ۝ آگاہ ہو جاؤ یہ ظالم قائم و دائم اور باقی رہنے والے عذاب میں رہیں گے۔

اللہ کی بکڑ سے چھڑانے والا کوئی نہیں ہوگا | اگلی آیت میں فرمایا: وَمَا كَانَ لَهُمْ

اللہ اور ان کے کوئی مددگار نہ ہوں گے جو اللہ کے مقابلے میں ان کی مدد کر سکیں۔ شفاعت باطلہ کے تمام خیالات و تصورات اس روز ہوا ہوا جائیں گے۔ اس روز اللہ کی بکڑ سے کون چھڑا نیوالا ہے! کون بچانے والا ہے! کون اللہ کے فیصلے کے آڑے آنے والا ہے۔! وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ۝ آیت کے اس حصے کی میں پھر وہی ترجمانی کر رہا ہوں جو پہلے کر چکا ہوں کہ جس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے ہر تصدیق ثابت ہو چکی ہو۔ اب اس کے لئے کوئی راستہ نہیں۔

اللہ کی پکار پر لبیک کہنے کی ترغیب اور اعراض پر انذار

اب جو آیات آرہی ہیں وہ بہت اہم ہیں۔ یہ گویا پرسوں کی تقریر کل اور آج کے درس کا خلاصہ ہوگا۔ جو آپ کے سامنے آجائے گا۔ ہم نے کل سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۲ سے آیت نمبر ۲۱ تک کل نو آیات کا مطالعہ کیا تھا اور آج کے درس میں اب تک ہم آیت نمبر ۳۶ سے ۶۴ تک یعنی گیارہ آیات کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ اس سورہ مبارکہ میں اب تک فعل اسرا ایک ہی آیا ہے: أَقِيمُوا السَّبِيلَ "دین کو قائم کرو یا قائم رکھو"۔

اب فعل امر میں ایک پکار، ایک صدا، ایک دعوت آرہی ہے۔ فرمایا:

إِسْتَجِيبُوا لِلرَّبِّكُمْ

"اے سننے والو! اے قرآن کے پڑھنے والو! اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے نام لیواؤ! لبیک کہو اپنے رب کی پکار پر"۔

دیکھئے یہ لفظ ایک دوسرے صیغے میں پہلے آیت نمبر ۳۸ میں آچکا ہے جس کا ہم

مطالعہ کر چکے ہیں: وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ۔ وہاں تو اہل ایمان کی تعریف

کے طور پر آیا تھا۔ یہاں ایک عمومی پکار ہے۔ ان کو بھی پکارا جا رہا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ لیکن ان کے متعلق پہلے ہی بتایا گیا کہ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ۔ انہوں نے تو اللہ کی پکار پر لبیک کہا۔ انہوں نے اپنی گردنیں کٹوا دیں۔ انہوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

لیکن اب یہ سمجھئے کہ اس آیت کا مخاطب میں ہوں اور آپ سب بھی اس انذار کے مخاطب ہیں جو درس میں شریک ہیں: **اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ** **اَنْ يَّاتِيَكُمْ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللّٰهِ ط مَا لَكُمْ مِنْ مَّجَآئِدٍ مَّيْذٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَّكَيرِه** لبیک کہو اپنے رب کی پکار پر، مانو اپنے رب کے مطالبے کو، مگر کس لو اپنی اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے: **اَنْ اَتِيَوْمَ الدِّينِ وَلَا تَتَمَنَّوْا فِئْتِهٖ ط**۔ اس سے پہلے پہلے کہ وہ دن آدھکے کہ پھر کوئی اس دن کو لوٹانے والا نہ ہو اللہ کو۔ جب قیامت کی گھڑی آجائے گی۔ تو اس کو لوٹانے والا اور ٹانے والا کوئی نہ ہوگا۔ یہاں جو **مِنْ اللّٰهِ** آیا ہے تو اس کا تعلق یوم سے ہے۔ اللہ کی طرف سے جب وہ دن آدھکے **لَا مَرَدَّ لَهُ** تو اس کو لوٹانے والا کوئی نہیں۔ قیامت کی گھڑی جب آئے گی وہ ٹالی نہ جائے گی اور جیسا کہ میں نے کل عرض کیا کہ ایک چھوٹی قیامت بھی تو ہے۔ میں نے غالباً جگہ مراد آبادی کا شعر بھی سنایا تھا جس کا مصرع ثانی ہے ع۔

دنیا سے قیامت دور سہی دنیا کی قیامت دور نہیں

ایک تو بڑی قیامت آئے گی جس میں کائنات کا یہ سلسلہ تمام کا تمام درہم برہم ہو جائے گا اور ایک قیامت انفرادی ہے جس نے فرمایا: **مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ** جو مر گیا اس کی قیامت تو قائم ہو گئی۔ تو اس سے پہلے پہلے کہ یہ دنیا کی قیامت آجائے جس کے متعلق سورہ منافقون کے آخر میں فرمایا: **وَالْفُقُوْا وَمَا رَزَقْتُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَكُمْ اَحَدَكُمْ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَا اَخْرَجْتَنِيْ اِلَىٰ اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَدَّقَ وَاَكُنْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ** ہرگز مؤخر نہیں ہوتے جب کسی کے لئے موت کا معین وقت آجائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ہرگز مؤخر نہیں

کہے گا۔

آیت زیر درس کے آخر میں فرمایا: مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلَاجِيئٍ مَّعِيذٍ وَمَا لَكُمْ مِّنْ
تَكْبِيرٍ "اس دن تمہارے لئے نہ کوئی پناہ گاہ ہوگی اور نہ اس دن تمہاری طرف سے
کوئی انکار ہو سکے گا۔ اور نہ ہی تمہاری طرف سے کوئی پوچھ گچھ کرنے والا ہوگا۔ تکبر کے یہ دونوں
ترجمے کئے گئے ہیں۔ ایسا ہوتا ہے کہ اگر کبھی آپ کے کسی عزیز یا واقف کار کو پولیس پکڑ کر لے
گئی ہو تو آپ جا کر پوچھ گچھ کرتے ہیں کہ اس کو کیوں پکڑا ہے! اس کا کیا جرم ہے، اس نے
کیا خطا کی ہے! لیکن وہاں یعنی روز قیامت کوئی نہیں ہوگا۔ جو جا کر پوچھ گچھ کر سکے۔
اس دنیا میں بعض ممالک کے بارے میں بھی یہ سننے میں آیا ہے کہ وہاں اگر پولیس کسی کو
پکڑ کر لے جائے تو وہاں کوئی پولیس کے پاس جا کر یہ پوچھنے کی جرأت نہیں کرتا کہ اس کو کیوں پکڑا
ہے۔ اس لئے کہ جو پوچھنے جائے گا اسے بھی دھریا جائے گا۔ ایسا نظام بھی بالفعل دنیا میں ہے
بعض اسلامی ممالک میں ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ ایسا نظام صرف روس یا بعض کمیونسٹ ممالک میں ہے
۔۔۔ تو یہاں تکبر یہ مفہوم بھی دے رہا ہے کہ کوئی پوچھ نہ سکے گا کہ اس کو پکڑا ہے تو کیوں
پکڑا ہے۔۔۔ تو یہاں متنبہ کیا جا رہا ہے کہ اس سے پہلے پہلے کہ وہ دن آجائے کہ جس کا نہ
لوٹانا ممکن ہو، نہ اس روز کسی کو کوئی جائے پناہ میسر آئے۔ نہ کوئی انکار کر سکے، نہ اُن کے
طرف سے کوئی پوچھ گچھ کرنے والا ہو اپنے رب کی پکار پر تلبیک کہو! اسْتَجِيبُوا لِلرَّبِّ كَمَا
اَگلی آیت میں خطاب کا رخ ہو گیا حضور کی طرف۔ بڑا پیارا انداز ہے۔ فرمایا: رَانَ
اَعْرَسًا فَمَا اُرْسَلَتْ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)، اگر یہ سب کچھ
سن لینے کے بعد بھی یہ لوگ اعراض کریں، سب کچھ پی جائیں بس سے مس نہ ہوں تو آپ ملول
نہ ہوں، غمگین نہ ہوں۔ ہم نے آپ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا۔ یہ تو انسان کا اپنا
فیصلہ ہے۔ : اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا۔ آپ کا کام ہے ہدایت کی راہ کھول دینا
اور دکھا دینا۔ آپ کا کام ہے ذمہ داریوں کو بیان اور واضح کر دینا۔ آپ کا فرض منصبی
ہے حق کو مبرسن کر دینا۔ واشکاف کر دینا۔ آپ کے ذمہ ہے ابلاغ اور تبلیغ کا حق ادا
کرنا۔ اس مضمون کو آیت کے اگلے حصہ میں بیان کر دیا گیا: اِنْ عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ
آپ نے یہ سب کچھ جب بیان کر دیا پھر بھی وہ اعراض کر رہے ہیں۔ آپ نے ہماری پکار
لوگوں تک پہنچا دی۔ پکار تو اللہ کی ہے اسے حضور اپنی زبان مبارک سے ادا فرما رہے ہیں

جیسے گل میں نے اذان کے بارے میں کہا تھا۔ بظاہر تو وہ مؤذن کی زبان سے نکل رہی ہے۔
ہے تو وہ اللہ کی پکار۔ میں نے اس ضمن میں علامہ اقبال کا یہ شعر سنایا ہے۔

نکلی تو لبِ اقبال سے ہے کیا جانے کس کی ہے یہ صدا
پیغام سکوں پہنچا بھی گئی دلِ محفل کا ترپا بھی گئی!!!

آواز کسی اور کی ہے لیکن پکار کسی اور کی ہے تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پکار

ہماری ہے: اِسْتَجِیْبُو لِیْرِیْبِکُمْ۔ اور آپ کی زبان سے ہو رہی ہے۔ فَاِنْ اَعْرَضُوْ
نَمَا اَرْسَلْنَا عَلَیْہُمْ حَفِیْظًا اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلَاغُ ط۔ یہ لوگ پھر بھی نہ مانیں
پیٹھ دکھائیں تو آپ قطعاً ملول نہ ہوں۔ آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ سورہ غاشیہ

میں اسی بات کو اس اسلوب سے بیان کیا گیا۔ ذَبِّدْ قَفَا اِنَّمَا اَذْتَمَّ ذَکُوْرُهٗ لَسْتَ
عَلَیْہُمْ بِمُصِیْبٍ ۗ پس اسے نبی آپ یا دورانی کہتے رہیے۔ آپ تو بس نصیحت
ہی کرنے والے ہیں۔ ان پر دروغہ نہیں ہیں کہ ان کو لازماً راہِ راست پر لے آئیں گے

اللہ کی پکار پر لبیک کہنے کے مواعظات | اگلی آیات میں پھر ایک دوسرے دل نشین
اسلوب سے ان مواعظات کا ذکر ہے جو

انسان کو اللہ کی پکار پر لبیک کہنے سے روکتے ہیں۔ شاید کسی کے پاؤں میں پڑی
ہوئی یہ بٹریاں کھل جائیں کسی کو شعور حاصل ہو جائے۔ کوئی خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائے۔

فرمایا: وَاِنَّا اِذَا اَذْنٰنَا الْاِنْسَانَ مِمَّا رَحْمٰتِنَا فَرِحَ بِہَا جِ الْاِنْسَانِ بَطْرًا تھوڑا سا ہے بہت
کم ہمتا ہے۔ جب ہم اسے اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں۔ آسائش ہے، دولت ہے آرام

ہے، ثروت ہے، دنیا کی نعمتیں جمع ہو گئی ہیں تو: فَرِحَ بِہَا۔ اترانے لگتا ہے۔ اگڑنے
لگتا ہے۔ پھولے نہیں سماتا لیکن: وَاِنْ تُصِیْبُہُمْ سَیْئَةٌ اِنَّمَا یُنۡسِیۡہَا اَنۡ یُّدۡرِیۡہُوْ

اور اگر کہیں کوئی تکلیف آگئی، کوئی مصیبت آگئی اور وہ آتی ہے ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ
سے تو فَاِنَّا الْاِنْسَانَ کَفُوْرًا انسان بالکل ناشکر ہو جاتا ہے۔ ہمت بھی ٹوٹ گئی، حوصلہ

ہار بیٹھتا۔ اعتدال کی روش اختیار نہیں کرتا۔ جو انسان طالب دنیا ہوتا ہے وہ NORMAL
نہیں رہتا۔ دنیا مل گئی تو خوشی سے پھولے نہیں ہمارے۔ پاؤں زمین پر ٹھک نہیں رہے۔

گردن اکڑی ہوئی ہے اور جب ذرا دنیا چھین گئی، تنگی آگئی تو بچھ کر رہ جاتا ہے، کوئی ہمت
نہیں کوئی دلولہ نہیں۔ خود کشیاں ہو جاتی ہیں تو یہ انتہا ہیں دنیا میں عموماً نظر آتی ہیں۔ ایک

طرف تو یہ حال ہے، دوسری طرف ایک اور بات۔ وہی بات جہاں سے آج کی بات شروع ہوئی تھی۔ ذمّا اُوْتِیْتُمْ دِیْنَ شِئِیْ ۽ فَمَتَاعُ الْحَیْوٰتِ الدُّنْیَا جُو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کا برتنے کا سامان ہے۔ ”یہاں اس سر و سامان میں سے ایک خاص بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ دیکھو انسان کو اولاد بہت پیاری ہے۔ دولت پیاری اور اولاد پیاری۔ لیکن کیا اولاد کے ضمن میں کسی کے ہاتھ میں اختیار ہے! اللہ ہی کے ہاتھ میں اس کا فیصلہ ہے۔ فرمایا: لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط اَسْمٰنُوں اور زمین کا کل اختیار اس کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ط وہ جو چاہتا ہے تخلیق فرماتا ہے۔ آپ کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں۔ رحمِ مادر میں کیا چیز پر وہان چڑھ رہی ہے۔ آپ کو کچھ پتہ نہیں۔ یہاں بالکل اللہ ہی کا اختیار کار فرما ہوتا ہے۔ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَّا نَاثِرٌ ط وہ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں ہی بیٹیاں دیتے چلا جاتا ہے، وہ مطلقاً با اختیار ہے۔ اس سے پوچھنے والا کوئی نہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: اَدْرِیْزُ قَرِیْبٌ ذَکُرٌ اِنَّا نَاثِرٌ ط یا کسی کے لئے جوڑے جوڑے کر دیتا ہے۔ بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی۔ وَ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ط اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا کر رکھ دیتا ہے ”کوئی اولاد نہیں۔ ٹرپ رہے ہیں۔“ معلوم ہوا کہ یہ مال اور اولاد یہ ہیں دنیا کے سب سے بڑے فتنے۔ اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ دَ اَوْلَادُکُمْ فَنفِثْنٰہُ ط یہ مال اور اولاد ہی تو تمہارے لئے سب سے بڑی آزمائش ہیں۔ کوئی ہے جو یہ کہہ سکے کہ اولاد میرے اختیار میں ہے۔ میری محنت سے اولاد ہو سکتی ہے۔ اللہ چاہے تو بانجھ بنا دے۔ لاکھ جن کر لے کہ اولاد ہو جائے لیکن نہیں ہو سکتی اگر اللہ نہ چاہے۔ اللہ چاہے تو بیٹیاں یا بیٹے دیتا چلا جائے۔ اللہ چاہے تو بیٹے بھی دے اور بیٹیاں بھی۔ ایک متوازن خاندان وجود میں آجائے۔ اسی بات میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ مال و دولت دنیوی بھی بالکل ہمارے اختیار میں ہے۔ اس میں تمہیں کچھ رہو کہ لاحق ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ جتنی محنت زیادہ کر دگے اتنا ہی زیادہ کمالو گے۔ جتنی بے ایمانی کر دگے اتنا ہی شاید تمہیں زیادہ مل جائے گا۔ یہ مغالطے اور دھوکے ہیں جو تم کو لگ گئے ہیں۔ یہ بھی اللہ کی طرف سے معین ہے۔ کوئی شخص اپنی مقررہ روزی میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ لہذا جب دنیا کے تمام معاملات کا یہی مسئلہ ہے تو انسان کو یک سو ہو کر ان چیزوں کو اللہ کے حوالے کر کے اور انہیں صرف متاعِ دنیا سمجھ کر اپنی توانائیاں، اپنی قوتیں، اپنی صلاحیتیں ان کا اکثر و بیشتر حصہ اقامتِ دین کے

جدوجہد کے لئے کھیادینا چاہیے۔ آیت کا اختتام ہوتا ہے۔ اس پر جلال اسلوب سے
 اِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ہ سب کچھ جاننے والا تمام قدرت رکھنے والا تو صرف وہی ذات
 اقدس و سبحانہ ہے۔ اسی پر تمہارا توکل، اعتماد اور تکیہ ہونا چاہئے۔

یہ ہے حاصل اور لب لباب ان آیات کا جو ہم نے آج پڑھیں
ہدیۃ تشکر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آج میں نے جو ارادہ کیا

تھا اس تج کے فضل و کرم سے وہ پورا ہو گیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ ہم آج پندرہ آیات کی
 مطالعہ مکمل کر لیں۔ ویسے میں عرض کر دوں کہ جو آخری تین آیات رہ گئی ہیں اور اس
 سورہ مبارکہ کی جو ابتدائی آٹھ آیات ہیں۔ ان سے مجھے بڑی دلچسپی ہے۔ اس سورہ کے
 آغاز میں بھی وحی کا ذکر ہے اور آخری آیات میں جو مضمون ہے وہ تو میرے بڑے ہی شوق
 و ذوق والا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے کس کس شکل میں کلام فرماتا ہے
 اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور ایمان کی وحی سے پہلے کیا نوعیت تھی اور اجرائے وحی
 کے بعد ان کی کیا کیفیت ہوئی۔ یہ بہت ہی اہم اور دلچسپ موضوعات ہیں لیکن اللہ کو شکر
 ہوا تو کسی آئندہ نشست میں ان پر گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ العزیز۔

پیغامِ عمل

ہم نے بفضلہ تعالیٰ نو اور پندرہ کل چوبیس آیات کا تین دنوں میں مطالعہ مکمل کر
 ہے۔ اس طرح نصف کے لگ بھگ ہم نے یہ سورہ پڑھ لی ہے۔ ساتھ ہی ہم نے
 سورہ زمر، سورہ مؤمن اور سورہ نجم السجدہ کی بھی چند اہم آیات توحیدِ علمی کے
 ضمن میں پڑھ لی ہیں۔ اس طرح توحیدِ علمی اور توحیدِ عملی کا اقامتِ دین سے ربط و تعلق
 واضح طور پر ہمارے سامنے آ گیا ہے۔ اب ہر شخص کا اپنا معاملہ ہے۔ قرآن مجید اللہ کا کلام
 فرائض اس کے عائد کردہ۔ پہنچانے کی اولین ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ اس
 تعالیٰ جس کو توفیق دے دے وہ اس پیغام کو پہنچاتا چلا جائے۔ **يَدْعُوا عَنِّي وَكُوَايِبِ**
 حضور نے ہم کو حکم دیا کہ پہنچاؤ میری جانب سے چاہے ایک ہی آیت۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے
 سے میں نے تین دنوں میں قرآن مجید کی چوبیس آیات آپ تک پہنچائی ہیں۔ اب عمل کرنا
 اس کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ مگر کتنا کتنا اس کا فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر یہ کہ عمل

راہ ہو تو اقامتِ دین کی جدوجہد اور اپنی دیگر دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے کسے
 ہانپنے کے ساتھ جڑیں کوئی قافلہ موجود ہے کہ نہیں ہے۔ کوئی نیا بنائیں تو کس طرح بنائیں۔
 پہلی مسائل ہیں۔ یہ ہر شخص کے اپنے سوچنے کی بات ہے۔ میں نے قرآن مجید اور سیرتِ مطہرہ
 کے معروضی مطالعہ سے اپنی امکانی حد تک اور اپنی استعداد کے مطابق جو کچھ سمجھا ہے۔ میں اللہ
 شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بھی عطا فرمائی اور سمیت بھی۔
 اس کام کو اجتماعی طور پر انجام دینے کے لئے میں نے ”تنظیمِ اسلامی“ کے نام سے ایک
 جماعت قائم کی ہوئی ہے۔ باقی یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی قبر میں جانا ہے۔ اور اللہ کی عدالت میں
 اپنے معاملہ کا خود ہی مواجہہ FACE کرنا ہے۔ رَكُّهُمْ اَتَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا
 ہر شخص کو فرد کی حیثیت سے اللہ کی عدالت میں پیش ہونا ہوگا اور جواب دہی کرنی ہوگی۔
 میں آپ کی طرف سے جواب دہی نہیں کروں گا اور نہ آپ میری طرف سے کریں گے۔ میں اپنا
 راستہ دیکھ رہا ہوں، اس پر چل رہا ہوں۔ جو چیزیں مشترک ہیں انہیں پیش کر رہا ہوں۔
 یہ قرآن میرا نہیں ہے یہ ہم سب کا مشترک سرمایہ ہے۔ یہ ہدایت صرف میرے لئے نہیں ہے
 ہم سب کے لئے ہے۔ قرآن کا پیغام، توحید کے تقاضے ہیں نے آپ کے سامنے رکھ دیئے
 ہیں۔ اب سوچنا، عمل کی راہ تلاش کرنا اور اپنے دینی فرائض کی ادائیگی کی فکر کرنا ہر شخص
 کی اپنی ذمہ داری ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ
 لَوْلَا اَنْتَ هَدَانَا اللَّهُ -

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا
 مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ
 اللَّهُمَّ نُوذِقْ قُلُوبَنَا بِالْاِيْمَانِ وَاشْرَحْ صُدُورَنَا لِلْاِسْلَامِ
 اللَّهُمَّ اِنْسَ وَحَشْتَقَانِي قَبُورِنَا - اللَّهُمَّ اِحْمِنَا بِالْقُرْآنِ
 الْعَظِيمِ وَاجْعَلْهُ لَنَا اِمَامًا وَنُورًا وَهَدًى وَرَحْمَةً
 اللَّهُمَّ ذَكِّرْ نَا مِنْهُ مَا نَسِينَا وَعَلِّمْنَا مِنْهُ مَا جَهِلْنَا
 وَارْزُقْنَا تِلَاوَتَهُ اَنْاءَ اللَّيْلِ وَاَنْاءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ
 لَنَا حِجَّةً يَارَبَّ الْعَالَمِينَ ه اٰمِيْنَ

سلسلہ اشاعت
تنظیم اسلامی

(۱)

قرار داد تاسیس مع توضیحات

(۲)

شرائط شمولیت اور نظام العمل

(۳)

سرافگندیم

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِبَهَا وَ مَرْسَلَهَا

ڈاکٹر ارار احمد امیر محترم کا ایک خط

(۴)

مطالبات دین

مشتمل پر

و عبادت رب و فریضہ شہادت علی الناس
و فریضہ اقامت دین

(۵)

روداد تنظیم اسلامی حصہ اول

(۶)

رودادِ تنظیمِ اسلامی

حصہ دوم

بشمول خطاب امیر محترم
”تقرب الی اللہ کے مراتب“

(۷)

تنظیمِ اسلامی کی دعوت

امیر محترم کا خطاب

(۸)

تحریکِ جماعتِ اسلامی

تحقیقی مطالعہ
ایک

امیر محترم کی ایک شکر انگیز تصنیف

(۹)

مسلمانوں کے دینی فرائض اور اسوہ رسول

امیر محترم کا درس اور خطاب

(۱۰)

دینی فرائض کا جامع تصور

امیر محترم کا ایک خطاب

بعثتِ انبیاء و رسل کا اساسی مقصد ——— او
 بعثتِ محمدی کی تمام تکمیلی شان ——— نیز
 انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج ———

ایسے اہم موضوعات پر

ڈاکٹر اسرار احمد

کی
 حیدر درجہ جامع تصنیف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 نبی اکرم کا مقصد بعثت

کا مطالعہ کیجئے

اعلیٰ سفید کاغذ • عمدہ طباعت • قیمت فی نسخہ

مرکزی ایجنسڈم القرآن
 ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن • لاہور

نبی اکرم کی اصل صلاحیت قدرت اور عظمتِ شان کو
کوئی نہیں جان سکتا، مختصراً یہی کہا جاسکتا ہے کہ

”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“

ہمارے لیے اصل قابل غور مسد یہ ہے کہ:۔۔۔
کیا ہم آپ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں؟
اس لیے کہ اسی پر ہماری نجات کا دار و مدار ہے۔۔۔

اس اہم موضوع پر

ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

ہمارے تعلق کی بنیادیں

کا خود بھی مطالعہ کیجئے اور اس کو پھیلا کر تعاون علیہم کی سعادت حاصل کیجئے

ہدیہ فی فتحہ: تین روپے تبلیغی مقصد کے لیے ایک صد نسخوں کی ۳۳ فی صد کیشن دیا جائے گا:

توحیدِ عملی

اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین

کی اہمیت و فضیلت

سورۂ زمر تا سورۂ شوریٰ کی روشنی میں



ڈاکٹر اسرار احمد — امیر تنظیم اسلامی
کا خطاب اور درس قرآن حکیم



ترتیب و تسوید

جمیل الرحمن

مکتبہ تنظیم اسلامی